قدیم سندھ

اس کے مشہور شہر اور باشندے

از

شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ

مترجم

نورالدین ناریجو

سندھی ادبی بورڈ

سنڌي ادبي بورڊ
ڄامشورو

قدیم سندھ

اس کے مشہور شہر اور باشندے

از

شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ

مترجم

نورالدین ناریجو

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو، سندھ

2014ء

اس کتاب کے جملہ حقوق سندھی ادبی بورڈ کے پاس محفوظ ہیں

طبع اول　　جولائی 2014ء　　تعداد 1000

کتاب ہذا کے کسی بھی حصے کو، ادارہ کی اجازت کے بغیر، الیکٹرانک یا کسی دوسرے طریقے، جس میں اسٹوریج یا ریٹریول سسٹم شامل ہو، بروئے کار نہیں لا سکتا۔

قیمت: تین سو دس روپے
(Price Rs: 310-00)

خریداری کے لئے رابطہ:
سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر
تلک چاڑھی حیدرآباد
(فون اور فیکس نمبر 022-0633679)
Email Address: sindhiab@yahoo.com
Website: www. sindhiab.com

یہ کتاب الحفیظ تو گھیو سیکریٹری سندھی ادبی بورڈ نے سندھیکا اکیڈمی کراچی سے چھپوا کر شائع کی۔

پبلشر نوٹ

"قدیم سندھ، اس کے مشہور شہر اور باشندے" سندھی ادب کے مشہور و معروف ادیب اور محقق شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ کا سندھ کے قدیمی اور تاریخی شہروں اور باشندوں اور قبیلوں کے احوال پر مشتمل ایک اہم تاریخی اور تحقیقی دستاویز ہے، جس میں سندھ کا تاریخی احوال قدیم زمانے سے لیکر انگریز سرکار کے حکومت تک کا ہے۔

تاریخ سندھ کی اشاعت سندھی ادبی بورڈ کے بنیادی پروگرام میں سے ایک اہم پروگرام ہے، جس کے تحت تاریخ سندھ کے قدیم عربی اور فارسی ماخذوں کی اشاعت کے ساتھ مختلف ادوار کے مشہور محققین اور تاریخدانوں کی سندھ کی تاریخ پر مبنی تحقیقی کتابیں شایع کر کے منظر عام پر لائی گئی ہیں۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

یہ کتاب "قدیم سندھ، اس کے مشہور شہر اور باشندے" مرزا قلیچ بیگ نے سندھی زبان میں تصنیف کی ہے۔ جس کا پہلا ایڈیشن سال 1925ء میں "بلوٹسکی پریس بندھو آشرم حیدرآباد سندھ" نے شایع کیا۔ جس کا دوسرا ایڈیشن تقریباً اکتالیس سال بعد بورڈ سے شایان شان نمونے سے منظر عام پر لایا گیا، اور وقتاً فوقتاً اس کتاب کے متعدد ایڈیشن بورڈ نے شایع کیں۔ اس کتاب کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا اردو زبان میں ترجمہ محترم نورالدین نار یجو سے کرایا گیا، جنہوں نے بہت خوش اسلوبی سے اس اہم تاریخی کتاب کا ترجمہ کر کے بورڈ کے سپرد کیا۔

باب یازدہم — سندھ میں دہلی کے تیموری مغل بادشاہوں کے امیر اور نواب — 154-147
باب بارھواں — کلہوڑا اور تالپور دور حکومت میں مشہور لوگ (ترتیب وار) — 169-155
باب تیرھواں — سندھ کے چند قدیم شہر اور ان کا مختصر احوال (ترتیب وار) — 211-170
باب چودھواں — سندھ پر حکومت کرنے والی قدیم قومیں (ترتیب وار) — 217-212
باب پندرھواں — قدیم سندھ کی چند قومیں اور مذہبی فرقے (ترتیب وار) — 235-218

قدیم سندھ کے ستارے

دیباچہ — 239
فصل اول — بکھر، روہڑی اور گردونواح کا ملک — 240
فصل دوم — سیوستان (سیہون)، چانڈکو (لاڑکانہ) اور گردونواح کا ملک — 242
فصل سوم — نیرون کوٹ (حیدرآباد) دریلہ میمن اور گردونواح کا ملک — 245
فصل چہارم — کوہستان، گنگالہ، ساکرہ اور گردونواح والا ملک — 248
فصل پنجم — ٹھٹہ ([illegible]) اور گردونواح والا ملک — 249
فصل ششم — متفرق عالم و فاضل، مصنف اور شاعر — 258
شجرہ نسب — 263
لوگوں کے ناموں کی فہرست (قدیم سندھ کے ستارے) — 291
کتابوں کے ناموں کی فہرست (قدیم سندھ کے ستارے) — 295
شہروں کے ناموں کی فہرست (قدیم سندھ اس کے مشہور شہر اور باشندے) — 297

پیش لفظ

شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ نے بڑی محنت اور لگن سے سندھ کے قدیم تاریخی مقامات اور ان شہروں اور گاؤں کے وجود میں آنے کے اسباب، عربوں، ایرانیوں، افغانیوں اور تاتاریوں کی آمد اور مقامی آبادی سے ان کے تعلقات اور میل ملاپ، ان کی علمی ادبی اور مذہبی باتوں کے مقامی آبادی پر اثرات، ملک کی جغرافیائی اور انتظامی ترتیب، ملک کی خود مختاری، دوسری قوتوں کے حملے، مغل کے بادشاہوں کی ماتحتی، انگریزوں کی آمد، تمدنی، معاشرتی اور ثقافتی حالات کا مفصل طور پر احوال دیا ہے۔ اس موضوع پر یہ کوئی پہلی کتاب نہیں ہے اس سے پہلے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی گئی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی۔ مرزا قلیچ بیگ جیسے معروف مصنف نے جس جان فشانی سے یہ کام کیا ہے وہ نہایت قابل تعریف ہے۔

مرزا قلیچ بیگ سندھ کے وہ مایہ ناز ادیب ہیں جنہوں نے مختلف موضوعات پر دو سو کے قریب تراجم اور طبع زاد کتابیں لکھ کر سندھی ادب کا دامن وسیع کیا ہے۔ اس سے پہلے سندھی عالم اور ادیب عربی اور فارسی میں لکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ سندھی نثر کا ابتدائی دور تھا۔ مرزا صاحب نے سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کئے اور ان کا نثر عربی اور فارسی لفظوں کی بھرمار سے پاک ہے۔ کتاب "قدیم سندھ اور اس کے مشہور شہر اور باشندے" اردو ترجمہ ہے یہ میری پہلی کوشش ہے امید ہے کہ اہل نظر اصحاب میری ہمت افزائی کریں گے۔

دریا باد کالونی کوٹڑی
30 اکتوبر 2007

مترجم نور الدین تاریجو

maablib.org

تمہید

سندھ کی تاریخ میں نے انگریزی، سندھی، اور فارسی زبانوں کی مدد سے اس سے پہلے مرتب کی ہے جس سے قدیم وقت سے لے کر اب سندھ کا پورا احوال معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں سندھ کے اہم اور قدیم شہر اور ان کے باشندوں کا مختصر احوال دیا گیا ہے۔ قدیم لفظ کے معنی اس کتاب کے مضمون کے پیش نظر عربوں کی آمد سے پہلے اور بعد میں انگریز سرکار کی حکومت تک ہے۔ جو قدیم شہر اس زمانہ میں موجود تھے ان کے کیا نام تھے اور وہ نام کس نسبت سے مروج ہوئے، کب اور کس نے تعمیر کروائے، کونسے مشہور لوگ رہا کرتے تھے۔

ان مشہور لوگوں میں عالم و فاضل، شاعر، مصنف، درویش، اولیا، امیروں اور وزیروں کی تفصیل دی گئی ہے۔ اولیاء کی بعض کرامات بھی بیان کی گئی ہیں۔

ان شہروں میں مختلف حکومتوں کے دور میں کیا حالات تھے اور ان کا مختصر تاریخی پس منظر بھی دیا گیا ہے۔ سندھ میں قدیم وقت سے لیکر اب تک جو قومیں اور مذہبی فرقے رہتے آئے ہیں یا اب تک موجود ہیں ان کا مختصر بیان کیا گیا ہے۔ سندھ پر حکومت کرنے والی قوموں، امیروں اور مشہور لوگوں کے خاندانوں کے شجرہ نسب بھی دیئے گئے ہیں اور یہ سارا مواد اکثر قدیم فارسی کتب سے لیا گیا ہے جو کمیاب ہیں۔ سندھ میں پہلے فارسی زبان کا نام و نشان نہ تھا عربوں کی فتح کے بعد سنہ 613 ہجری 1217ء میں علی بن ابو بکر کوفی جو اچ آکر رہنے لگے تھے انہوں نے پہلی بار سندھ کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی اور اس مقصد کیلئے الور اور بکھر میں آکر وہاں پر رہنے والے خاندانوں سے معلومات حاصل کیں اور آخر میں قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی کو تلاش کیا جن کے پاس عربی زبان میں ان کے بزرگوں کا احوال اور سندھ کی فتح کا احوال لکھا ہوا تھا جو ان سے حاصل کر کے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ "چچ نامہ" کے نام سے کیا۔ میں نے اس کتاب کا ترجمہ انگریزی اور سندھی زبان میں کیا ہے۔ اس سے پھر سید میر معصوم شاہ بکھری نے سندھ کی تاریخ لکھی جس کو تاریخ معصومی کہتے ہیں۔ یہ سید شاعر بھی تھے اور شعر میں تخلص "نامی" کرتے تھے۔ مرزا جانی بیگ ترخان اور مرزا غازی بیگ ترخان کے دور میں تھے۔ اکبر بادشاہ کے امیر خان خانان کے ساتھ سندھ سے لڑائی کے

وقت میں شامل ہوئے تھے۔ انہوں نے سنہ 1014 ہجری (سنہ 1605ء) میں وفات پائی۔ میر معصوم شاہ کی وفات کی تاریخ اس مصرعہ سے نکلتی ہے "بود نامی صاحب ملک سخن" اور اکبر بادشاہ کی تاریخ وفات اس سے نکلتی ہے "فوت اکبر شہ" ۔ اس سے پہلے سنہ 1000 ہجری (سنہ 1591ء) میں ارغون اور ترخان مغلوں کے زمانہ کا تاریخی احوال "بیگلار نامہ" کتاب میں لکھا ہے۔ اس سال سید طاہر نسیانی بن سید حسن ٹھٹھ والے نے سنہ 1030 ہجری (سنہ 1621ء) میں "تاریخ طاہری" لکھی جس میں سندھ کا احوال ہے پھر سنہ 1187 ہجری (سنہ 1772ء) میں سید علی شیر قانع ٹھٹھ والا جو میر شکر اللہ شیرازی کی اولاد سے تھا اور مرزا شاہ بیگ ارغون کے زمانہ میں ٹھٹھ میں آئے تھے انہوں نے کتاب "تحفۃ الکرام" لکھی یہ سب فارسی کتب ہیں جن سے میں نے سندھ کی تاریخ انگریزی میں لکھی ہے۔ کلہوڑا اور میروں کے زمانہ کا احوال میں نے محمد عظیم ٹھٹھ والے کی کتاب "فتح سندھ" اور میر یار محمد کی کتاب "فتح نامہ" سے لیا ہے۔ اس کتاب کا مضمون بھی انہی کتابوں سے لیا گیا ہے۔ بعض قوموں اور فرقوں کا احوال "سندھ گزیٹیر" سے اخذ کیا ہے۔

سب جانتے ہونگے کہ عربوں کی آمد سے پہلے سندھ کی سرحدیں بہت کشادہ تھیں اس میں پنجاب اور بلوچستان کے کچھ حصے شامل تھے۔ عربوں کی فتوحات سے پہلے سندھ پر رائے خاندان کے ہندو راجاؤں کی حکومت تھی اس وقت سندھ کی مشرقی سرحد کشمیر اور قنوج تک تھی اور مغرب میں مکران، دیبل اور سمندر تک شمال میں قندھار سیستان اور کوہ سلیمان، جنوب میں سورت بندر تک۔ اس زمانہ میں سندھ کا پایہ تخت الور شہر تھا۔ ملک میں چار بڑے قلعے تھے جن میں حکمران رہتے تھے اور گرد و نواح کے پرگنوں پر حکمرانی کرتے تھے۔

راجا خود الور میں رہتا تھا۔ یہ چار قلعے برہمن آباد، سیوستان، اسکندراہ (اچ) اور ملتان میں تھے۔ پھر عربوں کے بعد جب دہلی کے بادشاہوں کے نواب سندھ کے حکمران بنے تب ٹھٹھ اور بکھر دارالحکومت تھے۔ اس زمانہ میں سندھ ملتان کے صوبہ سے ملحق تھا اور سندھ کے الگ الگ حصے یا علاقے تھے ہر ایک حصہ کو سرکار کہتے تھے اکبر بادشاہ کے زمانہ میں "آئین اکبری" کے مطابق ملتان کے صوبہ میں سندھ کی مندرجہ ذیل سرکاریں تھیں اور ہر ایک سرکار میں جدا جدا محل یا تعلقہ دکھائے گئے ہیں۔

ا۔ سرکار بکھر میں 12 محل:

بکھر، اچ، ماتھیلا، اوباوڑہ، الور، دربیلہ، سیوی وغیرہ۔

۲۔ سرکار سیوستان میں 9 محل:

سیوستان، پاٹ، باغبان، کاہان، لاکھاٹ وغیرہ۔

۳۔ سرکار نصر پور میں 7 محل:

نصرپور، عمرکوٹ وغیرہ۔

۴۔ سرکار چاچکان میں 11 محل۔

چاچکان، جون وغیرہ۔

۵۔ سرکار چکرہالہ میں 8 محل:

چکرہالہ، مغاز بیدو وغیرہ۔

۶۔ سرکار ٹھٹہ میں 18 محل:

ٹھٹہ (دیبل موجودہ ٹھٹہ) بندر لاہری، بھنورہ، بہرام پور، ساکورہ (ساکرہ) وغیرہ

اس ترتیب سے اس کتاب میں شہروں کا بیان لکھنے کے لیے ان کی تقسیم جدا جدا حصوں میں کی گئی ہے جن کی تفصیل نیچے دی گئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سندھ کے وہ لوگ جو فارسی اور انگریزی زبانوں سے ناواقف ہیں یا جن کے پاس تواریخ کی مندرجہ بالا کتابیں نہیں ہیں ان کے لیے یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔

قلیچ بیگ

حیدرآباد سندھ

دسمبر 1921ء

باب اوّل

قدیم سندھ، اس کے مشہور شہر اور لوگ

ملتان، لوہری، الور، بکھر، سیری، شکار پور اور گرد و نواح کا علاقہ

(موجودہ سکھر، شکار پور اور سرحد سندھ کے اضلاع)

سندھ

سندھ ملک پر نام سندھ سے پڑا جس طرح ہندوستان یا ہند پر نام ہند سے پڑا۔ سندھ اور ہند دونوں بھائی تھے حام بن نوح کے بیٹے تھے۔ حضرت نوح مشہور نبی تھے جنہوں نے طوفان کے بعد دنیا کو آباد کیا تھا۔ اس سے جو دریا بہتا ہے اس کو سندھو ندی کہتے ہیں۔ سندھو ندی بھی سندھ کے نام سے منسوب ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سندھ ملک کا یہ نام ہی سندھو ندی سے پڑا ہے جس کے معنی سنسکرت زبان میں بڑا دریا ہے۔ قدیم سندھ کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ پنجاب اور بلوچستان کے کچھ حصے اور شمالی ہندوستان کا تھوڑا سا حصہ اس میں شامل تھے۔ سندھو ندی کو پہلے زمانے میں مہران بھی کہا جاتا تھا، اور وہ کسی زمانہ میں الور یا اروڑ شہر کے قریب بہتا تھا جو دارالخلافہ اور ایک بڑی بندرگاہ تھا جب وہ شہر تباہ و برباد ہوا تو دریا نے بھی اپنا رخ تبدیل کر دیا اور روہڑی اور بکھر کے درمیان سے بہنے لگا جو اب تک جاری ہے۔ سندھ کے حاکموں، راجاؤں اور بادشاہوں کا احوال تو تاریخ سے معلوم ہوگا مگر سندھ سے متعلق جو عجیب باتیں زمانہ قدیم میں مشہور ہوتی تھیں اور کتابوں میں لکھی گئی تھیں وہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

(1) دنیا کے سات بڑے حصے کئے گئے ہیں جنہیں ہفت اقلیم کہا جاتا ہے۔ سندھ دوسرے اقلیم میں داخل ہے جس میں عرب بھی آجاتا ہے اس لئے سندھ سے عرب کا گہرا تعلق سمجھا جاتا ہے۔ آخرکار عربوں نے سندھ فتح کر لیا۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں سندھ اور عرب کے درمیان راستہ قریب اور سیدھا تھا جو بعد میں پہاڑوں اور سمندروں کے باعث دور ہوتا گیا ایک دفعہ سندھ کے پہاڑوں میں ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جو تین دن کے بعد حجاز میں جا نکلا اور وہاں سے پایا گیا جب محمد بن قاسم سندھ فتح کرنے آیا اس زمانہ میں بغداد سے قاصد سات دن میں آیا جایا کرتے تھے۔

(2) سندھ میں اگلے وقتوں میں سچ اور جھوٹ کو پرکھنے کیلئے پانی اور آگ سے آزمائش لی جاتی تھیں ملزم کو آگ کے شعلوں یا انگاروں پر یا لوہے کی کدال آگ میں تپا کر اس پر سبز پتے رکھ کر کچے سوت سے باندھ کر ملزم کو ہاتھ میں دیکر چلنے کو کہا جاتا تھا اگر سچا اور بے گناہ ہوتا تو نہ اس کے ہاتھ جلتے اور نہ سبز پتے اور نہ سوت جلتا۔ یا گہرے پانی میں ایک لمبی لکڑی کھڑی کر کے ملزم کو غوطہ لگانے کو کہتے اسی وقت کمان سے تیر پھینکا جاتا تھا جب تک ایک آدمی دوڑ کر وہ واپس لے آتا اس کے بعد اسے پانی سے باہر آنے کو کہا جاتا اگر سچا ہوتا تو اس طرح کر سکتا تھا۔

(3) مویشی پالنے والے لوگوں کی عورتوں کو ایسی ترکیب آتی تھی کہ اگر کسی کے گھر انگارے لینے یا کسی اور کام سے جاتی تھیں تو ان کی بلوئی ہوئی چھاچھ کے برتن سے مکھن نکال لاتی تھیں اور اپنے مکھن سے ملا کر رکھ دیتی تھیں۔

(4) پہاڑی علاقوں کے آدمی پیش گوئی کرنے کے ہنر سے واقف تھے اس مقصد کیلئے ایک بکرا ذبح کر کے اس کی اگلی ران نکال کر اس کی لکیریں اور نشان دیکھ کر پیشن گوئی کرتے تھے اسی طرح دشمن کے حملے کی خبر ہو جاتی تھی۔

(5) چند ڈائنیں بھی رہتی تھیں جو آدمیوں کا کلیجہ کھاتی تھیں اور غیب کی خبریں بھی دیتی تھیں۔ چند جوگنیں بھی رہتی تھیں جو ہاتھ دیکھ کر قیافہ شناسی سے قسمت کا حال یا دل کی بات بتاتی تھیں۔

(6) تیتر اور چند دوسرے پرندوں یا جانوروں کے آواز یا اڑنے یا گزرنے سے شگون لے کر غیب کی بات بتاتی تھیں۔

(7) وہاں کے لوگ پاؤں کے نشانات پہچاننے میں نہایت قابل تھے۔ پاؤں کے نشانات دیکھ کر کسی چور یا جانور کو پکڑ لیتے تھے۔

ملتان

قدیم زمانہ میں پنجاب کا بڑا حصہ سندھ میں شامل تھا اس میں ملتان، اُچ اور دیرا اور دوسرے کئی بڑے شہر سندھ سے تعلق رکھتے تھے اسلامی فتوحات سے قبل یعنی سنہ 92 ہجری 712ء میں محمد بن قاسم ثقفی کے آنے سے قبل ملتان ہندو رائیوں یا راجاؤں کے تابع ہوتا تھا کچھ برس بعد تک ہندو راجا ہوا کرتے تھے جن سے سلطان محمود غزنوی نے آکر چھڑایا (نجات دلائی) اور

قرامطی خاندانوں کے بعد سنہ 847 ہجری تک ملتان دلی کے مغل بادشاہوں کے زیر حکومت رہا اس کے بعد ملک میں انتشار پیدا ہو گیا جگہ جگہ خود مختار حاکم بننے لگے تب ملتان کے زمینداروں اور وڈیروں نے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے متولی شیخ یوسف قریشی کو وہاں کا بادشاہ مقرر کیا یہ لوگ بڑے شیخ کے مرید تھے کچھ عرصہ بعد لانگاہوں کا ہندو سردار رائے آکر شیخ کا مرید ہوا اور اپنی بیٹی کی شادی شیخ سے کرا دی پھر دغا دیکر شیخ یوسف کو قتل کر کے خود سلطان قطب الدین کے لقب سے ملتان کا بادشاہ بنا۔ کئی برسوں تک اس خاندان والوں نے حکومت کی پھر مرزا شاہ حسن ارغون آئے جنہوں نے ملتان بطور نذرانہ بابر بادشاہ کو دیا جنہوں نے اپنے بیٹے کامران کو عطا کیا اس طرح اس پر مغلوں کا قبضہ رہا بعد میں نادر شاہ نے ان سے چھین لیا اس کے بعد احمد شاہ درانی کے قبضہ میں رہا جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ جس وقت سکندر بادشاہ نے پنجاب پر حملہ کیا اس زمانہ میں ملتان مالی قوم کا مشہور شہر تھا اس کو غالباً یہ نام بھی انہیں سے ملا تھا اور یہ مالیستان تھا۔ اب تک یہ شہر شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی درگاہ کی وجہ سے مشہور ہے ہزاروں لوگ سندھ اور دوسرے مقامات سے ہر سال زیارت کیلئے آتے ہیں۔ ملتان میں مندرجہ ذیل مشاہد گزرے ہیں۔

(1) جعفر جس کا نام المويد بن اسماء تھا اور عمر بن حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے تھے وہ پہلے پہل ادھر آکر رہے ان کے پچاس بیٹے تھے جو ہند کرمان اور فارس میں جا کر آباد ہوئے۔ ان میں سے ایک عبدالحمید نے اُچ میں حکومت کی۔

(2) شیخ بہاؤالدین زکریا بن شیخ ابو محمد جعفر بن خلیفہ حضرت ابو بکر کی اولاد میں سے تھے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے تھے۔☆ شیخ کے حکم سے ملتان میں آکر رہنے لگے اسی دوران شیخ الاسلام بن گیا۔

☆ یہ احوال کتاب "تحفۃ الکرام" سے ماخوذ ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ شخص دراصل اسدی ہاشمی قریشی ہے نہ کہ حضرت ابو بکر کی اولاد سے یہ بات مندرجہ ذیل کتابوں سے معلوم ہوئی ہے۔ انوار غوثیہ، اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیاء، خلاصۃ العارفین، اور مراۃ المناقب۔ بکیروں کے رہنے والے پیر صاحبان جو خود بھی غوث بہاؤالدین کی اولاد میں سے ہیں ان کے ایک بزرگ عمر رسیدہ بزرگ شاہ قائم الدین قلندر کی سوانح عمری میں بھی اس طرح لکھا ہوا ہے اور سندھی زبان کی کتاب اذکار قلندری میں بھی لکھا ہوا ہے۔

پنجاب اور سندھ میں بھی ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور صاحب کرامت اولیاء ہو گزرے ہیں انہوں نے سنہ 360 ہجری میں وفات پائی اور ملتان کے قدیم قلعہ میں دفن کئے گئے۔ شیخ فخر الدین عراقی اور امیر حسینی جو کتاب کنز الرموز، زاد المسافرین اور نزہت الارواح کے مصنف ہیں ان کے مشہور مریدوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ شیخ بہاؤالدین کی مسند پر انکے بڑے بیٹے شیخ رکن الدین اور ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ اسماعیل مسند نشین ہوئے اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا ان کی اولاد میں شیخ اسماعیل ملتان کے شیخ الاسلام مقرر ہوئے اور سنہ 748 ہجری ملتان کے حکمران بنے دو برس کے بعد شہید ہو گئے اس خاندان کے افراد سندھ میں بہت سے مقامات پر آباد ہیں۔

(3) فضلی اکابرین وقت میں سے تھے اور بہت وقت ناصر الدین قباچہ کی صحبت میں گزارتے تھے۔

(4) مخدوم حسام الدین شریعت پر عمل کرنے والے شخص تھے انہوں نے جس گاؤں میں وفات پائی اس کو حسام پور کا نام دیا گیا۔

(5) سید قریشی شاہزادہ مراد بخش بن عالمگیر کے ملازم تھے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں۔

اُچ

ملتان علاقے کے بڑے شہروں میں اُچ کا شہر بھی گنا جاتا ہے۔ رائے ساہسی کے دور حکومت میں سات بڑے شہروں میں مضبوط قلعے ہوتے تھے۔ یہ ملتان اور اُچ میں بھی تھے جو بعد میں مسمار ہو گئے۔ اُچ میں سات مشہور گاؤں ہوتے تھے اب ان میں سے تین بچے ہیں ایک کو اُچ مخدوم جہانیاں کہتے ہیں دوسرے کو اُچ مغلیہ اور تیسرے کو اُچ گیلانی کہا جاتا ہے۔ پہلے میں مخدوم جہانیاں کی درگاہ ہے اور ان کے مرید رہتے ہیں دوسرے میں مغل لوگ تیسرے میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسل والے پیر اور ان کے مرید رہتے ہیں۔ اس جگہ کی زمین اونچی اور پہاڑی ہے اس لیے اس کو اُچ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہاں پر ایک بڑا قبرستان ہے جس میں بہت بزرگ مدفون ہیں۔ قدیم زمانہ میں اس شہر کا نام اسکندرہ تھا ادھر ایک حاکم رہتا تھا اُچ کے بزرگوں اور مشہور آدمیوں میں سے چند یہ تھے۔

(1) سید عبدالحمید بن جعفر (مؤید من السماء) جن کا نام ملتان کے ذکر میں آگیا ہے وہ اُچ کے حاکم تھے۔

(2) مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی پیران پیر کی اولاد سے تھے بڑے عالم اور فاضل تھے۔ اچ جیلانی میں رہتے تھے ان کے ہاتھ پر بہت سے کافر مسلمان ہوئے تھے ان کے خلیفوں میں شیخ ابراہیم خلیل خدا مرزا شاہ حسن ارغون کے ہمعصر تھے۔ ان کے بیٹے گنج بخش شاہ صاحب کراماتی بزرگ گزرے ہیں۔

(3) مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری ایک بڑے اولیاء گزرے ہیں جن کو جہاں گشت کہا جاتا تھا شیخ بہاؤالدین ملتانی کے دوست تھے اور شیخ رکن الدین کے مرید تھے ان کی کرامات مشہور ہیں۔ مکہ مکرمہ سے دلی آئے تھے اور شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے مرید ہوئے اور ان کے حکم کے مطابق آکر اچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ سنہ 785 ہجری میں وفات پاگئے ان کے بیٹے شیخ برہان الدین قطب عالم ان کے جانشین تھے بڑے صاحب کرامت تھے ان کی اولاد گجرات اور دوسرے مقامات پر آباد ہے۔

(4) سید راجو قتال سید جلال بخاری کے پوتے تھے سندھ کے بلوچوں میں سے تھے شاہ عیسیٰ عبدالوہاب بھی مخدوم جہانیاں کی اولاد سے تھے۔

(5) سید اسماعیل بخاری شیخ یحییٰ اچی شیخ ضیائی، شیخ فضل اللہ، شیخ حماد قریشی، شیخ جمال درویش یہ سب مخدوم جہانیاں کے بہت مشہور مرید تھے۔

(6) قاضی ابوالخیر اور قاضی عبدالرحمن مشہور قاضی تھے۔ شیخ شجاع بخاری ملتان کے حاکم حسین لانگاہ کے داماد تھے۔ میاں جمن صدیقی اور ان کے بیٹے مخدوم بہاؤالدین مشہور تھے بعد میں ان کے بیٹے مخدوم عثمان ٹھٹھ میں آکر سکونت پذیر ہوگئے اسی سید کے مرید سید نصیرالدین اور شیخ جمال گوری اور شیخ محمد بن بازید بھی اہل اللہ تھے۔

(7) محمد علی بن شیخ عبدالواسع بڑے صوفی بزرگ اور شاعر تھے اور بخاری سادات کا شجرہ نسب شعر میں بیان کیا ہے۔

بکھر

فارسی زبان میں اس کو بھکر یا بکھر لکھا جاتا تھا اس کا اصل نام فرشتہ ہے ہندو راجاؤں کے دور میں اس کا کوئی نشان نہیں تھا اسی زمانہ میں الور بڑا شہر تھا جب وہ برباد ہوگیا تب بکھر آباد ہوا اور الور خود ایک چھوٹی سی بستی بن گیا۔ سب سے پہلے وہاں پر سید محمد مکی شہدی آئے جو سید محمد شجاع کے فرزند

تھے۔ پہلے پہل جب انہوں نے شہر فرستہ میں پاؤں رکھا تو اس وقت فجر کا وقت تھا جس کو عربی میں بکرۃ کہا جاتا ہے۔ سید نے سواری سے اترتے وقت "جعل اللہ بکرتی فی بقعۃ المبارک" یعنی خدا تعالی نے میری صبح اس بابرکت گاؤں میں کی۔ اس کے بعد فرستہ کو بکرہ کہا جانے لگا جو بعد میں بکھر کہلانے لگا۔ اس جگہ کے سید اسی سید محمد مکی کی اولاد ہیں۔ سید حیدر حقانی جن کا وہاں مزار ہے وہ بھی ان کی اولاد سے تھے ان کی اور بھی بہت سی اولادیں تھیں۔ میرہ میران لوہری والے بھی ان کی اولاد سے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سواری سے اترنے سے قبل ساتھیوں نے پوچھا کہ کہاں پر بوجھ اتارا جائے انہوں نے کہا کہ جہاں پر صبح کے وقت بیل کی آواز سننے میں آئے۔ بیل کو عربی بقر کہتے ہیں۔ اس جگہ پر ان لوگوں نے ایسی آواز سنی اور سواریوں سے اترے ان کے بعد کثرت استعمال سے یہ لفظ بکھر بن گیا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں میر معصوم شاہ نے الور کے ویران شہر سے اینٹیں منگوا کر اس جگہ پر ایک قلعہ تعمیر کروایا اور سکھر شہر میں ایک مینار بھی تعمیر کرایا یہ قلعہ بعد میں نادر شاہ نے آکر ویران کیا۔ بکھر کا قلعہ سب سے پہلے شیخ ابو تراب عرب نے بنوایا تھا جس نے اس شہر پر قبضہ کیا تھا۔ اس کا مزار شہر گجو تعلقہ میرپور ساکرہ تعلقہ میں ہے۔ اس پر سنہ 171 ہجری 787ء لکھا ہوا ہے۔ اس قلعہ کی مرمت شاہ بیگ ارغون نے دوبارہ کرائی اور سید اور دوسرے لوگ اس جگہ پر لا کر آباد کئے۔ بکھر اور اس کے قریبی شہر لوہری یا روہڑی میں جو مشہور لوگ گزرے ہیں جن کے یہاں مزار ہیں (1) سید محمد مکی اور (1) حیدر حقانی کے علاوہ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(3) شاہ حاجی دریائی ان کے متعلق کہا جاتا ہے اس اندھے قلندر نے مچھلی پکڑنے کیلئے دریا میں کنڈی ڈالی تو وہ ایک صندوق میں جا کر اٹکی صندوق باہر نکالنے پر اس کی بینائی بحال ہو گئی اس صندوق میں ایک لاش پڑی تھی جو انہوں نے لا کر دفن کی۔ رات کو ان نے خواب میں دیکھا کہ اس فوتی کا نام شاہ حاجی ہے عرب سے بہہ کر اپنے مرشد بہاؤ الدین کے قریب دفن ہونے کیلئے آیا تھا جس کا مزار بھی اس جگہ پر تھا اس کی لاش بھی خدا کی قدرت سے ادھر آپہنچی دونوں کے مزار ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

(4) شاہ مقصود جن کا لقب "موجود" ہوتا تھا ان کا مزار بھی امر کس کی پرلی طرف ہے ہر سال ہر مہینے کی ۱۴ تاریخ اتوار کے دن میلا لگتا تھا کہتے ہیں کہ اس رات کو غیبی بازار لگتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی دکاندار کے پاس اپنی تلوار گروی رکھی جب صبح کو تلوار واپس لینے گیا تو وہاں بازار کا

کوئی نشان نہ تھا جب اس کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تو اگلے مہینے تک انتظار کرنے لگا جب وہ مقرر رات آئی تو اسی دکان پر جا کر وہ تلوار واپس لایا۔ شاہ مقصود کے بھائی حاجی غیب کا مزار بھی اس جگہ پر ہے۔

(5) شیخ نوح بکھری ایک بڑے بزرگ ہو گذرے تھے جو شیخ شہاب الدین بن سہروردی کے مرید تھے۔ فرستہ یا بکھر میں رہتے تھے جب شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی شیخ شہاب الدین کے مرید بنے اور انہی کے حکم سے سندھ میں آئے اور حکم کے مطابق شیخ نوح سے ملنے گئے تو اس وقت اتفاق سے شیخ نوح وفات پا چکے تھے۔

(6) میر ابوالغیث بکھر کے بڑے سیدوں اور امیروں میں شمار کئے جاتے تھے اور نہایت پرہیزگار شخص تھے جب امیر تیمور کے پوتے مرزا پیر محمد بکھر پر قبضہ کرنے کیلئے آئے تب ان سید نے اپنے دادا حضرت پیغمبر ﷺ سے عزت آبرو کی پناہ مانگی اسی رات مرزا نے حضرت پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا انہوں نے کہا کہ میری اولاد کی تعظیم کرنا اور ان سے اچھا برتاؤ کرنا۔ تو دن کے بعد جب میر ابوالغیث مرزا کی ملاقات کیلئے گئے تو وہ ان سے بغلگیر ہو گئے اور اپنے پاس بٹھا کر کافی دیر ہم نشین رہے اور روانگی کے وقت الور کا علاقہ ان کو تحفہ میں دیا۔

(7) میر ابوالبقا یہ بھی بکھر کے بڑے ساداتوں سے تھے ہمایوں بادشاہ جب ادھر آئے تو یہ بھی ان کے پاس آنے جانے لگے اور بڑی عزت حاصل کرنے لگے بکھر کے سرکاری کارندوں نے اسی بات پر ان کو شہید کر دیا یہ سن کر ہمایوں کو بڑا دکھ ہوا۔

(8) شاہ قطب الدین بن شاہ محمود اصل خراسان سے تعلق رکھتے تھے جو بعد میں آکر بکھر میں سکونت پذیر ہوئے بہت خدا پرست آدمی تھے جمعہ کے روز وعظ کرتے تھے۔ مرزا شاہ حسن ارغون نے ان کو بکھر کا شیخ الاسلام مقرر کیا تھا انہوں نے سنہ 977 ہجری کے آخر میں وفات پائی۔

(9) شاہ جہانگیر ہاشمی اوپر بیان کئے گئے شاہ قطب الدین کے عزیزوں میں سے تھے اور مرزا شاہ حسن کے زمانہ میں خراسان سے آئے تھے وہ اچھے شاعر تھے مثنوی "تحفۃ الاحرار" کے جواب میں مثنوی "مظہر الآثار" کہی۔ سنہ 940 ہجری میں حج پر جاتے ہوئے کیچ مکران کے قریب شہید ہو گئے۔

(10) سید صفائی بن سید مرتضیٰ ترمذی یہ سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال مشہور اولیاء کے نسب سے تھے بڑے علم اور عمل والے بزرگ تھے۔ قطب الدین کے مرنے کے بعد سلطان

محمود خان نے ان کو بکھر کا شیخ الاسلام مقرر کیا سنہ 991 ہجری میں انہوں نے وفات پائی ان کے بیٹے میر معصوم جن کی "تاریخ معصومی" مشہور کتاب ہے وہ پہلے سلطان محمود خان بعد میں اکبر بادشاہ کے پاس بڑے درجے پر فائز تھے انہوں نے خان خانان کے ساتھ مل کر سندھ فتح کرنے کیلئے بڑا کردار ادا کیا تھا۔ بکھر کے آس پاس انہوں نے بہت سی عمارتیں تعمیر کروائی تھیں ان کا منارہ بہت مشہور ہے۔ ایک اچھے شاعر تھے "نامی" تخلص کرتے تھے صاحب دیوان تھے سندھ کی تاریخ لکھی۔ طب کی ایک کتاب "طب نامی" لکھی۔ مثنوی ناز و نیاز میں "سسی پنہوں" کا قصہ لکھا۔ ان کے بیٹے میر بزرگ تھے جن کی کثیر تعداد میں اولاد تھی جو بکھر اور سکھر میں رہتی ہے۔

(11) میر قاسم خان ہروی۔ یہ ملا میر سبزواری کے بیٹے تھے جو امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے روضہ کے متولی تھے جو ازبکوں کے تفرقہ کے وقت ہرات سے نکل کر قندھار آئے اور وہاں پر شہید ہو گئے ان کے بیٹے میر قاسم لاہور میں اکبر بادشاہ کے ملازم بنے اور چار ہزاری منصب پایا۔ بکھر میں آکر رہے آخر کار قندھار کی جنگ میں شہید ہو گئے اور لوہری کے پہاڑ پر دفن ہوئے ان کے بیٹے امیر خان بھی مشہور تھے ان کی اولاد ٹھٹہ میں جا کر آباد ہوئی۔

(12) قاضی معروف بکھر کے مشہور قاضی تھے نہایت قابل اور خوش طبع آدمی تھے۔ جام سنجر کو جب معلوم ہوا کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں سے رشوت لیتے ہیں تو ان سے باز پرس کی قاضی صاحب نے قبول کیا اور کہا کہ میں تو گواہوں سے بھی لینا چاہتا ہوں لیکن وہ مقدمہ کے فیصلے سے پہلے ہی نکل جاتے ہیں اور اسکا سبب یہ بتایا کہ مجھے کام زیادہ کرنا ہے اور لواحقین کی کثیر تعداد ہے اور آمدنی بالکل نہیں ہے جام صاحب کو ان کا جواب بہت پسند آیا اور قاضی اور دوسرے ملازمین کے لوازمات کا معقول بندوبست کیا۔

(13) قاضی ابوالخیر بھی مشہور قاضی تھے ان کی اولاد سے قاضی قاضن سیوہائی مشہور ہوئے جن کا ذکر سیوہن میں آئے گا۔

(14) میر غیاث الدین رضائی سبزواری مشہور کتاب "حبیب السیر" کے مصنف آخوند میر کے نواسے تھے اور سلطان جنید صفوی کے پوتے تھے یہ شاہ بیگ ارغون کے مقربین میں سے تھے اور ان کے ساتھ سندھ میں آئے تھے اور بکھر میں سکونت پذیر ہوئے ان کے بیٹے میر ابوالمکارم تھے جن کا ذکر ٹھٹہ میں آئے گا۔ مرزا شاہ حسن ارغون اور سلطان محمود کے امیروں میں شمار

کیا جاتا تھا۔ سلطان محمود کی طرف سے وکیل بن کر شاہ اسماعیل کے پاس گئے تھے نہایت بافضیلت اور قابل آدمی تھے۔

(15) سید یعقوب خان رضوی میر میران اور حیدر حقانی کی اولاد سے تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ عالمگیر بادشاہ کے دنوں میں بکھر میں عہدیدار بن کر رہے ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سید صادق علی خان ان کی جگہ مقرر ہوئے ان کی اولاد اب تک روہڑی میں ہے اور کوٹائی سید کہلائے جاتے ہیں۔

(16) میر رضوی، میر حیدر شاہ کی اولاد میں سے تھے وہ شاہ عنایت اللہ صوفی کے مرید اور خلیفہ بنے شاعر تھے ان کا تخلص "میر" تھا ان کا ایک دیوان تھا۔ ان کے بیٹے میر قلندر علی بھی مشہور تھے اور باپ کے جانشین بنے۔

(17) مخدوم روح اللہ مشہور بزرگ تھے۔ انہیں میاں نور محمد کلہوڑو نے دعا کرنے کیلئے محمد آباد میں بلایا تھا اسی وقت سنہ 1166ھ "تحفۃ الکرام" کے مصنف نے انہیں دیکھا تھا وہ لکھتے ہیں کہ دوران ملاقات مخدوم نے کہا کہ نادر شاہ کے جلوس کے وقت انہوں نے یہ تاریخ نکالی تھی "ما لخیر فیما وقع" یعنی جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ یہ بزرگ شاعر بھی تھے ان کے بھائی اور بیٹے بھی مشہور تھے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد بھی نامور تھے، سعید خان مغل بھرکانی، صالح شاہی، سید بدرالدین خلیب، سید ناصرالدین ولد نظام الدین (جو راگ کے شوقین تھے)، مولوی عالم خلیب، مولوی یار محمد، میر سعید خان رضوی، میر حسین قلی رضوی، میر افضل شاہ، قاضی محمد افضل، ملا نور محمد، آخوند ملا موسیٰ، حکیم عبدالرؤف، شیخ محمد رضا (حقیقت میں ٹھٹھ کے رہنے والے تھے)، حافظ میر خلیفہ۔

سکھر

سکھر لوہری کے آمنے سامنے دریا کے کنارے پر واقع ہے اصل بکھر کے تعلقہ میں شامل تھا مگر نادر شاہ کے وقت سے شکارپور کے تعلقہ میں داخل ہوا۔ اوائلی سکھر شہر وہ ہے جس کو اب پرانا سکھر کہتے ہیں، سکھر کے مغرب میں ایک پہاڑی ہے جس کو آدم شاہ کی ٹکری کہتے ہیں جس پر آدم شاہ عباسی کی قبر ہے جو کلہوڑوں کا جد امجد تھا جن کا بیان سندھ کی تاریخ میں بھی ہے۔ پہلے چانڈکا پالا ڑکانہ میں ان کی زمینیں تھیں بعد میں ملتان گئے اور مریدوں کا بڑا لشکر جمع کر کے فساد کرنے لگے اور شہید ہو گئے۔

میر معصوم شاہ جن کا بیان اوپر آچکا ہے جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں بکھر کے نواب تھے انہوں نے پکی اینٹوں سے قلعہ تعمیر کروایا اور ایک سو فٹ اونچا مینار تعمیر کرایا چوڑائی میں 84 فٹ ہے یہ کام 1002ھ (1593ء) میں ہوا 14 برس کے بعد میر معصوم کے بیٹے نے اس کو پورا کرایا ان دونوں کی قبریں بھی اسی جگہ پر ہیں۔ میر معصوم نے دوسری بھی کئی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ مسجد اور مسافر خانہ بھی اس نے تعمیر کروائے تھے۔ پرانے سکھر والی جامع مسجد میر معصوم کے والد سید صفائی نے تعمیر کروائی تھی۔ میر عبدالباقی پورانی کی قبر بھی اس جگہ پر ہے۔ وہاں کے باشندوں کے چند نام یہ ہیں۔

(1) شاہ خیر اللہ یا خیر الدین:۔ یہ احمد شاہ کے بیٹے تھے جو پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی پانچویں پشت سے تھے۔ یہ 911ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے تھے چالیس برس کی عمر سے حج کرنے لگے بارہ حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں رہ کر 14 برس تک علم حاصل کیا تحصیل کے بعد عرب اور عجم کی سیر و سیاحت پر نکلے 33 برس گشت کرنے کے بعد کچھ دن بلڑی میں رہنے کے بعد سکھر آئے ایک پہاڑی پسند کر کے اس کے غار میں عبادت کرتے رہے اس پہاڑ کو شاہ جو جبل کہا جاتا ہے ان کی کرامات دیکھ کر لوگ ان کے مرید ہوتے گئے ایک سو برس کی عمر میں وفات پائی ان کا مزار اسی پہاڑ پر ہے ان کا سن وفات 27 رمضان المبارک 1027ھ (1617ء) ہے اور ان کا سال وفات ابجد کے حساب سے اسی مصرع سے نکلتا ہے "مرشد کامل طریق احمدی" ۔ میاں سدھو اور میاں جمال الدین ان کے مرید اور مجاور تھے۔ جمال الدین کے بیٹے میاں غلام محمد سنہ 1174ھ 1760ء میں پہلے مقبرے کی جگہ دوسرا بڑا مقبرہ تعمیر کروایا۔ جس طرح تاریخ سے معلوم ہوتا ہے مقبرہ کا آخری مجاور یا سجادہ نشین سعید محمد تھے۔

(2) میرک بایزید ولد میرک ابو سعید سبزواری عرب شاہی جو اپنے بھائی میرک شیخ محمود کے ساتھ رہتے تھے دونوں صاحب علم و عمل تھے پہلے قندھار میں رہتے تھے پھر مرزا شاہ بیگ ارغون کے ساتھ سندھ میں آئے میرک بایزید بکھر اور سکھر کے شیخ الاسلام مقرر ہوئے اور سکھر میں رہتے تھے مگر ان کے بھائی ٹھٹھ میں رہنے لگے تھے ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے میر عبدالباقی باپ کی طرح مشہور ہوئے ان کی اولاد بکثرت تھی ان کے علاوہ میر عاقل شاہ اور ان کے بھائی میر محمد حسین اور میر محمد زکریا (جو میر معصوم شاہ بکھری کا پوتا تھا) اور ان کے بیٹے میر علی شیر اور میر محمد یعقوب حکیم جو ملتان سے آکر ادھر رہے تھے مشہور تھے۔

الور (اروڑ)

یہ قدیم سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ اب اس کو اروڑ کہتے ہیں اس کا ذکر تاریخ میں ہے اور یہ دلوراؤ راجہ کے ظلم کی وجہ سے برباد ہوا یہ سومرا دور کے زمانہ کا ایک مشہور قصہ ہے کہتے ہیں کہ وہ اس قدر ظالم تھا کہ جو کوئی سوداگر آتا تھا تو اس کے مال کا آدھا حصہ چھین لیا جاتا تھا اگر کوئی خوبصورت عورت اس کے ساتھ ہوتی تھی تو وہ بھی چھین لی جاتی تھی ایک دفعہ سیف الملوک نامی ایک سوداگر آیا جو دراصل شہزادہ تھا مگر تاجر کے بھیس میں آیا تھا اور حج پر جا رہا تھا اس کے ساتھ اس کی خوبصورت بیوی بھی تھی جس کا نام بدیع الجمال تھا بادشاہ نے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی سوداگر نے تین دن کی مہلت مانگی اسی دوران خدا سے عزت بچانے کی دعا مانگتا رہا آخر چند لوگوں کی مدد سے ایک کشتی میں سوار ہو کر فرار ہو گیا حج کرنے کے بعد آکر ڈیرہ غازی خان اور سیتپور کے درمیان ایک جگہ پر آکر رہا اور اولاد کے ساتھ مر گیا اور دفن ہو گیا اس سوداگر کے بعد ایک زلزلہ آیا اور پورا شہر وہاں غرق ہو گیا وہاں پر بہنے والے دریا نے اپنا رخ موڑ لیا اور وہ لوہری اور بکھر کے درمیان بہنے لگا شہر غرق ہونے کے بعد دلورائے برہمن آباد میں جا کر رہنے لگے جو خود اسی طرح ویران ہو گیا جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ الور کے مشہور لوگوں کا بیان نیچے کیا جاتا ہے۔

(1) قاضی اسماعیل جو محمد شیبانی بن عثمان ثقفی کی اولاد سے تھے انہیں محمد بن قاسم نے الور میں قاضی اور خطیب مقرر کیا تھا ان کی اولاد میں ایک قاضی اسماعیل سنہ 600 ہجری میں تھے جنہوں نے عربوں کی فتح اور سندھ کی تاریخ کا احوال لکھا تھا جو علی بن حامد کوفی اچ والے نے لے کر عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا اس سے "فتح نامہ" بنا۔

(2) شیخ محمود قطب مخدوم جلال جہانیاں کے مرید تھے ان کا مقبرہ ادھر ہے اور ایک بڑی زیارت گاہ ہے۔

(3) پھنار ... [illegible] ... سے تھے الور کے برباد ہونے کے بعد سیوہن میں جا کر آباد ... [illegible]

(4) ... [illegible] ... تھے۔

(5) شاہ ... [illegible] ... میں تھے۔ ان کے دوست تھے ان کا مزار پرانے دریا کے کنارے ... [illegible] ... ہے۔

فتوحات کے بعد عربوں نے منصورہ کو اپنا اہم شہر بنالیا۔ اروڑ پھر بھی دو برس تک ہندؤں کا شہر بنا رہا پھر برباد ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الور اصل میں الرور تھا بعض عربی کتابوں میں بھی اس طرح لکھا ہے اور جب برباد ہوا اور دریا نے اپنا رخ تبدیل کیا تب وہاں کے لوگوں نے ایک نیا شہر بسایا جس کا نام روہڑی رکھا جو رور لفظ سے نکلا ہے عربی میں اسکو لوہری لکھا جاتا تھا۔ شاہ شکر گنج اور شیخ محمود قطب کے مزاروں کے قریب اورنگزیب عالمگیر نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔

لوہری (روھڑی)

لوہری یا روہڑی کے متعلق اوپر لکھ چکے ہیں کہ کس طرح اروڑ کے برباد ہونے کے بعد وہاں کے لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی غالباً رور سے پڑا اب روہڑی کہا جاتا ہے وہ موئے مبارک اور اس کی مسجد کی وجہ سے مشہور ہوا۔ یہ مسجد سنہ 954 ہجری 1545ء میں تعمیر ہوئی اور موئے مبارک بھی اسی وقت آیا اور کہا جاتا ہے کہ یہ موئے مبارک حضرت ﷺ کی ریش مبارک کا ہے اور عبدالباقی نامی ایک شخص لائے تھے جو شیخ نظام الدین کے داماد تھے اور وہ شیخ حضرت ابو بکر کی اولاد سے تھے اور لوہری میں آکر آباد ہوا تھا۔ یہ موئے مبارک ایک انچ کے چوتھے حصے جتنا ہے اور سونے کے قلمدان میں رکھا ہوا ہے اور حج کے دنوں میں لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ روہڑی کی دوسری بڑی عمارت جامع مسجد ہے یہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں اس وقت کے حاکم فتح خان نے سنہ 1583ء میں تعمیر کرائی تھی اس کے دس سال بعد عیدگاہ کی تعمیر ہوئی۔ دوسری بڑی عمارت میر یعقوب علی شاہ کی مسجد ہے یہ صاحب کوتائی سیدوں سے تھے یہ مسجد سنہ 1677ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ شہر کے جنوب کی طرف دریا کے کنارے پہاڑی پر ایک قبرستان ہے جس کو ستین جو تھان کہتے ہیں وہاں پر بہت سی قبریں ہیں ان میں ایک مشہور قبر میر قاسم سبز واری سید کی ہے جس پر سنہ 1018 ہجری لکھا ہوا ہے اس پر اب تک چراغ جلتا رہتا ہے اس کو قاسم شاہ کا تھان کہا جاتا ہے اس سید کا ذکر بکھر کے بیان میں آیا ہے وہاں پر اور بھی چھ قبریں ہیں اس لئے پہلے لوگ اس کو ستن جو تھان کہتے تھے بعد میں لوگوں نے اسے ستین کہنا شروع کیا۔ اس جگہ پر کنواری پاک بیبیاں یعنی ستیاں حق بخشوا کر انہیں کوٹھیوں میں آکر رہتی تھیں اور ادھر ہی وفات پا گئی تھیں۔

روہڑی اور بکھر کے درمیان دریا میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس کو خواجہ خضر کا تھان کہتے ہیں اس جگہ پر بعد میں ہندو آکر دیا جلاتے اور پوجا کرتے تھے

کہتے تھے کہ زندہ پیر ہے یعنی دریاشاہ یا اڈیرو لعل۔ مسلمانوں کے قول کے مطابق شاہ حسین نامی ایک دہلی کا سوداگر اپنی بیٹی کے ہمراہ کشتی پر سوار دریا میں حج کرنے کیلئے آرہا تھا جب اروڑ کے پاس پہنچا تو دلورائی بادشاہ نے اس کو روکا اور جبراً اس کی بیٹی چھیننا چاہی۔ سوداگر نے خدا کو مدد کیلئے پکارا اور خواجہ خضر مدد کو پہنچے دریا نے اپنی روانی اُلور سے بدل کر روہری سے بہنے لگا اور کشتی صحیح سلامت روانہ ہو گئی۔ شاہ حسین نے اس یاد کو قائم رکھنے کیلئے اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کرائی مسجد کے کتبہ پر کندہ تاریخ "درگاہ اعلیٰ" سے نکلتی ہے جو 341 ہجری مطابق 952ء ہے گمان کیا جاتا ہے کہ یہ پتھر بعد میں بنوا کر لگایا گیا ہے دیکھنے میں عمارت کے پتھروں سے مختلف نظر آتا ہے۔ مسجد سنہ 1011 ہجری 1602ء کی تاریخ درج ہے۔

بکار

بکار قدیم بکھر تعلقہ سے متصل تھی اس جگہ پر لوہری کے سادات کے رشتے داروں سے بکھو رہتے تھے ان میں بڑے سید میر اور ان کے بیٹے سید شاہ مردان تھے جو بڑے زمیندار تھے ان کی اولاد میں میر علی شیر اور ان کا بیٹا اور بھتیجا سید لطف علی تھے ان کی اولاد میں مخاصمت تھی اور ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

بھرالوہ

لوہری سے آٹھ کوس کے فاصلے پر ہے اب ریاست خیرپور میں شامل ہے وہاں کے بزرگوں سے سید محمد صالح مشہور تھے جس کا مقبرہ زیارت گاہ عام ہے ان کی اولاد میں حیات شاہ اور ولایت شاہ تھے۔ بھرالوہ سے چار کوس کے فاصلے پر کنگری ہے جس کو بادشاہپور بھی کہا جاتا ہے وہاں کے مشائخ سے ایک شخص عبدالکریم اور اس کا بیٹا عبدالعزیز مشہور تھے۔ جب پیر حزب اللہ شاہ راشد شاہی جن کو پیر پگارا کہتے تھے اور حروں کے مرشد تھے ادھر آکر رہنے لگا تب اس کو پیر کا گوٹھ کہا جاتا ہے ادھر دو بڑی مسجدیں ہیں ان پیر صاحب اور حروں کا احوال تاریخ سے معلوم ہو گا۔ وہ پیر صاحب سید شاہ علی مکی کی اولاد سے تھے جو سنہ 711ء میں محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں آئے تھے اور لگی میں آکر رہے ان کے متعلق تفصیل شاہ بھٹائی سے متعلق میرے لکھے ہوئے احوال میں ہے پیر محمد راشد ان میں سے مشہور ہوئے۔ ان کے تیرہ بیٹے تھے وفات کے وقت ان میں مسجد نشینی پر جھگڑا ہوا پیر صاحب نے اپنے بیٹے صبغت اللہ کو وارث مقرر کیا تھا جس نے نقارے کی طرف بہت سے مرید

گئے تھے ان کو مارنے کیلئے دو بھائیوں نے کوشش کی لیکن مریدوں نے متحد ہو کر فیصلہ کیا کہ اپنے پیر صاحب کے بغیر ان کے بھائی یا کسی عزیز کی فرمانبرداری نہیں کریں گے اس نمک حلالی کے بدلے میں پیر صبغت اللہ نے ان کو حُر کا نام دیا جس طرح حُر نے امام حسین علیہ السلام کے لیے کربلا میں اپنا سر قربان کیا تھا لیکن دوسرے مسلمان نفرت سے ان کو لر کہتے تھے جس کے معنی پلید یا ناپاک کے ہیں۔ پیر صبغت اللہ کے بیٹے علی گوہر شاہ تھے جو میر علی مراد خان خیرپور والے کے ہمعصر تھے یہ احوال میری تصنیف خیرپور کی تاریخ سے معلوم ہوا۔ اسی پیر علی گوہر شاہ کے بیٹے پیر حزب اللہ شاہ تھے جن کو میں نے بھی دیکھا تھا۔

گھوٹکی

جس کو پہلے گھوٹو کہتے تھے وہ سنہ 1447ء میں پیر محسن شاہ نے آباد کیا تھا انہوں نے ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کرائی تھی یہ پیروں کا شہر ہے جو اب تک اس میں رہتے ہیں۔ قادرپور والے پیر کلہوڑوں کے دور میں اچ سے آئے تھے انہیں جاگیریں ملی تھی ان میں سے پیر گنج بخش شاہ مشہور تھے۔ گھوٹکی کے جنوب مشرق میں ماتھیلے کا تباہ شدہ شہر ہے جو ساڑھے تین کوس کے فاصلے پر ہے وہاں پر ایک پرانا قلعہ ہے جو امر نامی ایک راجپوت نے بنوایا تھا اور چودہ سو برس قدیم ہے۔ میرپور کا شہر اسی قدیم ماتھیلے کے تعلقہ میں ہے اور میر مسو خان ٹالپور نے سنہ 739ء میں تعمیر کرایا تھا اب میرپور تعلقے کے بڑے شہر سے پہلے اس کو "مہرکی" بھی کہا جاتا تھا اس لئے کہ مہر قوم کے لوگ وہاں رہتے تھے۔

اباوڑو

یہ قدیم شہر سنہ 987ء میں وجود میں آیا۔ اس میں ایک بڑی مسجد ہے جو سنہ 960 ہجری مطابق 1552ء میں شیخ محمد نامی ایک شخص نے بنوائی تھی اور یہ شہر بھی ان کے بڑوں نے آباد کیا تھا۔

شکارپور

یہ شہر داؤد پوتوں کا تھا سنہ 1617ء میں جب انہوں نے لکھی کے مہروں کو جنگ میں شکست دی تب یہ شہر آباد ہوا۔ دو سو برس تک داؤد پوتوں اور کلہوڑوں کے درمیان اس شہر کو حاصل کرنے کیلئے جھگڑا چلتا رہا میاں یار محمد کے دنوں میں یہ شہر جتوہروں کے قبضے میں تھا اس کا نام خدا آباد رکھا گیا آخر احمد شاہ درانی نے حاصل کر کے اس میں ایک افغان حاکم مقرر کیا اور اسی کو سیوی کے

علاقے میں شامل کر دیا بعد میں افغانی قافلے آتے رہے اور تجارت بڑھ گئی مالدار آدمی بکثرت رہنے لگے شہر میں ملا، سید اور افغانوں کی بکثرت آبادی تھی شہر کے مشہور آدمی یہ تھے

(1) سید محمد تقی بخاری اور اس کے بیٹے سید ابو طالب اور سید میر محمد

(2) حاجی فقیر اللہ یہ سب فضیلت، علمیت والے اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اس کے نزدیک ماڑی کا گاؤں ہے جس میں لکھی پیر کا مزار ہے جس کی مناسبت سے اس کو لکھی کا گاؤں کہا جاتا ہے یہاں ایک گرم چشمہ بھی ہے۔

کھوہڑا

لوہری سے بیس کوس کے فاصلے پر اب خیر پور ریاست میں ہے اس میں مندرجہ ذیل مشہور شخص گزرے ہیں۔

(1) قاضی عبدالرحمن معتبر شریعت پر عمل کرنے والے آدمی تھے نماز پڑھتے ہوئے شہید ہوئے ان کے بیٹے قاضی محمدی اور قاضی احمدی ان کے جانشین ہوئے۔

(2) منشی عبدالروف سستو جن کو کچھ لوگ جنگور جا کا رہنے والا کہتے ہیں وہ انشا پردازی میں نہایت قابل تھے پہلے خانپور اور سیوی کے حاکموں کے پاس منشی تھا ان کے بعد نواب خدایار خان عباسی کے پاس آئے ان کے بعد ان کے بھائی محمد حفیظ میاں غلام شاہ کلہوڑہ کے پاس رہا۔

سیوی

سیوی کا قدیم نام سویس تھا اس سے پہلے کاکا راجہ کہا جاتا تھا اب عام لوگ اس کو سِبی کہتے ہیں۔ یہ بکھر کے علاقے میں داخل تھی اور خراساں کی حد پر ایک درے کے پاس ایک طلسمی گنبد تھا اس پر مشکل سے چڑھا جا سکتا تھا اور چڑھنے کے بعد کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ سلطان محمود خان بکھر والے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ بڑی مشکل سے گنبد پر چڑھے مگر کچھ دیکھ نہ سکے گمان یہ تھا کہ وہاں کوئی خزانہ دفن ہے اس جگہ پر کپاس کے بڑے بڑے درخت ہوتے تھے اور سانپ لپٹے رہتے تھے ان سانپوں کو مار بھگا کر کپاس چنتے تھے بہت سے لوگوں کو سانپ کاٹ لیتے تھے بعض لوگ سانپ کے کاٹنے والی جگہ کو چیر کر زہر چوس کر نکال لیتے تھے اور لوگ بچ جاتے تھے۔ سیوی کے نیچے ایک گندرف کے پانی کی نہر بہتی تھی جس میں نہانے کے بعد بیمار لوگ شفایاب ہو جاتے تھے۔ اسی پانی پر فصلیں بھی اگائی جاتی تھیں بعد میں وہ پانی بہہ کر سیوہن والی منچھر جھیل کو جاتا تھا اس جگہ

گھوڑوں کے سم پہاڑوں میں گھس کر ایسے سخت ہو جاتے ہیں جو نعل لگانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہاں پر چتر نامی ایک گاؤں ہے جہاں کے رہنے والوں کو کھیری کے سید کہتے ہیں۔ وہ اس لئے جو کھیر نامی درخت پر چڑھ کر اس کو گھوڑے کی طرح چابک لگا کر چلاتے ہیں اس گاؤں کو چترا اس لئے کہتے ہیں وہاں کنجابہ کے قریب ایک پہاڑ کے دامن میں لوہے کے پنجرے میں ایک تاج رکھا ہوا ہے کوئی بھی آدمی کسی بھی تجویز سے وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

متفرقہ اور مجمل احوال

دیکھنے میں آیا ہے کہ بکھر، سکھر اور روہڑی میں زمانہ قدیم سے کثیر تعداد میں سید رہتے آئے ہیں جن میں اکثر اشرور سوخ والے عالم، قابل اور پرہیزگار تھے ان کی اولاد اب تک موجود ہے ان کے اکثر چار بڑے خاندان ہیں۔

(1) معصومی سید جو میر محمد معصوم کی اولاد سے ہیں جو بابر بادشاہ کے ساتھ سندھ میں آئے تھے اور خود بھی بکھر کے حاکم بنے اب پرانے سکھر میں رہتے ہیں کچھ شکارپور اور سیوہن میں بھی رہتے ہیں وہ سنی ہیں۔

(2) میرکی سید یہ میرک بایزید حسینی پورانی کی اولاد سے ہیں جو دسویں صدی ہجری میں مرزا شاہ حسن ارغون کے ساتھ ہرات سے سندھ میں آئے میرک بایزید بکھر کے حاکم بنے بعد میں اپنے بیٹے عبدالباقی کو جانشین بنا کر خود قندھار چلے گئے۔ عبدالباقی کا مزار سکھر میں ہے یہ زمیندار ہیں ان کی اکثریت شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتی ہے باقی تھوڑے سنی ہیں۔ میرکی سید ٹھٹھہ میں بھی رہتے ہیں۔

(3) رضوی سید، یہ میر محمد مکی کی اولاد سے ہیں جو پہلے بکھر میں پھر روہڑی میں آکر رہے ان کی اولاد بہت زیادہ ہے اور نگزیب بادشاہ نے ان کو سندیں بھی عطا کی ہیں۔

(4) گلیاری سید، یہ سید علی مدنی کی اولاد ہیں جو نویں صدی عیسوی میں ترکستان یا عرب سے آکر گی میں بس گئے۔ پہلے ان کو کھلوی کہتے تھے راشد شاہ سید بھی انہی کی ایک شاخ ہیں جو ننگری میں رہتے ہیں۔

سیدوں کے علاوہ شکارپور کی طرف پٹھان کثیر تعداد میں ہیں جو افغان حکمرانوں کے تابعدار ہیں انہی کے دنوں میں ادھر آئے۔ میرپور اور اباوڑو کی طرف ڈہر، دھاریجا اور مہر بستے ہیں جو اصل ہندو یا راجپوت تھے ان کے سردار جام کہلواتے ہیں بڑے زمیندار ہیں۔

باب دوئم

سیوستان، چانڈکا، خدا آباد اور قرب وجوار کے علاقے اور کوہستان

(موجودہ ضلع لاڑکانہ اور کراچی ضلع کا کچھ حصہ)

سوستان یا سیوان

سوستان کو سیوان یا سیوان بھی کہتے ہیں اب سیوہن کہتے ہیں ایک بہت ہی قدیم شہر ہے اور اس میں پرانا قلعہ بھی ہے جس کی مختلف ادوار میں مرمت ہوتی رہی ہے اور مختلف بادشاہوں کے قبضے میں رہتا آیا ہے کہا جاتا ہے کہ جب سکندر بادشاہ پنجاب سے سندھ میں آیا تھا تب (سندھی مانا) شہر جس کا بادشاہ سباس نامی تھا وہ اس کا اطاعت گزار بن گیا گمان غالب ہے کہ وہ شہر سیوہن کا تھا اور سباس کوئی سمہ بادشاہ تھا یہ قلعہ بھی ان دنوں کا بنا ہوا تھا اس کو کافر قلعہ بھی کہا جاتا تھا اور عربوں کی فتح سے پہلے کا بنا ہوا تھا۔ ہندو راجاؤں کے دنوں میں بڑے قلعوں والے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ حاکموں کی رہائش گاہ رہتا آیا ہے۔ ٹھٹھہ کے بادشاہوں میں سے مرزا شاہ بیگ ارغون نے یہ قلعہ جام فیروز سے چھین لیا تھا اور مرزا شاہ حسن ارغون نے اسے ٹھٹھہ کی حکومت میں شامل کر دیا تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں حکمرانوں کی رہائش گاہ بنا۔ خدا یار خان کلہوڑا کے دنوں میں سندھ کے سب حصے ملا کر ایک صوبہ بنایا گیا تھا۔ سیوہن کے پہاڑوں میں ایک چشمہ تھا جس میں نہا کر بیمار آدمی شفایاب ہوتے ہیں۔ ہندو بھی اس جگہ جا کر پوجا کرتے تھے۔ پہاڑ ایک ایسی جگہ بھی ہے جدھر چار دوست (چار ولی) رہتے تھے۔

(1) مخدوم جلال جہانیاں

(2) شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان والے اچ والے

(3) شیخ فرید الدین شکر گنج دہلی والے

(4) شیخ عثمان مروندی یا قلندر شہباز جنہوں نے سیوہن میں رہائش اختیار کی اور ان کا مقبرہ بھی یہیں ہے اور بڑی زیارت گاہ ہے۔ دوسرے قدیم مشہور آدمی یہ تھے۔

(1) شیخ عثمان مروندی عرف مخدوم لعل شہباز قلندر جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان چار دوستوں میں سے ایک تھے سنہ 662 ہجری میں اپنے وطن مروند سے ملتان آئے ان تین اولیائے کرام کے علاوہ اور بھی ان کے مقرب ہوئے سلطان محمد ولد سلطان غیاث الدین دہلی والا بھی ان کا معتقد تھا، امیر خسرو اور امیر حسن دہلوی بھی ان کی صحبت میں رہے۔ یہ سب لوگ انکو دہلی میں رہنے کیلئے اصرار کرتے رہے مگر وہ نہ رکے۔ شاہ شمس بو علی قلندر کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ تین سو قلندر پہلے ہی ہندوستان میں ہیں آپ سندھ کی طرف لوٹ جائیں اس لیے لوٹ کر سندھ میں آئے اور سوستان (سیوہن) آکر رہے جس جگہ اب ان کا مقبرہ ہے۔ اس جگہ پر پہلے طوائفیں رہتی تھی پہلی رات ان کا دھندا بند ہو گیا، دوسرے دن شیخ کے پاس آکر توبہ کرلی اور ان کی عقیدت مند ہو گئیں۔ شیخ نے ارادہ کیا کہ اس جگہ زمین کا کوئی ٹکڑا لے کر آباد کیا جائے اس مقصد کیلئے مزدور کو اس کی حد دکھانے کیلئے لاٹھی لیکر آئے زمین کے مالک نے بے حیائی کر کے ان کو روکا اس جھگڑے میں شیخ نے اس پر لاٹھی کا وار کیا اور وہ مر گیا اس پر اس کے رشتے داروں نے ہنگامہ کیا شیخ نے کہا کہ میں نے تو ایک کتے کو مارا ہے وہ آدمی دفن کیا جا چکا تھا جب قبر کھود کر دیکھا تو واقعی ایک کتا دفن کیا ہوا تھا۔ بعد میں لوگوں کو یقین ہوا کہ یہ ایک صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ اس کے بعد ان سے اور بھی بہت کراماتیں ظہور پذیر ہوئیں آخر ساری عمر تجرد میں گزار کر سنہ 673 ہجری میں تاریخ ۲۱ شعبان کو وفات پائی۔ ان کو اسی جگہ دفن کیا گیا ان کی قبر پر ایک مقبرہ تعمیر کیا گیا ہر سال اس پر ایک بڑا میلہ لگتا ہے ان کی عمر 112 برس تھی۔ مزار پر درج اشعار سے شیخ کی ولادت سنہ 538 ہجری 21 شعبان اور سنہ وفات 650 ہجری کندہ ہے۔ مقبرے کا بڑا گنبد سنہ 757 ہجری میں سلطان فیروز شاہ دہلی والے نے تعمیر کرایا تھا مقبرہ مرزا جانی بیگ ترخان کے دنوں میں تعمیر ہوا سید بڈھے عرف دیندار خان نے فرش اور دو مسجدیں تعمیر کرائیں تھیں سامنے والا گنبد میاں غلام شاہ کلہوڑا نے سنہ 1170 ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ جامع مسجد سنہ 938 ہجری میں مرزا شاہ حسن کے زمانہ میں تیار ہوئی۔ یہ سنہ "پناہ فرخ" لفظ سے ابجد کے حساب سے نکلتا ہے۔ قلندر شہباز کی لاٹھی اور محراب تک محفوظ رکھی ہیں۔ قلندر شہباز کے ہندو لوگ بھی معتقد ہیں اور انہیں راجا بھرتری سمجھتے ہیں۔

درگاہ قلندر کے متولی شیخ تھے جو موروثی طور پر چلے آتے تھے۔ سید صرف عزت اور سید ہونے کے سبب آکر شامل ہوئے ان شیخوں میں سے شیخ مکھن کنجی بردار مشہور تھا۔ سیدوں نے

سجادہ نشینی جبراً حاصل کی اور کنجی بھی زبردستی چھین لی جب اس سے دروازہ کھولنا چاہا تو دروازہ نہ کھلا پھر ایک لوہار کو بلا کر قفل تڑوایا۔ دروازہ تو کھلا مگر اس لوہار کے ہاتھ سُن ہو گئے مجبوراً چابیاں شیخوں کے حوالے کردیں۔ سید صلاح الدین لکیاری سید درگاہ کا سجادہ نشین بنا اس کے بعد اس کے بیٹے سید پیر شاہ پھر اس کا بیٹا نور شاہ سجادہ نشین ہوا اس کے بعد اس کا بھائی حیدر شاہ سجادہ نشین بنا اس کی زندگی میں ان کا بڑا بیٹا نظر شاہ سجادہ نشین ہوا جو جلد ہی فوت ہو گیا اس کے بعد باپ نے اپنے دوسرے بیٹے اسد شاہ کو سجادہ نشین بنایا پھر سید حیدر شاہ نے وفات پائی۔

(3) سید ناتھن شاہ ولد سید محمد معین لکیاری، سید گلاب شاہ ولد سید صلاح الدین کا مرید تھا اس نے سنہ 1050 ہجری میں ٹھٹھہ میں قلندر شہباز کا آستانہ بنایا تھا۔

(4) سید نہال شاہ جو کھابڑوئی سیدوں میں سے تھے اور سوستان کے نزدیک کھبڑوٹ کے گاؤں میں رہتے تھے ان کو کنجی بردار شیخوں نے لا کر سجادہ نشین بنایا وہ درگاہ کے باہر بیٹھنے لگا اور یہ رسم ان کے جانشینوں سے چلی آئی ہے۔ اس کے بعد میر خضر شاہ بعد میں سید موج دریا ولد سید ساجو شاہ جانشین بنا۔ میر صادق علی کھابڑوئی بھی ایک مشہور سید تھا۔

قلندر شہباز اور ان کے متعلقین کے بعد مندرجہ ذیل شخصیتیں معتبر ہیں۔

(1) قاضی ابو سعید ولد قاضی زین الدین بکھری

(2) ان کے مرنے کے بعد قاضی قاضن مشہور گزرے ہیں جو حافظ، قاری اور عالم تھے۔ فقہ، تفسیر، حدیث اور انشاء کے علوم میں مہارت رکھتے تھے اور حاجی تھے اور بہت سیر سفر کیا تھا بعد میں سید محمد مہدی جونپوری کا مرید بنا۔ ظاہری شریعت کے علوم والے عالم ان پر طنز کیا کرتے تھے۔ مرزا شاہ حسن کے دورِ حکومت میں موروثی طور پر وہ بکھر کا قاضی بنا بڑھاپے کی وجہ سے قضا کا کام اپنے بھائی نصر اللہ کے حوالے کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا سنہ 958 ہجری میں وفات پائی۔

(3) ان کے علاوہ قاضی محمد وارث اور اس کا بیٹا قاضی امین الدین اور قاضی دین محمد یہاں کے مخدوموں میں سے تھے۔

(4) قاضی سائیں ڈنہ حضرت عمر فاروق رضی کی اولاد سے تھے بڑے پرہیزگار شریعت، طریقت اور حقیقت کے صاحب تھے نہ صرف سوستان بلکہ سارے سندھ میں مشہور تھے ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے شیخ میر محمد جن کو میاں میر بھی کہتے تھے وہ بڑے اولیاء اور قطب شمار کیے گئے تھے

دو سوستان میں سنہ 957 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ساٹھ برس تک لاہور میں رہ کر شیخ خضر قادری کے مرید بنے اور اٹھاسی برس کی عمر میں سنہ 1045 ہجری میں وفات پائی ان کا مزار ہاشم پور کے گاؤں میں ہے ان کے بہت سے مرید ہیں ایک نے کسی ایک کتاب میں ان کا احوال لکھا ہے۔

(5) میر کلان کربلائی۔ یہ پہلے کربلا سے قندھار میں آئے سندھ کی فتح کے بعد سوستان میں آکر رہے اکثر وقت قلندر شہباز کی درگاہ پر گزارتے تھے نہایت زہد اور تقویٰ کے صاحب تھے کثیر العیال تھے بکھر والے معصومی سید بھی اس کی اولاد سے ہیں۔

(6) میر عبداللہ سلطان ولد میر ابوالمکارم میر غیاث الدین کے پوتے تھے جس کا ذکر بکھر میں آیا ہے۔ یہ سید سوستان میں پیدا ہوئے اور اپنے تخلص "خان عریضی" سے مشہور رہے۔ جہانگیر بادشاہ دہلی والے کے زمانے میں مرزا غازی بیگ کے ساتھ ہوتے تھے جب مرزا قندھار اور ٹھٹھہ کا حاکم مقرر ہوا تب وکیل بن کر شاہ ایران کے پاس گئے تھے اور خراساں میں امام رضا علیہ السلام کی زیارت کر کے آئے تھے اور مرزا کی وفات کے بعد ٹھٹھہ میں نواب مقرر ہوئے مگر شاہ جہاں کے دور حکومت میں کسی سبب شریف الملک کو ناراض کیا اسلئے نواب امیر خان نے میر عبداللہ اور اس کے حمایتیوں کو تنگ کیا اس لیے اس نے اور اس کے بھائی نے عہدہ چھوڑ دیا اگرچہ مرزا عیسیٰ اور دوسرے لوگوں نے ان کو رہنے کیلئے اصرار کیا۔ آخر ملا محب علی کی معرفت جام تماچی سے پچاس ہزار دام تنخواہ پر ٹھٹھہ میں رہنے لگے۔ میر عبداللہ نے 16 شعبان سنہ 1054 ہجری میں وفات پائی ان کی اولاد ٹھٹھہ میں رہنے لگی۔

(7) سید عبداللطیف ولد سید عبدالرزاق بخاری سید اسماعیل بخاری کے پوتے تھے جن کا ذکر بکھر کے بیان میں آیا ہے۔ اس سید کو سید مہتو بھی کہا جاتا ہے یہ کتاب "تحفۃ الکرام" کے مصنف سید علی شیر کے نانا تھے ان کو جہانگیر بادشاہ نے سیوہن کے قرب وجوار میں ایک جاگیر دی تھی۔

(8) سید راجن شاہ کھلوی یا لکیاری سیدوں کے بزرگ تھے اور سیوستان کے رہنے والے تھے اور مخدوم لعل شہباز کے فیض سے خادموں کے ایک بڑے سلسلے کے صاحب بن گئے ان کے بعد ان کا بیٹا لو بہار شاہ جانشین ہوا۔ سید باشاہ بھی لکیاری سیدوں سے تھا اور خداموں کا کرسی نشین بنا اس کے بعد علی اکبر شاہ ولد واند و شاہ سوستان کا بڑا قاضی بنا۔

(9) سید لطف اللہ ولد سید عبدالکریم شاہ جن کو متارا شاہ بھی کہتے ہیں اور وہ گلی والے شاہ صدر کے پوتوں میں سے تھا۔ پہلے دہلی کا وکیل تھا بعد میں میاں نور محمد کلہوڑا کے وزیر بنے، بڑا نام پیدا کیا۔ سنہ 1160 ہجری میں وفات پائی اس کی تاریخ اس جملے سے نکلتی ہے "زحمت ایزد جہان میر لطف اللہ"۔

(10) ملا داؤد سوستانی مشہور ملا اور عالم تھا اس کا بیٹا نور الحق زیادہ مشہور ہوا بچپن میں بڑا کند ذہن تھا اور اس کا حافظہ خراب تھا ایک مرتبہ باپ نے ناراض ہو کر اس کو کمرے میں بند کر دیا وہ رو رو کر سو گیا خواب میں ایک نورانی پیر مرد نے کہا کہ کیوں سوئے ہو کھڑے ہو جاؤ اور اس کی بشارت دی کہ آئندہ جو کچھ پڑھو گے تمہیں یاد رہے گا۔ اس کے بعد اس کا حافظہ قوی ہو گیا اور قرآن شریف حفظ کر لیا اور جو کچھ بھی اس کو کہا جاتا تھا وہ اس کو یاد رہتا تھا وہ ایک بڑا شاعر بن گیا۔ "میثاقی" اس کا تخلص تھا جب ایک بڑا شاعر مرزا صاحب اسی راستے سے ہند جارہا تھا تب اس کو ملا اور اس کا شعر سنا اور پسند کیا ان کے بیٹے بھی شاعر تھے۔

(11) میاں عبدالحلیم اور اس کے بیٹے وجیہ الدین، ناصر الدین، محمد رفیع اور ابوبکر سوستانی بھی اچھے شاعر، عالم اور فاضل تھے۔

کھلوی یا گلی

یہ پہاڑ کے دامن میں ایک شہر ہے اور ساداتوں کی جگہ ہے جن کو گلیاری سید کہتے ہیں سب سے بڑا سید صدر الدین تھا جن کو شاہ صدر کہتے ہیں جن کا مقبرہ اس جگہ پر ہے۔ یہ سید محمد کے بیٹے تھے اور صاحب کرامت تھے ان کی اولاد بکثرت تھی جو سندھ میں موجود ہے۔ سیوہن میں رہنے والوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کا ایک پوتا سید محمد تھا جو روزانہ ایک ہزار تک صلواتیں پڑھتا تھا اور یہ اس کا معمول تھا۔ اس کی تاریخ وفات بھی اس مضمون کی ہے "درود خدا بر محمد بود" ان کا ایک بیٹا سید اول شاہ سالک اور مجذوب تھا، دوسرا بیٹا سید ابوالحسن مخدوم نوح ہالا والے کا مرید تھا اس کا بیٹا سید عبدالرسول تھا۔ یہ سب نیک اور نامور سید تھے۔ سید محمد شجاع بھی سید صدر کے پوتوں میں ایک تھا اور نقشبندی تھا۔ سید محمد اشرف اور سید ابوبکر بھی نامور سید تھے۔ اس آخری سید کے پاس تو شاہزادہ معزالدین بھی دعا مانگنے کیلئے آیا تھا۔

(2) سید غازی خان بھی گلیاری سیدوں کا ممتاز فرد تھا اور ان کے بعد سید حمزہ بھی ایک نامور شخص تھا۔

(3) ان سب کے علاوہ سید حیدر شاہ سن میں ایک صاحب کرامت سید تھے جو مخدوم بلال کی صحبت میں رہے تھے۔

(4) سید حسن شاہ بخاری پھکا شہر میں رہتے تھے وہ بھی صاحب کرامت تھے کلہوڑے ان کے معتقد تھے ان کا بھتیجا غفور شاہ بھی مشہور تھا۔

پاٹ اور ٹلٹی

یہ شہر سوستان سے تعلق رکھتے تھے۔

(1) پاٹ میں مشہور سید حیدر ہروی تھے جن کا لقب کلیجہ تھا جو شروع میں کلیجی پکا کر بیچتے تھے وہ بڑے صاحب دیوان شاعر تھے۔ مرزا شاہ حسن کے دنوں میں ہرات سے سندھ میں آئے تھے اور ادھر ہی وفات پائی۔

(2) ٹلٹی میں مخدوم بلال نامی ایک بڑے عالم اور عارف گزرے ہیں وہ پانی کی ایک بڑی ناند میں بیٹھ کر ذکر کرتے تھے اور ایسے وجد میں آتے تھے کہ جوش سے پانی چکر لگاتا رہتا تھا اور صبح کو جب تک وہ پانی دریا میں نہیں ڈالتے تھے تب تک چکر لگاتا رہتا تھا۔ ایک دن مخدوم لعل شہباز کی زیارت کرنے آرہے تھے کشتی بان گالیاں بکتا رہا لوگوں نے بہت سمجھایا مگر خاموش نہ ہوا مخدوم بلال نے اپنی ٹوپی اتار کر اس کو پہنادی تو وہ ذکر کرنے اور قرآن پڑھنے لگا جب کشتی کنارے پر پہنچی تب سید نے اس کے سر سے ٹوپی اتاری تو پھر بکواس کرنے لگ گیا ان کی وفات سنہ 929 ہجری ہوئی۔

بوبک

اس شہر کو بوبکان بھی کہتے تھے جو سیوہن کے قریب ہے۔ اس جگہ پر بھی بڑے بزرگ رہتے تھے۔

(1) مخدوم جعفر ولد مخدوم میراں جو مخدوم نوح ہالا والے کے ہمعصر تھے مخدوم نوح بھی ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے تھے ان کے بیٹے عبدالغنی اور نورالدین ان کی طرح نامور تھے ایک نے میاں محمد مرادیاب خان کلہوڑا کے دور حکومت میں دوسرے میاں غلام شاہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔

(2) حکیم عثمان نہایت قابل اور حاذق حکیم تھے۔

(3) میاں عبدالواحد پیر مرد مشہور زمانہ نجومی تھے نادر شاہ کے زمانہ میں خدا آباد میں رہتے تھے بعد میں آکر بوبک میں رہنے لگے۔

(4) ایک دوسرا مشہور قوی گوٹھ کاہان میں رہتا تھا اس کا نام عبدالعزیز تھا بڑا محدث تھا شاہ اسماعیل کے خروج کے وقت وہ تھے، اس کا بیٹا مولانا نثیر الدین بھی مشہور عالم تھے اور مولانا یار محمد جام نیم وزی کے زمانہ حکومت کے وقت ہرات سے آکر کاہان میں رہے اور وہ عمر کی وقت پائی۔ انہوں نے بہت ہی عمدہ کتابیں لکھیں مثلاً شرح مشکوٰۃ وغیرہ اور بہت سی کتابوں پر حاشیے لکھے۔

چانڈ گوپال اڑ کنہ

یہ شہر کوئی انتہائی قدیم نہیں ہے، دو سو برس پہلے آباد ہوا ہے لاڑ کنہ نام لاڑک قوم کی وجہ سے پڑا ہے جو اس کے ارد گرد رہتے تھے لیکن چانڈیہ قوم بھی یہاں رہتے تھے اس لیے اس کو چانڈکو بھی کہتے تھے ان کا سردار [illegible] تھا کلہوڑہ سرکار نے [illegible] جاگیر دی تھی جس کا [illegible] قادری [illegible] سب سے پہلے کلہوڑہ [illegible] آباد [illegible] لاڑکانہ سے [illegible] چانڈکا [illegible] تب [illegible] شہر [illegible] جب نور محمد کلہوڑہ نے [illegible] تب چانڈکو لاڑکانہ [illegible] شہر ہونے لگا [illegible] کلہوڑہ [illegible] تب [illegible] کلہوڑہ [illegible] 1188ھ [illegible] ہجری [illegible] مقبرہ [illegible] شاہ [illegible] 1188ھ [illegible] شاہ [illegible] مقبرے [illegible] میاں [illegible] 1130ھ ہجری میں تعمیر ہوا تھا شاہ محمد میاں نور محمد کلہوڑہ [illegible] محمد [illegible] قریب [illegible] 700 ہجری میں مدینہ سے آئے تھے اور بعد حکومت [illegible] کی [illegible] دی [illegible] یہاں بچھا گیا ہے

خدا آباد

دلو شہر سے تقریباً سات کوس جنوب کی طرف ہے یہ میاں یار محمد کلہوڑا نے تعمیر کرایا تھا اور کلہوڑا حکمرانوں کے دور میں تخت گاہ تھا جب میاں غلام شاہ کلہوڑا نے سنہ 1768ع حیدر آباد کا شہر تعمیر کرایا تب اسے چھوڑ کر اس کو نیا تخت گاہ بنایا۔ خدا آباد کا شہر اجڑنے لگا۔ تالپر حکمرانوں نے میاں عبدالنبی کو شکست دینے کے بعد اس کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ میاں یار محمد کلہوڑا نے اس جگہ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ میاں یار محمد کا مقبرا وہاں پر ہے جو اس نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا سنہ 1718ع میں وفات کے بعد اس کو وہاں دفن کیا گیا اس کے مقبرے پر بھی دوسرے کلہوڑا حکمرانوں کے مجاور بیٹھتے ہیں۔

انڑ پور

یہ شہر جام انڑ نے تعمیر کرایا تھا مخدوم ساہڑ کا یہاں پر مزار ہے یہ شخص عابد، زاہد اور صاحب کرامت تھا ایک مرتبہ کسانوں نے آکر شکایت کی کہ رات کو خنزیر آکر ہماری فصلیں ناس کر دیتے ہیں درویش نے کہا کہ ان کو میرا پیغام دو اور منع کرو انہوں نے ایسا کیا پھر دوبارہ خنزیر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ متعلوی یا نیاری میں آئے رات کو پاؤں دراز کر کے نہ سوئے کہا کہ چو طرف سیدوں کے گھر ہیں یہ بے ادبی ہو گی۔ ان کا کہنا تھا کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں اس کو پیر یا مرشد کرنا چاہئے ایک یہ کہ اس کے پاس بیٹھتے وقت خدا یاد آئے دوسرا وہ جو کچھ کہے وہ تمہارے دل پر اثر کرے تیسرا اس کی صحبت سے چلے جانا گوارا نہ ہو۔

ریل اور دشت باراں

چانڈکا اور سیوستان پرگنوں کے مغربی پہاڑوں کے دامن والی زمین جو برساتی نالوں سے آباد ہوتی ہے اس کو کاچھا کہتے ہیں پہلے اس کو ریل اور دشت باراں بھی کہتے تھے اس جگہ پر بہت سے اولیا ہوے اور مزرے ہیں ان کے نشان اب تک ظاہر ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

(1) شیخ موسیٰ:۔ اس کی دوسری پشت سے شیخ ابوالفضل مشہور عالم اور مصنف پیدا ہوئے۔ ابوالفضل نے اپنی کتاب "کچکول" میں لکھا ہے کہ شیخ موسیٰ سنہ 900ہجری میں یہاں رہتا تھا اس کا ایک نواسا خضر شاہ سیر اور سفر پر نکلا تا گور پہنچ کر شیخ یحیٰ بخاری کا مرید بنا جو اچ والے مخدوم جہانیاں کے سجادہ نشین تھے ان کے علاوہ شیخ عبدالرزاق قادری اور شیخ یوسف سندھی سے فیض

حاصل کر کے وطن لوٹا۔ شیخ مبارک ولد شیخ موسیٰ سنہ 911ہجری میں پیدا ہوا اور اکبر آباد جا کر علم حاصل کیا ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی اس کے بیٹے شیخ ابوالفضل اور شیخ فیضی اکبر بادشاہ کے دربار میں مشہور آدمی تھے۔

(2) درویش یحییٰ ولد عالم بکھری ریل کے مشہور علماء سے ایک تھے کہتے ہیں کہ ایک رات نماز میں مشغول تھے تو تیز بارش شروع ہو گئی چھت سے مٹی اور پانی پڑنے سے چادر بھیگ کر خراب ہو گئی انہوں نے نوکر کو دھو کر سکھالانے کو کہا تو کرنے کہا کہ آدھی رات ہے اور بڑا اندھیرا ہے اور تیز برسات ہو رہی ہے میں کس طرح جاؤں کسطرح دھوؤں کس طرح سکھاؤں۔ درویش نے کہا کہ تم باہر تو جاؤ جب وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ سورج چمک رہا تھا کوئی بارش نہیں تھی اور نہ کوئی کیچڑ تھی۔ نوکر چادر دھو کر سکھا لایا اندر آنے پر دیکھا کہ پہلے کی طرح دھواں دار بارش ہو رہی تھی۔

(3) مخدوم نعیم اور درویش ابراہیم بھی ریل کے بزرگوں میں سے تھے ان کے بہت سارے مرید تھے۔

(4) شیخ ہوتھی لاکھا دشت بار اس کے بڑے اولیاؤں میں سے تھے۔ اکثر سر سے پاؤں تک لال پوشاک پہنتے تھے اور تیر کمان لئے پھرتے تھے راگ گاتے اور ناچتے تھے۔ شروع شروع میں لوگوں کا اس پر اعتقاد نہیں تھا۔ ایک مرتبہ کسی زمیندار کا بیٹا گم ہو کر دور نکل گیا تھا اس نے چند درویشوں کو بلا کر دعوت کی اس لیے کہ دعا کریں کہ اس کا بیٹا واپس آجائے شیخ ہوتھی بھی وہاں جا کر پہنچا اس کو پاگل فقیر جان کر کسی نے بیٹھنے نہ دیا اس نے دعوت کھانے والے درویشوں سے کہا کہ جب تک لڑکا نہ پیدا کرو گے تب تک یہ روٹی جو اس بیچارے نے تم کو کھلائی ہے تم پر حرام ہے۔ ان لوگوں نے درویش سے کہا کہ تو لائے گا؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں پھر تھوڑا باہر جا کر لڑکے کو بازو سے پکڑ کر اس مجلس میں لے آیا۔ لڑکے نے بتایا کہ میں فلاں شہر میں بازار سے گھی لینے جا رہا تھا تو کسی نے میرے بازو میں ہاتھ ڈال کر ادھر لا پہنچایا۔ جب انہوں نے وفات پائی اور نماز جنازہ پڑھی جانے لگی تو ایک شخص نے اپنے برابر میں خود اس شیخ کو نماز پڑھتے دیکھا جب اس نے پوچھا کہ تم اپنے جنازے پر خود کیسے نماز پڑھتے ہو تو اس نے کہا کہ میں مرا تھوڑے ہی ہوں میں زندہ ہوں میرا جسم مرا ہے اس کا مزار سوریانی گوٹھ میں ہے ان کے بیٹے شیخ احمد اور شیخ محمد بھی باپ کی طرح صاحب کرامت تھے اور اسی جگہ دفن ہیں۔

(5) درویش ابراہیم ہمیشہ ڈتھ (ایک جنگلی اناج) پر گزارہ کرتا تھا دوسرا کوئی طعام نہیں کھاتا تھا اس کے خادموں میں سے پکاکاتیار بھی ایک درویش تھا۔ ان کے وفات کے بعد لوگ ان کے ایصال ثواب کیلئے ایک ٹویا (لکڑی سے بنا ہوا پیالہ نما پیمانہ جس میں چار کلو کے قریب اناج سما جائے) گیہوں ایک ہاتھ سے پیس کر ایک سیر گڑ اور گھی سے بسری (گڑ والی روٹی) پکا کر خیرات کرتے ہیں تو ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اس کا بیٹا جس کا نام مومن تھا گجرات کے ایک قلعہ میں قید ہوا تھا۔ مرنے کے وقت کہنے لگا کہ بیٹے مومن جلدی آ کر مجھے غسل دے اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس ولی کے کہنے پر خدا کی قدرت سے وہ لڑکا قلعے سے نکل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کفن دفن کا بندوبست کیا۔

(6) درویش ہالا سہتا یہ بھی ایک بڑے اولیاء تھے ہمیشہ دو لوٹے پانی کے ساتھ رکھتے تھے ایک وضو کرنے کیلئے دوسرا استنجا کیلئے۔ ایک مرتبہ دونوں آپس میں ٹکرا کر ٹوٹ گئے اور پانی بہنے لگا ان کو حکم کیا کرامت سے دونوں لوٹے جڑ گئے اور پانی کی ایک بوند بھی ضائع نہیں ہوئی۔ مرنے کے وقت بتایا کہ میرے بائیں پاؤں میں بچپن میں گوبر لگا تھا اس لیے غسل کے وقت اس پر بیس لوٹے پانی کے ڈالنا۔ اس طرح کیا گیا۔ یہ درویش آمری کے قبرستان میں دفن ہے۔ دوسرا درویش اسماعیل ولد قمرالدین بھی آمری میں تھا اور صاحب کرامت تھا مرنے کے وقت اس کے مکاشفہ سے اوپر ذکر کئے گئے ہالہ بزرگ نے ایک دن کی مسافت سے آ کر غسل دیا۔ تیسرا درویش بھی جھرا ستہ آمری میں صاحب کرامت گزرا ہے۔

(7) درویش پنیانا ریجا بھی دشت باراں کا بزرگ اولیاء تھا ایک رات کو جنگل میں کسی جگہ چھپ کر خدا کو یاد کر رہا تھا تو چند گھڑ سوار آئے اس کو جبر آ راستہ دکھانے کو کہا اور چابک مار کر گھوڑوں کو آگے چلنے کو کہا۔ درویش کی پیٹھ اور سینہ زخمی ہو گئے آگے چل کر ان کے گھوڑے ٹھوکر کھا کر سیدھے زمین پر گر پڑے اور اچانک وہاں پہاڑی دیکھ کر حیران ہو گئے فقیر وہاں گم ہو گیا اور وہ بھٹک کر ہلاک ہو گئے۔ اس درویش نے سنہ 900 ہجری میں وفات پائی اور اس کا مزار نالے کے کنارے پر ریدہ گاؤں کے سامنے ہے۔

(8) قاضی سدھو ولد حماد یہ سمرؤں کے قاضیوں کی اولاد سے تھا اور دشت باراں کے اولیاء سے تھا۔ ایک شخص کے پاس ایک عمدہ گھوڑی تھی جو بانجھ تھی قاضی سے دعا کروائی اس قاضی

کے ہاتھ میں نیبو تھا جو اس کو دے دیا اور کہا کہ گھوڑی کو کھلادو خدا کی قدرت سے گھوڑی کو بچہ ہو گیا اور اس نے بچھیرا جنا جب وہ بڑا ہوا تو اس کی قیمت کیلئے بڑی بڑی رقوم کی پیشکش کی گئی اتفاق سے قاضی بھی وہاں سے گزر رہا تھا اس شخص نے جو نذرانہ دینے کو کہا تھا وہ اس سے گریز کرتا رہا قاضی اس کا ارادہ بھانپ گیا اور اس کے اشارے سے اس کی پگڑی سانپ بن گئی جس نے اس کو ڈس لیا اس کے ساتھیوں نے سانپ کو مار دیا اور اس کو اٹھا کر قاضی کے پاس لائے قاضی نے اس کو دعا دی اور وہ ٹھیک ہو گیا اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی کمبخت کو نذرانہ یاد نہ آیا قاضی نے ان لوگوں کو کہا کہ اس گھوڑی کو میری طرف سے کہو کہ میری امانت لوٹا دے ان لوگوں نے ایسا کہا اور گھوڑی نے بدلید میں وہ لیموں خارج کیا اور بچھیرا مر گیا۔ قاضی نے پھر مرا ہوا سانپ منگوایا جب وہ لایا گیا تو وہ اس کی پگڑی کا کپڑا بن گیا۔ دوسری مرتبہ اس کے رشتے داروں نے سمیجوں کے کئی مردوں اور عورتوں کو ستایا اس پر اس نے ان کو کہا کہ تم لوگ گدھوں کا گلہ ہو ان الفاظ کہنے پر ان کے مرد گدھے اور عورتیں گدھیاں بن گئیں عورتیں پکارنے لگیں مرد قاضی کے پاؤں میں پڑنے لگے اس نے دعا کی اور وہ لوگ پھر سے انسان بن گئے یہ درویش سنہ 900ہجری میں فوت ہو گئے اور دہیرہ کے گاؤں میں دفن کئے گئے ہیں۔

(9) درویش رکن الدین ولد دینہ خدا کا مقبول بندہ تھا ہمیشہ عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتا تھا ایک دن مسجد میں سو رہا تھا مسجد کے امام نماز پڑھ کر اپنی چادر جھاڑ کر چلنے لگے جھاڑنے سے مٹی اور تنکے اس درویش پر جا گرے امام کی ٹانگیں بے حس ہو گئیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا ۔ درویش کو تو کچھ معلوم نہ تھا مگر امام یکدم سمجھ گیا کہ یہ کوئی صاحب کرامت ہے اور اس کی بے ادبی ہوئی ہے اس کو جگا کر پاؤں پڑا اور معافی مانگی تب جا کر ٹھیک ہوا۔ زندگی کے آخری دنوں میں اس درویش کے حال اور وجد کی یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی بڑی آواز سنتا تھا تب اندر سے ایک آہ نکلتی تھی تو وہ آواز نکالنے والا مر جاتا تھا۔ اس نے سنہ 988ہجری میں وفات پائی۔

(10) درویش علاؤالدین بھکیا دشت یار اس کے اولیاء میں سے تھا زبان سے جو لفظ کہتا تھا وہی ہوتا تھا سنہ 900ہجری میں وفات پائی۔

(11) مخدوم محمد امین بھی وقت کے کامل مرد تھے اور واسوری گاؤں میں رہتے تھے۔ مخدوم حیدر نصر پور والا ان کا مرید تھا۔

کوہستان

ریلی اور دشت بدار کے مغربی کنارے سندھ کی سرحد تک جو پہاڑی سلسلہ سمندر تک جاتا ہے اس کو کوہستان کہتے ہیں وہاں پر بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں عبادت اور ریاضت میں مشغول رہنے والے بزرگ رہتے تھے اور ان کے مزار وہاں پر موجود ہیں ان میں سے چند لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) میر جبل کی طرف ایک پہاڑی ہے جس میں ایک کمرے کی طرح ایک جگہ ہے جس کی چھت سے پانی کا ایک ایک قطرہ ٹپکتا رہتا ہے اس جگہ پر نیچے ایک چھوٹا سا حوض بن گیا ہے جس میں چھوٹے سے ذرے مٹکیزے جتنا پانی سما سکتا ہے وہ کبھی نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے چاہے جتنے آدمی یا جانور پانی پی لیں۔ اس کمرے کے ایک طرف اوپر پتھر کی دیگ نما چیز لگی ہوئی دیکھنے میں آتی ہے کہتے ہیں کہ اس میں خزانہ ہے یا پہلے کبھی تھا دیو نے ادھر رکھی ہے لیکن کوئی ادھر پہنچ نہیں سکتا پہاڑ کے دامن میں ایک نالی ہے جو بہہ کر ایک چشمے میں گرتی ہے جو ایک جگہ کے بیچ میں ہے وہ جگہ ستونوں پر کھڑی ہے اس حوض میں کم تک پانی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ بھی جنوں اور دیوں نے بنایا ہے۔

لکی

(2) لکی کے سامنے پہاڑ کے نزدیک گرم پانی کے چشمے ہیں جن میں لوگ نہاتے ہیں۔ ان کو دھارن کے چشمے کہتے ہیں ہندو لوگ ان کو دھارا تیرتھ کہتے ہیں۔

(3) مانجھند کے سامنے پہاڑی پر شاہ اویس کا مقبرہ ہے ادھر لوگ زیارت کرنے جاتے ہیں۔

(4) رنی کا کوٹ سن شہر سے چار کوس کے فاصلے پر پہاڑی میں ہے اور سنہ 1812ء میں میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان نے بنوایا تھا اس جگہ پر پانی کا ایک نالا بہتا ہے یہ اس لئے بنوایا گیا تھا کہ مشکل وقت میں وہاں جا کر پناہ لی جائے اس کے قریب رنی کا برساتی نالا بہتا ہے۔

(5) پیر پٹھا ٹھٹھہ سے چھ کوس کے فاصلے پر ایک بڑی زیارت گاہ ہے ادھر مسجد اور عید گاہ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اس جگہ کبھی کوئی بڑا شہر تھا مسلمان جس کو پیر پٹھا کہتے ہیں ہندو اس کو راجا گوپی چند کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ پیر شیخ سعدی کا ہمعصر تھا اس کی وفات سنہ 650 ہجری میں ہوئی تھی۔ ربیع الاول مہینے کے وسط میں وہاں پر میلا لگتا ہے۔

(6) کھیر تھر جبل کوتری سوستان (سیوہن) اور لاڑکانہ کے مغرب میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جس کو کوہستان کہا جاتا ہے اس کے حصوں کے مختلف نام ہیں مثلاً گر یوکار وڈاڑھیارو وغیرہ۔ سب سے اونچی چوٹی ڈاڑھیارو پہاڑ ہے جو چھ ہزار فٹ بلند ہے اس پر کتے کی قبر ہے اور اس پر پرانے قلعے دیکھے جاسکتے ہیں اس کا تفصیلی بیان ہم نے ایک الگ کتاب میں دیا ہے۔

(7) پب جبل اس پہاڑ پر برساتی نالے ہیں جن پر جنگلی آم، انجیر، انار، کیلے اور نارنگیوں کے درخت ہیں جو پھل دیتے ہیں ایک ولی شاہ بلاول کا وہاں پر عمدہ مکان ہے اس کے نزدیک پہاڑ میں ایک گڑھا ہے اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے لوگ رسیاں باندھ کر چڑھتے ہیں چھت میں ایک گائے کے تھنوں جیسے پتھر ہیں کہتے ہیں کہ ان سے پہلے دودھ بہتا تھا اب پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں اندر ایک بڑا غار ہے کہتے ہیں کہ اندر ہی اندر سے عرب یا حجاز تک جا پہنچتا ہے اگلے وقتوں میں فقیر اس سے آتے جاتے تھے وہاں پر ایک تغاری نما پتھر ہے جس پر قدیم زمانہ میں چالیس فقیروں نے ایک تل کا دانہ رگڑا تھا تو وہاں سے سب کیلئے کھانا پیدا ہو گیا تھا۔

(8) منگھو جبل یا طوق کراچی کے قریب حاجی منگھو کا مقبرا ہے وہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کا ہمعصر تھا لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں گرم واہی اور سرد واہی کے چشمے ہیں جن کو کشتیاں کہتے ہیں ایک گڑھا ہے جس میں بہت سارے مگرمچھ ہیں جو سب سے بڑا ہے اس کو مور صاحب کہتے ہیں۔ ہندو لوگ اس کو لالا جیسراج کہا کرتے ہیں اور ان کی زیارت کو آتے ہیں اور ایک مسجد بھی ہے یہ بزرگ انگریزی تیرھویں صدی کے وسط میں ادھر آکر رہے تھے اور اسی جگہ وفات پائی۔

(9) جھم پیر اور جھرک جھم پیر کے پاس امیر پیر کا مقبرہ ہے جو ایک پہاڑی پر ہے جہاں سے سنہری جھیل دیکھنے میں آتی ہے پیر کی اصلی قبر پہاڑ کے ایک غار میں ہے اس جگہ لوگ زیارت کرنے جاتے ہیں اور ہر سال میلا لگتا ہے۔ خواجوں کے پیر ہزہائینیس آغا خان کا ایک مکان پہاڑی پر ہے پہلے پہل جب آغا خان سندھ میں آئے تھے تب جھرک میں آکر اس مکان میں رہتے تھے اس لئے ابھی تک خواجہ لوگ اس میں رہتے آئے ہیں جھرک میں ایک پہاڑی پر ایک مسمار شدہ قلعہ ہے جس کو کافر کوٹ یا راجا ماجی رائی کا قلعہ کہتے ہیں۔ قریب ہی ایک جگہ پر بدھ دھرم کا ستون ہے۔ کوہستان میں کئی پہاڑیاں ہیں جو کئی بڑے شہروں کے قریب ہیں ان کا ذکر ان شہروں کے بیان میں دیا جائے گا جس طرح مکلی کا ٹھٹھہ شہر کے ساتھ اور گنجے ٹکر کا حیدرآباد کے ساتھ وغیرہ۔

متفرق اور مجمل تفصیل

چانڈکا پرگنہ میں یعنی لاڑکانہ ضلع میں اکثر چانڈیو بلوچ بکثرت رہتے ہیں جو زمانہ قدیم سے وہاں کے رہنے والے ہیں۔ گمسیوں سے ان کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں اس لئے سندھی زبان میں یہ کہاوت ہے کہ "یہ آپس میں چانڈیو گمسی ہیں"۔ ان کے سردار ولی محمد چانڈیو تھے اس کے بعد اس کا بیٹا غیبی خان ہوا اسی طرح گمسیوں کا سردار قیصر خان تھا جو اب بھی ہے۔ چانڈیو سردار کو سرکار سے بڑی جاگیر دی گئی ہے اور اس کے ساتھ نذرانے وصول کرنے کا حق بھی ہے۔ سیوہن کی طرف رند بلوچ بھی ہیں جن کا سردار یار محمد خان تھا اور جمالی بلوچ ہیں جن کا سردار حیات خان تھا ان کی جاگیریں پشت بہ پشت قائم ہیں۔ لغاری بلوچ اور کھوسہ بلوچ بھی کثرت سے ہیں۔ کھوسہ لوگ خاص طور پر کوہستان کے بند ویراہ کی طرف رہتے ہیں۔ کئی میں تو شروع سے سید رہتے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ قلندر شہباز کا کنجی بردار بھی انہی سے ہوتا آیا ہے۔ کوٹڑی اور تھانہ بولا خان والے کوہستان میں تو مزید رہتے ہیں جن کو فارسی میں نہمردی کہتے ہیں یہ سماں قوم سے ہیں ان کے سردار کو ملک کہتے ہیں۔ آخری سرداروں اور جاگیرداروں سے ملک صوبدار خان اور ملک دودا خان ہیں جو اب فوت ہو گئے ہیں۔

maablib.org

باب سوئم

نیرون کوٹ، برہمن آباد، دربیلہ، بدین اور گرد و نواح

(موجودہ نواب شاہ اور حیدرآباد ضلع اور ریاست خیرپور اور تھرپارکر ضلع کا کچھ حصہ)

ہالانی بہلانی اور دربیلہ

ہالانی قدیم شہر ہے اس میں شیخ طائی اور شیخ کبیر کے مقبرے ہیں جو بڑے بزرگ تھے اس شہر میں کلہوڑا اور ٹالپر حکمرانوں میں جنگ لگی تھی اور میر فتح علی خان نے فتح پائی تھی جس کے بعد ٹالپر حکمران ہوئے۔ بہلانی میں پیر دلہا اور میاں عبداللہ کامل فقیر کے مقبرے ہیں۔ دربیلہ میں مخدوم عثمان کی درگاہ ہے جس کو حضرت پیغمبر ﷺ کا خاص قاضی کہا جاتا ہے۔

دربیلہ

یہ قدیم شہر ہے وہاں کے چند علماء اور بزرگ یہ ہیں۔

(1) قاضی ابراہیم اور اس کے بیٹے قاضی عبداللہ جس نے آخری مخدوم عبدالعزیز جس کا ذکر اوپر کاہاں میں آیا ہے مرزا شاہ بیگ کی فتح کے بعد نقل مکانی کر کے باغبان میں آیا سنہ 934 ہجری میں گجرات سے ہوتا ہوا مدینہ شریف گیا اور وہاں پر سکونت اختیار کی اور وفات پائی۔ ان کا بیٹا شیخ رحمت اللہ بھی ایک بڑا عالم تھا اور اس نے حج کی رسومات سے متعلق تین کتابیں لکھیں۔ اس کا چھوٹا بھائی قاضی عبداللہ بھی حدیث اور تفسیر کے علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ خان اعظم کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا تھا۔

(2) مولانا سعد بھی زبردست عالم تھا۔ اس کا بیٹا شیخ عبداللہ سنہ 947 ہجری میں گجرات روانہ ہوا اور اوپر ذکر کئے گئے قاضی عبداللہ کے ساتھ حرمین گیا اور باقی عمر وہاں پر گزار دی۔ اس نے بھی کافی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

(3) عبداللطیف طالب علم مشہور عالم تھا شرح ملا پر حاشیہ لکھا اور چند کتابیں علم الکلام کے بحث میں لکھیں۔

ہالہ کنڈی

ہالا کا شہر قدیم اور مشہور ہے۔ یہ اناہالا جس کا نام مرتضیٰ آباد تھا وہ مخدوم میر محمد نے تعمیر کرایا تھا سیلاب کی تباہی کے بعد نیا شہر ایک کوس دور تعمیر کرایا گیا تھا۔

(1) مخدوم اسحاق بھی شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مریدوں میں سے تھے اور صاحب کرامت تھے اس کے دو بیٹے مخدوم احمد اور مخدوم محمد بھی نامور اولیاء تھے جو مخدوم عبدالرشید کے شاگرد تھے۔ ہمیشہ خلوت نشین رہتے تھے کبھی کبھی ذکر اور سماع میں بھی مشغول رہتے تھے، وجد میں بھی آجاتے تھے۔ مخدوم احمد کی کرامات کی بہت سی باتیں مشہور ہیں۔ کسی کے پاس مہمان بن کر رہے اتفاق سے اس کا بیٹا فوت ہو گیا۔ مخدوم نے کہا کہ اس کے بغیر میں روٹی نہیں کھاؤں گا اس کو میرا پیغام پہنچا کر لے آؤ۔ لوگوں نے مرے ہوئے کو کہا کہ مخدوم نے بلایا ہے وہ زندہ ہو گیا اور آکر مخدوم کے ساتھ کھانا کھایا۔ آخری دنوں میں مخدوم صاحب نیرون کوٹ یعنی حیدرآباد گئے وہاں ایک ستار لڑکا ایک نظم گارہا تھا اور سریلی آواز میں سماع کر رہا تھا وہ سن کر وجد میں آگئے اور فوت ہو گئے ان کی میت ہالا میں لاکر دفن کی گئی۔ یہ واقعہ سنہ 936 ہجری میں پیش آیا۔ ان کے بیٹے مخدوم فتح اللہ ان کے جانشین بنے پھر ان کے بیٹے مخدوم احمد جانشین بنے جس نے لمبی عمر پائی اس کے تین بیٹے تھے حسین، ابراہیم اور عبدالرؤف۔ مخدوم محمد بھی اپنے بھائی کی طرح صاحب کرامات تھے جام نظام الدین کے دور حکومت میں ٹھٹھ میں آیا جو ان کے معتقد تھے۔ درویش زکریا مخدوم اسحاق کا بھتیجا بھی مشہور سالک گذرا ہے اور درویش رکن بہرام بھی مخدوم احمد کے خادموں میں سے تھا۔

(2) مخدوم ابراہیم ولد عمر مرد کامل تھے لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے ان کے بیٹے مخدوم فتح اللہ اس کے بعد ان کے بیٹے مخدوم عبدالحمید ان کے جانشین بنے۔ مخدوم ابراہیم کے بھائی مخدوم عبدالرؤف ایک کامل، عارف اور صاحب کرامت تھے۔ میاں نور محمد ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے انہوں نے سنہ 1166 ہجری میں وفات پائی اور یہ تاریخ اس عربی جملے سے نکلتی ہے "کان ولیارؤف الخلق" وہ لاولد تھے ان کے بعد مخدوم نعمت اللہ ولد مخدوم عبدالحمید مسند نشین ہوئے ان کے بھائی حاجی دین محمد بھی ایک اہل اللہ تھے۔

(3) مخدوم عربی دیانہ جس کا ذکر ہم نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے احوال میں کیا ہے وہ پیر آسات کا بھائی تھا جو مکلی میں مدفون ہے۔ اس مخدوم نے ایک دفعہ ایک ہی جگہ پر قرآن شریف کے

ایک سو چالیس ختمے پورے کیے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ قرآن پڑھتے تھے تو اڑتے ہوئے پرندے رک جاتے تھے اور بہتا ہوا پانی تھم جاتا تھا ایک دفعہ اس کا بیٹا بایزید حج کرنے جارہا تھا سمندر میں اس کا جہاز ڈوبنے لگا تھا اس نے کشف کے ذریعے دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر بچا لیا۔ اس وقت حاضرین مجلس نے ان کے ہاتھ سے ٹپکتا ہوا کھارا پانی دیکھا۔ انہوں نے سنہ 980 ہجری میں وفات پائی ہالا میں تدفین ہوئی ان کے بیٹے مخدوم بایزید ان کے جانشین بنے ان کا ایک بیٹا محمد عالم تھا جو شاہ عبداللطیف کا مرید بنا۔

(4) مخدوم نوح ولد نعمت اللہ صدیقی بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ پیدائش کے ساتویں دن اذان سن کر صحیح طور پر کلمہ پڑھا۔ ان کا کہنا تھا کہ چودہ برس کی عمر میں جناب مولا علی سے یہ فیض حاصل ہوا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں مخدوم عربی کے ساتھ بیٹھے تھے خود مراقبہ میں تھے اور مخدوم عربی قرآن پڑھ رہے تھے جب اٹھائیسویں پارے تک پہنچے تو ان کا جسم قرآن سن رہا تھا باقی اس کی روح آسمان کی سیر کو گئی ابھی مخدوم عربی نے قرآن پڑھنا ختم ہی کیا تھا کہ مخدوم نوح واپس آئے اور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کی بیٹھک دیکھی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت علی سے سبق پڑھا ہے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے میرا بازو پکڑ کر حضور ﷺ کے حوالے کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ میری اولاد میں سے ہے۔ ایک مرتبہ مخدوم صاحب ٹھٹھہ میں آئے وہاں کے عالموں نے جب یہ سنا کہ وہ ان پڑھ ہیں لیکن قرآن کی آیات، معنی اور تشریح نہایت احسن طور پر کرتے ہیں تو ان کو دیکھنے کیلئے آئے مخدوم صاحب ایک آیت کی تفسیر بیان کر رہے تھے ایک شخص تسبیح پر مخدوم صاحب کی کی گئی معنی اور تشریحات گن رہے تھے جب ختم کر چکے تو گننے پر پتا چلا کہ اس ایک آیت کی اسی تشریحات بیان کی گئیں تھیں۔ ان کی اور بھی بہت ساری کرامات ہیں۔ ان کی وفات جمعرات کے دن تاریخ 27 ذیقعد سنہ 998 ہجری میں ہوئی ان کا مقبرہ ہالا میں ہے۔ ان کے دو بیٹے مخدوم جلال اور میاں ابراہیم تھے۔ یہ بھی خدا کے نیک بندے تھے بعد میں میاں محمد زمان سجادہ نشین بنے۔ مخدوم نوح کی صحبت سے جن بہت سارے لوگوں نے فیض حاصل کیا ان میں سے ایک فقیر قاسم تھا جو ایک جولاہا تھا بعد میں بڑا بزرگ بن گیا۔ شاہ دیوانہ بھی وہاں کا مشہور ولی تھا مرنے کے بعد مخدوم عربی کے قریب دفن ہوا۔ مخدوم نوح کا اصل مزار دریا دو مرتبہ زیر آب کر چکا ہے یہ تیسری مرتبہ ہے جو سنہ 1205 ہجری میں بنی پیر محمد زمان نے تعمیر شروع کرائی اور میر فتح علی خان نے مکمل کرائی۔ مخدوم میر محمد جس نے پرانے ہالا کا شہر تعمیر کرایا تھا اس کی قبر بھی اس جگہ پر ہے جس پر

سنہ 1200 ہجری درج ہے یہ قبر اور مسجد دونوں میر کرم علی خان نے سنہ 1222 ہجری تعمیر کرائی تھی۔

(5) مخدوم صدر الدین راہوتی کو ٹھ جانیہ والے ہمیشہ وعظ کرتے تھے جس کا لوگوں پر بہت اثر ہوتا تھا ہمیشہ برقع والی ٹوپی پہنتے تھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پہنتے بڑے کامل انسان تھے ان کے بیٹے مخدوم محمد مراد بھی اتنے ہی کامل اور فاضل تھے قاضی منور بھی ان کی اولاد سے تھے ایک دن وہ عمدہ کپڑے زیب تن کر کے جا رہے تھے۔ سید عبداللطیف بڑی والے نے ان کو دیکھ کر کہا کہ تمہارے دادا تو برقع والی ٹوپی پہنتے تھے تم نے ایسے کپڑے پہننا کہاں سے سیکھے اس بات نے ان پر ایسا اثر کیا کہ اس دن کے بعد وہ درویش بن گئے۔

بھانوٹ

اس گاؤں میں حسن مقری نامی ایک درویش رہتے تھے جو اصل میں بڑھئی تھے جو بلند مقام پر پہنچ گئے کہتے ہیں کہ وضو کرتے وقت بیہوش ہو جاتے تھے ایک دن ان کا ایک عزیز ان کو دیکھنے کیلئے آیا دیکھا کہ وضو خانے میں بیہوش پڑے ہیں وہ خوف سے باہر نکل آیا ایک دن ظہر کی نماز کیلئے لوٹا لیکر وضو کرنے لگے پانی کو ہاتھ لگایا تو اذان آنے لگی فقیر بیہوش ہو گئے دوسرے دن ظہر تک بیہوشی کی حالت میں پڑے رہے کسی کو طاقت نہ تھی کہ ان کو ہوش میں لاتا جب اذان آئی تو خود ہی ہوش میں آئے اور کہا کہ کیا ابھی تک موذن نے اذان پوری نہیں کی وہ گزرا ہوا سارا دن اور رات ان کو ایک لمحہ نظر آیا۔ ایک مرتبہ مخدوم مراد ولد مخدوم صدر الدین راہوتی ان کو دیکھنے کیلئے آیا سواری کا بیل باہر باندھ کر ان کے پاس اندر گیا خادموں نے بتایا کہ فقیر کو وضو خانے میں گئے سات روز ہو چکے ہیں باہر نہیں آئے ہیں مخدوم ابھی اس حیرانی میں کھڑا تھا کہ فقیر باہر آئے مخدوم نے کہا کہ یہ کیا ہے تم نے پورے ہفتے کے نمازوں کے فرض گنوا دیئے ہیں فقیر نے جواب دیا کہ تم جا کے اپنے بیل کی خبر لو جس کو باہر باندھ کر آئے ہو اتفاق سے بیل رسی تڑا کر بھاگ گیا اور بڑی مشکل سے ہاتھ آیا۔

خانوٹ

خانوٹ ایک مشہور گاؤں ہے متعلوی سید اس میں رہتے تھے ان میں سید چاندو شاہ صاحب حال تھا اور نہال شاہ مداری کے معتقدوں اور جانشینوں میں سے تھا۔ نہال شاہ گنجو ٹکر (پہاڑی) پر دفن ہے۔

بھٹ

یہ گاؤں ہالا سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ ریت کے ٹیلوں کی وجہ سے یہ نام پڑا ہے اس میں شاہ عبداللطیف ولد سید حبیب شاہ کا مقبرہ ہے جو سید عبدالکریم بلڑی والے کی اولاد سے تھے سید حبیب شاہ ایک مرد خدا تھے ان کی وفات کی تاریخ ہے "الموت جسد یوصل الحبیب الی لقاالحبیب" شاہ عبداللطیف کو تارک کہتے تھے اسلئے کہ اس نے دنیا کو ترک کیا تھا۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود بھی خداتعالیٰ نے حقیقی علم ان کے سینے میں سمادیا تھا جس دن انہوں نے وفات پائی اس دن ان کے فراق سے کافی مرید فوت ہو گئے۔ جب ان کا مقبرہ تعمیر ہوا تب جیسلمیر کے راجا نے نوبت بطور نذرانہ پیش کی۔ ان کی وفات کی تاریخ "رضوان الحق" ہے یعنی سنہ 1165 ہجری۔ وہ بے اولاد تھے اس لئے سید جمال ان کے قائم مقام بنے ان کا مفصل احوال ہم نے الگ کتاب میں دیا ہے۔ ان کا رسالہ مشہور ہے۔

جھیجا (موجودہ اڈیرالال)

جھیجوں کے اس گاؤں میں شیخ طاہر کا مقبرہ ہے ہندو اس کو اڈیرولال یا دولہہ لال یا امر لال کہتے ہیں۔ چند دریا پنتھی ہندو سمجھتے ہیں کہ یہ زندہ پیریا اس کا وزیر تھا اور گھوڑے سمیت ڈبکی لگا کر زمین میں چلا گیا تھا وہ مجذوب تھا اوائلی دنوں میں جنگل میں گھومتا رہتا تھا۔ ایک دن بھنگ گھوٹ رہا تھا تو ایک اونٹ گلے سے نکل کر اس کے پاس آکر کھڑا ہوا۔ شیخ اس کو دیکھ کر کہنے لگا کہ تم آگئے اے خدا اس غریب پر کس طرح مہربان ہوئے ہو جو کچھ موجود ہے وہ حاضر ہے۔ اس کی نظر میں ہر ایک چیز خدا کا مظہر تھی۔ جب اونٹ پھر بھاگنے لگا تب اس کے پیچھے منت سماجت کرتا ہوا بھاگتا گیا۔ اس کی وفات کے بعد ہندو مسلمان اس کے مزار پر زیارت کرنے آتے ہیں۔ ہندو عورتوں کا بڑا اعتقاد تھا اس قدر کہ شیخ کی درگاہ پر زیارت کیلئے آنے والی ہندو عورتیں بلا حجاب اپنے شوہروں اور رشتے داروں کے سامنے ناچتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ اس طرح کرنے سے ان کی مرادیں پوری ہوں گی۔ ہندو کہتے ہیں کہ اس کا اصل نام منگل ولد رتن تھا۔ نصرپور کے گردونواح میں رہتا تھا نصرپور کا ایک قاضی ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیا کرتا تھا اس سے بحث کی۔ بحث میں کامیاب ہونے کے بعد دریا میں ایک چادر بچھا کر قاضی کو اس پر بٹھا کے چلا گیا جب قاضی بیچ دریا میں ڈوبنے لگا تو اس نے آکر بچا لیا۔

نصر پور

یہ شہر سلطان فیروز کے حکم سے اس کے ایک امیر نصر نے سنہ 751ہجری میں تعمیر کرایا تھا جس کو حکم ملا تھا کہ سانگرہ میں ایک قلعہ تعمیر کرائے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شہر نصیر ماچی گیر نے تعمیر کرایا تھا۔ دریا کے کنارے پر تھا اور باغات بکثرت تھے۔ ترخان گھرانے کے حاکموں نے یہ شہر اپنی رہائش کیلئے پسند کیا تھا اور ان کی اولاد اب تک وہاں پر آباد ہے پھر جب دریا نے اپنا بہاؤ تبدیل کیا تب وہ باغ ویران ہو گئے اور سیم و تھور پیدا ہو گیا۔ اس شہر میں بہت سے مشہور لوگ گذرے ہیں جن کی تفصیل نیچے دیا جاتا ہے۔

(1) قاضی خیر الدین حال اور قال والے آدمی تھے ان کے زمانے میں ایک آدمی کو اسہال ہو گئے اور اس کا یہ حال تھا کہ فرش پر پڑا تھا اور اسہال بہہ رہے تھے کسی علاج سے افاقہ نہ ہوا اتفاق سے یہ قاضی صاحب وہاں سے گذر رہا تھا اس کا یہ حال دیکھ کر اس کو ترس آگیا ان کی نظر کے اثر سے وہ شفایاب ہو گیا اور دوبارہ اس کو کبھی پاخانہ نہ آیا کھاتا پیتا رہتا تھا الغرض اس کا ایسا حال ہوا جیسا بہشت میں رہنے والوں کا۔ اور اس حال میں چالیس برس تک زندہ رہا یہ بات کتاب "حقیقۃ الاولیاء" میں بھی لکھی ہے۔ ان کا مقبرہ نصرپور کے جنوب میں ایک کوس کے فاصلے پر ہے۔

(2) شیخ محمود شاہ سیستان قادری کے نام سے مشہور تھا۔ پانچویں پشت میں شیخ عبدالقادر کی نسل سے تھا۔ پہلے اس کا مقبرہ دریا کے پار تھا کسی کو طاقت نہ تھی کہ اندر جا سکے جب دریا نے اپنا رخ تبدیل کیا تو ان کی لاش نکال کر دوسری جگہ دفن کی وہاں پر بھی زیارت کیلئے کوئی نہ جا سکتا تھا لوگ باہر سے زیارت کر کے چلے جاتے تھے دوسری مرتبہ بھی دریا کا سیلاب آیا اس دفعہ بھی نکال کر موجودہ جگہ پر دفن کیا گیا اب لوگ اندر باہر زیارت کرتے ہیں۔ اس درگاہ کا متولی میر محمد زمان سوروٹی حق کے مطابق بنا جو رضوی سیدوں میں سے تھا۔ شیخ کی لاش کے ساتھ ان سیدوں کی لاشیں بھی سیلاب کے باعث لا کر دفن کی گئیں۔ شیخ کی لاش سوا دو سو برس پرانی تھی پھر بھی جب باہر نکالی گئی تو صحیح سالم کفن سے نکلی اور قبر سے تازہ خوشہ انگور اور مصری کے ٹکڑے بھی ملے جو مریدوں نے بانٹ کر کھائے۔ ان کا ایک پوتا شاہ ہاشم تھا جو سجادہ نشین بنا وہ بھی صاحب کرامت تھا۔ حقیقی شعر کہتا تھا ان کے بعد شاہ نور اللہ سجادہ نشین بنا پھر اس کا بیٹا نجم الدین پھر اس کا بھائی نجم الدین شاہ پھر غلام حیدر شاہ اس بعد اوپر ذکر کئے گئے شاہ نور اللہ کا بیٹا شاہ غیاث الدین پھر اس کا بیٹا شاہ وجیہ الدین بھی بزرگ تھا۔

شاہ عنایت اللہ بھی دستگیر کی اولاد سے تھا اور نصرپور میں دفن ہوا اور اس کا بیٹا شاہ غیاث الدین تھا۔ دوسرے سیدوں سے ایک سید یار محمد رضوی پہلے سرکاری ملازم تھا پھر فقیری اختیار کی دوسرا امیر محمد شاکر اور سید محمد ظہیر ولد سید سلطان رضوی۔ میر محمد صدیق نیک اور پرہیزگار اور کامل انسان تھا۔

(3) ان سیدوں کے علاوہ سید احمد جس کو شاہ غوری بھی کہتے ہیں وہ بھی پیران پیر کی اولاد سے تھا۔ جنوب کی طرف اس کا مزار ہے اور بڑی درگاہ ہے۔ سید عبداللہ اور سید عبدالرزاق باپ بیٹے دونوں شہید ہوئے کہتے ہیں کہ اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر ادھر آپہنچے اور اسی جگہ پر دفن کئے گئے۔ بی بی نور بھری و بگروں کی قوم سے تھی مجذوبہ اور سالکہ تھی گویا رابعہ ثانی تھی ان کا مزار نصرپور کے بازار کے بیچ میں ہے۔ قاضی مسعود کی ہمعصر تھیں۔ قاضی مسعود صاحب کرامت درویش تھے۔ شاہ عنایت اللہ رضوی ولد سید نصیرالدین شاہ خیرالدین کا مرید تھا سید عبدالولی رضوی اس کا بیٹا سید عثمان اور اس کا بیٹا سید شفیع محمد بھی مشہور تھے۔ آخری سید توسندھی زبان کا بڑا شاعر تھا اور حقیقی اشعار کہتا تھا اور شیخ سوسی آہنڈانی والے قبرستان میں دفن ہے۔ ان کی اولاد کھمبیر نامی گاؤں میں رہتی تھی۔

(4) قاضی مسعود قریشی عثمانی ایک عالم اور ولی تھا اس کا بیٹا حبیب اللہ حافظ اور اس کا بیٹا میاں عزت اللہ یہ سب کامل انسان تھے اور پھر یار محمد میاں عزت اللہ کا بھتیجا بھی نامور تھا۔ قاضی مسعود کا بھائی قاضی محمود اور اس کا بیٹا میاں فتاح دونوں شاہ ہاشم ثانی رضوی کے مرید اور معتقد تھے اور نہایت پرہیزگار تھے۔ قاضی محمود کے ہمعصروں میں میاں عبدالقدوس ان کے بیٹے محمد اشرف اور اس کا بیٹا محمد حسن بھی اچھے انسان تھے۔ محمد حسن تو دیوان گدومل کے ساتھ دیرجات میں شہید ہوا تھا۔

(5) قاضی مخدوم عبدالرحمان بڑے عالموں اور فاضلوں میں سے ایک تھا۔ شاہ جہاں اور عالمگیر بادشاہوں کے وقت میں حرمین شریفین کی نذروں کا متولی بن کر رہا ان کی ایک بڑی جاگیر بھی تھی اس کا بیٹا محمد اکرم اور اس کا بیٹا میاں مدنی جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوا تھا اور دوسرے بیٹے حفیظ یار خان اور عابد یار خان عالم اور فاضل تھے اور قاضی کے پوتے قاضی عبدالرحمان ثانی نے مدینہ میں وفات پائی اور وہ مخدوم حیات سندھی کی قبر میں دفن کیا گیا اور اسی قبر میں محمد قائم سندھی بھی دفن کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قاضی روح اللہ، مخدوم محمد سعید اور مخدوم میاں میڈنا بھی بڑے عالم اور فاضل تھے۔ ان سب کے بعد میاں عبدالرزاق نامور تھا۔ مخدوم حاجی محمد قائم کا شاگرد میاں نور محمد بھی عالم و فاضل تھا اور کافی عرصہ تک میاں شاہ خان کے لشکر کا قاضی تھا۔ قاضی حاجی، میاں عبدالبقا

محتسب، قاضی عبدالوہاب اور اس کا بھتیجا قاضی ابوالحسن اور اس کا بیٹا قاضی محمد میر بھی مشہور شخص تھے۔

(6) مندرجہ بالا بزرگوں کے علاوہ مندرجہ ذیل مشہور لوگ بھی نصرپور میں تھے۔ شیخ تھو ایک زمیندار تھا اور شہر کے مشرق میں ایک کوس کے فاصلے پر مدفون ہے۔ شیخ تودھس دو کوس کے فاصلے پر بکیرا گاؤں کی طرف ہے۔ مخدوم سینسرو بھی ایک زمیندار تھا مشرق کی طرف دو کوس کے فاصلے پر مدفون ہے۔ سید دین محمد اصل متعلوی جو نصرپور کا رہائشی اور اس کا بیٹا سید محمد غوث اس کا بیٹا سید قادر شاہ اور بھتیجا سید عبدالصمد مشہور بزرگ تھے۔ سید اسحاق بخاری، اس کا بیٹا محمد محسن اور سید ابن شاہ بخاری اور اس کی اولاد میں سے سید عبدالرحمان بخاری اور اس کا بھائی سید عنایت اللہ نامور تھے ان کی زیارت گاہیں ہیں ان کے علاوہ تعلقہ نصرپور میں میاں محمد عطائی اس کے داماد حاجی ہارون مشہور تھے۔ تعلقہ روہڑو گجر کوٹ کے نزدیک پوررااور سندس احمد شاہ بڑے بزرگ تھے جن کے لوگ معتقد تھے۔

بکیرا

یہ گاؤں نصرپور سے تھل تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ شیخ فاضل شاہ جو شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی اولاد میں سے تھا یہ لوگ ایک ہزار اور چند برسوں تک ادھر آباد تھے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت آمری پران (پرانی سندھ ہوندی) کے کنارے آباد تھا اور شیخ بہاؤالدین ملتانی کا ایک یادگار نشان وہاں پر تھا جس پر ان کے مرید اور فقرا آکر جمع ہوتے تھے۔ مخدوم نوح کے مریدوں نے وہ جگہ ان سے زبردستی چھین لی۔ شیخ بہاؤالدین کے مرید ان کا مقابلہ نہ کر سکے اور شیخ کے روضے پر جاکر ماجرا بیان کیا اس زمانہ میں شیخ کی اولاد سے بزرگ شیخ شہر اللہ نصرپور آکر رہنے لگے شیخ فاضل شاہ کو نرینہ اولاد نہ تھی ایک بیٹی تھی جس کی شادی شہر اللہ سے کراوی اس طرح اس کو اپنا داماد بنالیا۔ پھر آہستہ آہستہ شیخ نے وہ پہلا آمری والا مقام آباد کرلیا اور شیخ ملتان والے کے مرید پہلے کی طرح وہاں جمع ہونے لگے۔ شیخ کے دو بیٹے ہوئے ایک شاہ سراج الدین دوسرا شاہ قائم الدین۔ شاہ قائم الدین بے اولاد تھا۔ سراج الدین شاہ کا بادشاہ کے دربار میں بڑا اثر و رسوخ تھا جن دنوں میں شاہ عنایت اللہ صوفی سے جھوک میں جنگ ہورہی تھی ان دنوں میں وہ دہلی میں تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک فاضل شاہ دوسرا مہر شاہ۔ فاضل شاہ کی کوئی اولاد نہ تھی مہر شاہ کا ایک بیٹا قائم الدین شاہ ہوا جو نامور تھا۔

کاتیار

یہ شہر تعلقہ نصرپور میں تھا جو ساواتی علاقے میں تھا اس میں بہت سے بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں

(1) شیخ بھرکیہ ولد شاہو کاتیار جو مخدوم اسحاق بالائی کے بیٹوں احمد اور محمد کا ہمعصر تھا اس کا ذکر بالا کنڈی گاؤں میں کیا گیا ہے۔ اوائل عمر میں شیخ بہت ریاضت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سولہ برس کے بعد روزہ افطار کیا سردی کے دنوں میں باریک چادر اوڑھ کر دریا میں نہاتے اور اس گیلی چادر میں نماز پڑھتے تھے اور اس کے سوکھ جانے کے بعد دوبارہ اس کو تر کرتے اسی طرح ساری رات نہاتے اور نماز پڑھتے رہتے تھے۔ گرمیوں کے دنوں میں لو چلنے کے دوران ویرانے میں اور دھوپ میں رہتے تھے جس سے ان کے جسم کی جلد پیچ گئی تھی ایک مرتبہ چلہ کشی کے دوران ایک دوسرا شخص بھی شیخ کا رفیق بنا۔ شیخ کے کھانے کے لئے روٹی، گھی اور گڑ کے ساتھ لاتے تھے مگر وہ فاقہ میں رہتے تھے۔ جب ریاضت کے چالیس دن پورے ہوئے تب بعض لوگوں نے شیخ پر طنز کیا لیکن چلہ پورا ہونے پر چالیس روٹیاں سالم ملیں جو شیخ نے نہیں کھائیں۔ ایک آدمی شیخ کے پاس آیا اور کہا کہ میری بیوی گم ہو گئی ہے پتا نہیں کہ زندہ ہے یا مر گئی ہے بچے رو رہے ہیں۔ شیخ کے حکم کے مطابق اس کا خادم باہر نکل کر چلنے لگا ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ زمین کے اوپر سے سیڑھی کے ذریعے نیچے اندر جا رہا تھا آخر زمین کے اس پار جا نکلا اور زمین کو اپنے سر پر پایا وہاں پر ایک بڑی مجلس دیکھی اور ان سے وہ عورت طلب کی جواب ملا کہ اس نے نذر پوری نہیں کی اس لئے قید ہے خادم اسی راستے سے واپس آیا اور شیخ کو ماجرا سنایا۔ شیخ کو غصہ آیا اور اس عورت کے خاوند کو ساتھ لے کر اسی راستے سے مجلس میں آیا اور اس کی بیوی طلب کی کوئی جواب نہ ملا اس پر شوہر کو کہا کہ زبردستی اپنی بیوی کو لے چل اس نے ایسا کیا اس طرح بیوی دلا کر شیخ واپس لوٹا۔ اس مجلس کے بزرگ کو جب یہ بات بتائی گئی تو اس نے کہا کہ یہ شیخ مجذوب ہے اور خدا کی محبت میں مست ہے اس نے جو کچھ کیا اس کو مباح ہے۔ یہ قصہ شاہ عبدالکریم بلڑی والے کی کتاب "بیان العارفین" اور "تنبیہ الغافلین" میں لکھا ہے اور وہ بزرگ پیر دستگیر تھا۔ شیخ بھرکیا کو کہا گیا کہ ادھر کے اکثر لوگ شیخ بہاؤالدین ملتانی کے مرید ہیں تم ان کے مرید کیوں نہیں ہوئے۔ اسی وقت دودھ کے ایک کٹورے کے ساتھ جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھا زمین میں غوطہ لگا کر ملتان جا پہنچا اس وقت کا سجادہ نشین اپنی بیگم کے ساتھ گھر کے ایک کمرے میں

بیٹھا تھا۔ شیخ بھر کیا نے دودھ کا کٹورا ان کے سامنے رکھا اور خود ادب سے منہ پھیر کر دوسری طرف کھڑا ہو گیا اور سجادہ نشین سے ہاتھ ملا کر پھر غوطہ لگا کر اپنی جگہ واپس آ گیا اور بتایا کہ میں ابھی جا کر اس درگاہ کا مرید ہو کر آیا ہوں۔ ایک دن شیخ نے کہا کہ میں الٰہی نور کے نظارہ میں محو تھا کہ غیب سے آواز آئی کہ اے بھر کیا غلام بنو گے میں نے جواب دیا کہ نہیں پھر آواز آئی خادم بنو گے میں نے پھر بھی کہا کہ نہیں تب تیسری مرتبہ آواز آئی کہ غلام بھی نہیں بنو گے خادم بھی نہیں بنو گے آخر کیا بنو گے میں نے جواب دیا میں کچھ بھی نہیں ہوں اور کچھ بھی بننا نہیں چاہتا۔ اس جواب کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا اور مجھ کو معرفت عطا کی۔

(2) میرن کا تیار: اوائلی دنوں میں بھنگ پی کر کشتی میں سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا کہ الٰہی جذبہ کے تحت بیہوش ہو گیا اور صاحب کرامت بن گیا اور یہ راز مخفی رکھا ایک دن کسی کو یہ راز بتایا تو یہ حالت ختم ہو گئی اور پاگل بن گیا اور جنگل میں گھومتا رہتا تھا اور دوسرے دیوانوں اور جوگیوں کی طلب میں رہتا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر سید عبدالکریم بلڑی والا اس کو مخدوم نوح ہالا والے کے پاس لے آیا ان کو دیکھ کر اس کو پہلے سے بھی زیادہ فیض ملا اس قدر کہ ذکر کرتے وقت بیہوش ہو جاتا تھا گویا مر گیا ہے اس پر یاسین بھی پڑھتے تھے لیکن پھر دیر کے بعد ہوش میں آتا تھا۔

(3) عبدالحمید قادری کا تیاروں کے گاؤں کے سامنے سوچر کے گاؤں میں رہتا تھا اپنے وقت کا کامل درویش اور صاحب کرامت تھا اس کا بیٹا میاں محمد شریف بھی اپنے باپ کی طرح کامل تھا رات دن ذکر میں مشغول رہتا مریدوں کی بڑی جماعت ان کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔

(4) شیخ وہانہ راج سپری میں ہوتا تھا۔ آدھیا قوم سے تھا اس کے اکثر مرید اسی قوم سے تھے اس کی اولاد سے اب تک قاضی ملا اور پیرزادے ہوتے آئے ہیں اور مرید کرتے آئے ہیں۔

(5) خسرو بن محمود۔ اصل غزنوی بادشاہوں کی نسل سے تھا ادھیجوں کے راج میں رہتا تھا۔ وہ خود اور اس کے وزیر صاحب کرامت تھے۔ اس کے مقبرے کے گرد جنگل سے کسی کو بھی ایک لکڑی تک لے جانے کی جرات نہ تھی۔ میر امیر الدین خان نے اپنی کتاب ''معلوم الآفاق'' میں لکھا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر کے آخری دنوں میں اس ساوانی علاقے میں پہلے اکثر برہمن اور چاچک رہتے تھے ایک چاچک عورت کا چھ مہینے کا ناپختہ حمل جو گوشت کا ایک لوتھڑا تھا اور اس کے اعضاء ابھی تک پیدا نہیں ہوئے تھے ساقط ہو گیا۔ والدین نے کسی گرم جگہ پر حفاظت سے چھپا کر رکھا۔ اس

جگہ پر درجہ بہ درجہ اس کے اعضا آنکھیں، کان، ناک، زبان اور ہاتھ پاؤں پیدا ہوتے رہے تو دس ماہ کے بعد پورا بچہ بن گیا اور ماں کا دودھ پینے لگا اس کے والدین نے اس کو عمر کوٹ میں لا کر پال پوس کر بڑا کیا اور وہ پندرہ برس تک زندہ رہا۔

کھیبرہ

اس گاؤں میں رہنے والا چرواہا نوح کھیبرائی ایک مشہور درویش تھا۔ وہ مویشی چراتا تھا اور صاحب کرامت تھا کتاب "حدیقۃ الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے کہ جام جونا کی حکومت میں یہ درویش کھیبروں کو کہتا تھا کہ تین دن سے منادی ہو رہی ہے کہ جام تماچی ابھی آیا ہے آخر درویش کے تصرف سے جام تماچی دہلی سے آگیا۔

سانگرہ

سانگرہ میں قدیم دریا کے کنارے بہت سے بزرگ رہتے تھے جن سے چند یہ ہیں۔

(1) شیخ موسیٰ آہیدائی:۔ یہ اصل ہندوستان کا رہنے والا تھا سلطان علاؤالدین کے زمانہ میں سندھ میں آیا تھا ایک مرتبہ ایک سوداگر قافلے سے بچھڑ گیا تھا اس کے ساتھ ایک لدا ہوا اونٹ تھا جس کا پاؤں پھسل گیا اور ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی کوئی گاؤں بھی قریب نہ تھا حیران ہوا کہ کیا کرے دور سے شیخ موسیٰ کا مقبرہ دیکھ کر اس سے دعا مانگی رات جیسے تیسے وہاں گذاری صبح کو دیکھا کہ اونٹ صحیح سالم کھڑا تھا اس پر بوجھ ڈال کر روانہ ہوا جب اپنے گاؤں پہنچا تو وہ اونٹ بیمار ہو گیا اس لیے اس کو ذبح کر کے قربانی کی کھال اتارنے کے بعد دیکھا کہ ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی مگر کسی نے کیل لگا کر جوڑ دیا تھا۔

(2) درویش وبیا چانیا بڑے اولیاء میں سے ایک تھا اس کا سال وفات "مات فی عشق" ہے یعنی سنہ 1001 ہجری اور فارسی میں "در عشق جان سپرد"۔

(3) درویش آکا۔ یہ درویش، عارف باللہ اور مجذوب تھا۔ یہ اصل میں ہند کا تھا بعد میں سندھ آیا یہ کسی سے بات نہ کرتا تھا اگر کچھ بولتا تھا تو وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ جنگل میں گھومتا اور لکڑیوں کے گٹھے کاندھوں پر اٹھا کر لوگوں کو لا کر دیتا تھا کشف اور کرامت کا صاحب تھا بہت سے لوگوں کی مرادیں پوری کیں۔

(4)درویش پلی سیجا۔ شیخ ہو تمی لاکھا کے دوستوں میں سے تھا بہت مزاحیہ آدمی تھا۔ ایک دن دریا کے کنارے مچھلی پھنسانے کی کنڈی ڈال کر بیٹھا تھا کافی دیر کے بعد جب مچھلی نہ پھنسی تو بیزار ہو کر کہا اے خدا یا دے یا لے اچانک دریا کا کنارہ جس پر وہ بیٹھا تھا الگ ہو کر گر گیا تب اس جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ "خدا کو بھی دینا مشکل لگتا ہے لینا آسان"۔

(5)درویش لدھا درویش دھیا کے مرید تھے کشف اور کرامت کا صاحب تھے۔ مولانا عباس، مخدوم آدم ٹھیبا درویش چھتا اور شیخ صدو لوہریا بھی درویش دھیا کے کامل مرید تھے۔

منطلوی (ٹھیاری)

یہ سیدوں کا مشہور شہر تھا ان میں سے مشہور یہ تھے۔

(1)سید حیدر بڑے ولی تھے کثیر اولاد تھی جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔

(2)سید عبدالکریم بلڑی والا بھی ان سیدوں میں سے تھے ان کا ذکر بلڑی میں آئے گا مگر ان کے بیٹے للو ادھر رہتے تھے اور سید رکن الدین بھی انہی سیدوں میں سے تھے وہ کہتے تھے کہ تیروں سے تیر دان بھرا ہوا ہے اور تیر چلا رہا ہوں کسی کو کان میں لگتا ہے کسی کو دوسری طرف کسی کو سیدھا چہرے پر نہیں لگتا ورنہ کوئی گر جاتا۔ جس کو سیدھا لگے گا وہ ایسا گرے گا کہ دوبارہ کھڑا نہ ہو سکے گا۔

(3)سید عالی بھی وہاں کے سیدوں کے چاروں قبیلوں میں سے ایک تھے۔ سید لال ان کے بیٹے تھے دونوں بڑے بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ہمشیرہ کو دل میں خیال آیا کہ ہم کو کس طرح معلوم ہو کہ ہم صحیح النسب سید ہیں رات کو حضور ﷺ کی زیارت ان کو نصیب ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ کل تم کو تمہارے نسب کی سند مل جائے گی۔ صبح کو اتفاقاً میاں عبدالباقی واعظ جو ٹھٹھ کے بزرگ میاں عبدالقاسم نقشبندی کا مرید تھا اور وعظ کرتے تھے ادھر نکلے مسواک اور درود حاضری لے آئے اور کہا کہ آپ کے دادا نے یہ نشانیاں آپ کیلئے دی ہیں تاکہ آپ کو صحیح النسب ہونے کا ثبوت ملے۔ میاں نور محمد کلہوڑا نے اس سید کو منت سماجت سے اپنے پاس بلایا اور نادر شاہ کی آمد اور دوسرے مسائل سے متعلق معلومات حاصل کیں ان کے علاوہ سید شمیر اور میاں ابوالبقا طالب علم مشہور تھے۔

مہار

اس گاؤں میں بھی دو تین بزرگ گزرے ہیں۔

(1)درویش حسین اصل میں رنگ ریز تھے لیکن حال اور قال والے تھے سید عبدالکریم بلڑی والے کے ہمعصر تھے۔

(2)درویش بھنا سہاریہ بھی ایک کامل شخص تھے۔ ایک دن ان کو ایک مرید سفارش کیلئے کسی حاکم کے پاس لے گیا وہ حاکم ظالم تھا اس کو جب یہ پتہ لگا تو اپنے دربان کو کہہ دیا کہ جب یہ شخص آئے تو اس کو اتنا مارنا کہ دوبارہ آنے کی جرات نہ کرسکے۔ اس کے کہنے کے مطابق جب درویش ادھر آئے تو دربان نے نکال باہر کیا ابھی تھوڑا ہی دور گیا تھا کہ کئی دوسروں نے آکر گھیر لیا جن پر کوئی الزام لگا ہوا تھا اور جرمانہ ہونے والا تھا خدا کا واسطہ دے کر ان کو سفارش کیلئے حاکم کے پاس لے جانا چاہا ان کی منت پر وہ دوبارہ حاکم کے پاس گئے دربان نے سارا حال حاکم کو بتایا حاکم سمجھ گیا کہ یہ درویش حال اور قال کا صاحب ہے ایک عام آدمی نہیں ہے اس لئے درویش کو بلا کر ان سے معافی مانگی اور دونوں سفارش قبول کیں۔ یہ درویش سید عبدالکریم کی وفات سے پہلے کے ہیں۔

نیرون کوٹ (حیدرآباد)

ہندو راجاؤں کے دور میں ایک حاکم نیرون سن نامی تھا۔ دوسرے قدیم شہروں کی طرح ادھر بھی ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جس طرح دوسرے شہروں میں کافر کوٹ ہوا کرتے تھے جب محمد بن قاسم آئے تو قلعے کے باسیوں نے دروازہ کھول دیا اور اس صلہ میں ان کو معافی ملی۔ نیرون کوٹ دریا کے کنارے پر تھا۔ اس وقت دریا مشرق کی طرف سے بہتا تھا سنہ 1182 ہجری میں میاں غلام شاہ نے اس جگہ نیا قلعہ تعمیر کرایا تھا جو اب تک موجود ہے پہلے اس جگہ چھوٹا سا گاؤں تھا بعد میں بڑھ کر بڑا شہر بن گیا۔ کئی صدیاں پہلے یہاں پر جو لوگ دفن کیے گئے تھے ان سب کو نکال کر دوسرے قبرستانوں میں دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ان کی لاشیں صحیح سالم نکلیں ان میں سے ایک مرد اور عورت کی لاش نکلی جو بالکل تازہ تھی اگرچہ ان کی قبریں پرانی تھیں۔ دونوں کی لاشیں اکٹھی دفن کی گئی تھیں گمان غالب ہے کہ وہ دونوں عاشق معشوق تھے۔ نئے تعمیر شدہ شہر کا نام حیدرآباد رکھا گیا بعد میں وہ سندھ کا پایہ تخت بنا۔ قرب وجوار کی پہاڑیوں پر اب تک بہت سے بزرگوں کے مزار ہیں جن میں ایک شیخ محمد مکائی کا ہے جن کا مقبرہ شہر کے مغرب کی طرف مٹی کے قلعے کے اندر ہے جو میاں غلام شاہ نے بڑے قلعے کی حفاظت کیلئے بنوایا تھا۔ یہ شیخ عربوں کی فتح کے بعد وہاں حاکم بنا کے رکھے گئے تھے۔

اور بڑے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شہر کے جنوب میں گنجو ٹکر نامی ایک پہاڑی ہے جس میں بہت سے نامور لوگ دفن کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(1) سب سے پہلے شیخ بھریا ہے جو اصل میں ہندو برھمن تھے ویرداس نام تھا مجذوب موحد سالک تھا بڑے وجد والے تھے اکثر جنگل اور ویرانے میں گھومتے رہتے تھے کسی سے بات نہیں کرتے تھے لوگ اس کی زیارت کیلئے آتے تھے ان کے دل کی بات معلوم کرکے ہر ایک کو اس کے مطلب کا جواب دیتے تھے۔ کتاب "حدیقۃ الاولیاء" کا مصنف لکھتا ہے کہ میں اس درویش کی خدمت میں حاضر ہوا سندھی زبان کی ایک بیت پڑھ رہے تھے میں سوچنے لگا کہ یہ نظم پتا نہیں ان کی ہے یا کسی اور شاعر کی۔ فقیر نے فوراً جواب دیا کہ یہ اسحاق لوہار کی ہے اس وقت بہت سی دوسری باتیں دل میں آئیں ان کا صحیح صحیح جواب ملا۔ ایک مشہور قصہ ہے کہ ایک شخص ان سے ملنے بہت دور سے آیا تھا اس کو بڑی بھوک لگی تھی فقیر نے اس کا حال جان کر کہا کہ بیٹا اس تھوہر کی جھاڑی میں ہنڈیا رکھی ہے وہ لے آؤ، وہ لے آیا پھر کہا اس میں پانی ڈال کر آگ پر چڑھاؤ اور پھر ہاتھ سے کنکریاں بھر کر اس میں ڈال کر ڈھکن رکھ دیا کچھ دیر بعد چاول تیار ہو گئے ایک طرف سے ایک ہرنی آئی جس کا دودھ دوھ کر اس آدمی کو پینے کیلئے دے دیا۔ سنہ 903 ہجری میں وفات پائی گنجو ٹکر (پہاڑ) کے دامن میں ان کا مقبرا ہے۔

(2) درویش بدین ولد راہو۔ یہ بھی بڑے بزرگوں میں سے تھا اس کی بڑی تعداد میں اولاد تھی جو سب خوش حال تھے اگرچہ بظاہر ہر کوئی کھیتی باڑی کرتے تھے پھر بھی خوش گزارتے تھے کیونکہ ان پیر نے ان کو دعا کی تھی ان کا بیٹا سولے ڈنہ اس کا جانشین بنا۔

(3) نہال شاہ مداری۔ یہ بھی آخری بزرگوں میں سے تھے اور کامل ولی گذرے ہیں۔

(4) شہر کے نزدیک نانا ہیوں کے گاؤں میں ایک درویش بادہ ہیں جو مخدوم نوح کے مرید تھے کہتے ہیں کہ جب پہلے پہل آکر مخدوم کے پاس مرید بننا چاہا تو مخدوم نے ان کو کلمہ پڑھایا کلمہ پڑھتے ہی وہ زمین پر مچھلی کی طرح تڑپنے لگے اور بیہوش ہو گئے اور مردے کی طرح سوکھ گئے اس کو حجرے میں لے گئے تین دن تک اس حالت میں رہے پھر اٹھے اس کے بعد کامل ولی بن گئے۔ سید فتح علی خان کے بعد جتنے بھی تالپر حکمران گزرے ہیں یا کلہوڑا حکمرانوں کے مقبرے حیدرآباد کے شمال میں ہیں۔

رکن پور

اس گاؤں پر شیخ رکن الدین ملتانی کا نام رکھا گیا ہے جس کا قم کرملتان میں کیا گیا ہے اس جگہ کا بڑا ولی شیخ ریحان جنگلی ہیں جو ذات کا سومرو تھے۔ شیخ رکن الدین ان کا مرید ہونے آیا اور وہاں کا ہو گیا اور یہ گاؤں آباد کیا۔ شیخ کے اصل نام ریحان چنیسر تھا۔ کہتے ہیں کہ پہلے جب شیخ رکن الدین اور قلندر شہباز ایک ساتھ یہاں سے گزرے تھے تو شیخ کو کہا کہ ہمیں روٹی دودھ اور شہد کھلاؤ ایک دم ایک قدرتی چکی پیدا ہو گئی جس کے پتھر کا نچلا پاٹ اب تک موجود ہے اور کنڈی کے درخت سے شہد اتاری گئی۔ وہ درخت بھی ابھی تک موجود ہے۔ اس جگہ پر ہر قمری مہینے کی چودھویں رات کو میلا لگتا ہے۔ شیخ قطب الدین کا بھائی شیخ دودا بھی وہاں دفن ہے جو شہید ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی فاتحہ خوانی کیلئے قلندر شہباز بھی وہاں آئے تھے اور جس درخت پر ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے وہ اب بھی کھڑا ہے۔ اس کے جانشینوں میں شیخ عطیت اور شیخ کریم ڈنا تھے۔ شیخ ریحان کے پوتوں سے شیخ ابراہیم نامور تھے۔ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ شیخ علی شیرازی کو دیکھنے کیلئے ٹھٹو گئے۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی جب بغلگیر ہو کر ملے تھے تو شیخ نے اس سے کہا کہ تم بھی تسبیح ہاتھ میں لیتے ہو جواب دیا کہ ناتواں گھوڑی کو چابک لگانا ضروری ہے تازی کو چابک لگانا ضروری نہیں۔ ان اوپر بیان کردہ شیخ کی اولاد سے شیخ یکن بھی مشہور ہوا جو تعلقہ ہالا میں دفن ہے اور زیارت گاہ عام ہے۔

دھونرا ہنگورا

یہ متعلوی سیدوں کا گاؤں ہے جن سے سید ہارون مشہور تھے۔ وہ حقیقی شعر بھی کہتے تھے۔ دوسرا سید یزدان بھی سخی مرد گذرے ہیں۔ سید المیار اور سید محمد بھی مشہور زمیندار تھے ان کے علاوہ درویش ذکریا تھیم بھی نامور درویش تھے اور درویش ابراہیم ولد ناکو در تھیا کے ہمعصر وں میں سے ایک تھے جن کا بیان اوپر کیا گیا ہے۔

رانڈن

یہ لنڈ قوم کا گاؤں ہے اوھر درویش راجہ مجذوب واصل باللہ رہتے تھے جو ہمیشہ ننگے سر گھومتے رہتے تھے کسی ایک جگہ نہ ٹکتے تھے زبان سے جو کہتے تھے وہ پورا ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جو کچھ کہنا ہوتا وہ سندھی بیتوں میں کہتے تھے اور میٹھی آواز سے گا کر کہتے تھے اور جو کہتے تھے وہ پورا ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ کچھ کی طرف بھینسوں کے باڑے پر آپہنچا مرد وہاں موجود نہ تھے صرف عورتیں ہی تھیں ان کو کہا کہ مجھے کچھ دودھ یا چھاچھ پلاؤ عورتیں اس سے بے ادبی سے پیش آئیں بہت جوش میں آیا اور ایک نعرہ لگا کر ایک طرف چل دیا۔ جتنی بھی بھینس اور بچھڑے بندھے ہوئے تھے سب گم ہو گئے پتا نہ چلا کہ کہاں گئے ایک برس کے بعد فقیر اتفاق سے اس جگہ آیا لوگوں نے اس کو پہچان لیا آکر پاؤں میں گر گئے اور منت سماجت کی جب راضی ہوا تو ان سے کہا کہ خود بخود آجائینگی شام کو ہی بھینسیں اور بچھڑے چرواہے سب آپہنچے۔ چرواہے سے پوچھا کہ اتنے مہینے کہاں تھے اس نے کہا کہ میں صبح کو حسب دستور بھینسیں چرانے کیلئے نکلا تھا اور شام کو آیا ہوں دوسری کسی جگہ نہیں گیا۔ ڈنڈی میں شیخ مومن، شیخ کپور اور شیخ نظام الدین مشہور تھے آخری دو شہید ہیں اور خواجہ لوگ ان کے معتقد ہیں اس جگہ میلا لگاتے ہیں۔

نورائی

یہ مشہور گاؤں ہے اس میں مندرجہ ذیل بزرگ ہیں۔

(1) شیخ اسماعیل قادری اس جگہ میلا لگتا ہے اس کے پوتوں میں شیخ محمد صلاح سجادہ نشین بنا۔

(2) مخدوم عمر، اسحاق فقیر اور علی اصغر جو پیران پیر کی اولاد سے تھے یہ سب مشہور بزرگ اور درویش کامل تھے۔

ستیار

یہ پرگنہ پہلے مشہور تھا اس میں شیخ لہودی پیران پیر کی اولاد میں سے مشہور گذرے ہیں۔

(2) مخدوم یعقوب بلیجو نار کے گاؤں میں رہنے والے زمانہ کا عارف تھا کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سوالی ان کے پاس آیا اور دودھ پینے کیلئے ایک بھینس کا سوال کیا مخدوم نے کہا کہ فلاں جگہ میرے غلام کے پاس جا کر اس سے ایک بھینس لے جا اس نے غلام کو پیغام دیا اور ایک بھینس لی جو روزانہ چھ کاسے (ایک کاسہ برابر 15 کلو) دودھ دیتی تھی۔ مخدوم نے جب سنا کہ غلام نے اس کی اجازت کے بغیر ایک عمدہ بھینس اس کو دے دی ہے تب اس کو آزاد کر دیا اور اس کی تعریف اپنی بیوی سے بھی کی جس نے سن کر کہا کہ ایسا اچھا کام کرنے پر میرا بھی تم پر جو حق ہے وہ بطور شکریہ میں نے

تم کو بخش دیا۔ ایک مرتبہ مخدوم اپنے مونگ کے کھیت میں گئے ان کے ساتھ بہت سارے لوگ تھے کوئی دیگچا وغیرہ موجود نہ تھا ایک ٹھکیر کی ہانڈی ملی اور اس میں بھی سوراخ تھا ان کے کہنے کے مطابق سوراخ والا حصہ اوپر کر کے آگ پر چڑھایا گیا تاکہ پانی نہ بہے مگر اس نے کہا کہ سیدھا رکھو تاکہ کھانا زیادہ پکے اس کو سیدھا رکھا گیا خدا کی قدرت سے اس کا سوراخ بند ہو گیا اور اتنے چاول پکے کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ اب ہر ایک کدال سے اس ٹھکیری کی ہانڈی کو توڑے ۔سب نے کوشش کی مگر ہانڈی پر کچھ اثر نہ ہوا جیسے تانبے یا لوہے کی ہو۔ اس بزرگ کی ایک اور بات مشہور ہے ایک دفعہ ایک بچے نے اپنی بیٹی کی شادی کیلئے ایک خرار دھان ادھار لی اور کسی سے ایک بیل مانگ کر اس پر لاد کر لا رہا تھا راستے میں پانی سے گزر رہا تھا کہ بیل بوجھ سمیت پانی میں گر کر ڈوب گیا۔ اتفاق سے مخدوم وہاں سے گزر رہے تھے بچے کو روتا دیکھ کر اس پر ترس آ گیا اس کو کہا کہ اس جگہ سے پانی میں غوطہ لگا اور آنکھیں کھول وہاں پر کسی رئیس کو بیٹھا ہوا دیکھے تو اس کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ تم کو اپنا بیل بوجھ سمیت واپس کرے اس نے ایسا کیا غوطہ لگاتے ہی خشکی پر پہنچا آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی ایک آدمی مسند پر بیٹھا تھا اس کو مخدوم کا سلام کہا اور پیغام بھی دیا یہ سن کر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میں نے تم کو ابھی کہا تھا نہ کہ مخدوم یعقوب کی طرف سے کوئی آدمی بیل اور دھان کی تلاش میں آ رہا ہے پھر وہ بیل بوجھ سمیت اس کے حوالے کیا جو اپنے گاؤں لے کر گیا۔ یہ مخدوم میرزا شاہ حسن ارغون کے زمانہ میں رہتا تھا۔

اگھم کوٹ

یہ شہر اگھم لوہانہ نے آباد کیا تھا جس کا ذکر سندھ کی تاریخ میں راجاؤں کے احوال میں دیا گیا ہے۔ شہر میں بہت سے اولیاء گزرے ہیں۔

(1) مخدوم اسماعیل سومرو۔ انہوں نے ساری عمر ضعیفی تک ریاضت میں گزاری مہمانوں، مسافروں اور طالب علموں کو عمدہ طعام کھلاتے تھے اور خود جو کی روٹی کھاتے تھے ان کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔ مخدوم سدھو اور مخدوم عثمان ان کے مشہور مرید تھے۔

(2) درویش داؤد اور میاں اہوں دونوں ہمعصر تھے ان دونوں کے مدرسوں میں قریباً پانچ سو آدمی قرآن اور علم الحدیث پڑھتے تھے اور وہ ان کو خوراک اور پوشاک مہیا کرتے تھے۔ اس

کارِ خیر کی وجہ سے مرزا محمد باقی نے ان کی زمینوں اور فصلوں کی لگان معاف کردی اس کے باوجود بھی وہ خود فقر اور فاقے میں رہتے تھے اور جو کی روٹی پر گزارا کرتے تھے۔

(3) شیخ نورالدین۔ اصل سیوستان یا سیوہن کے رہنے والے تھے۔ ان کی وصیت تھی کہ میں مر جاؤں تو اسی جگہ پر مجھے دفن کرنا۔ جلد ہی سیوہن کے قریب انہوں نے وفات پائی ان کا جنازہ خود بخود چل پڑا اور ان کے ہم کناں بھی اس کے ساتھ تھے اگم کوٹ کے قریب آکر رکے یہ جگہ انہوں نے زندگی میں پسند کی تھی ادھر ہی ان کو دفن کیا گیا۔

(4) درویش سلیمان۔ ان کی چار بیویاں تھیں جن میں سے ایک کے ساتھ بہت محبت تھی مگر وہ شوخ طبع اور نافرمان تھی۔ ایک مرتبہ بزرگ نے غصے سے اس کو اندھی کہا تو وہ اندھی ہو گئی۔ پھر ان کو بہت ترس آیا اور دعا کی تو وہ بینا ہو گئی۔ الغرض زبان سے جو کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا۔

(5) درویش عمر بودلا۔ مجذوب واصل باللہ تھے۔ ابتدا میں لوگوں سے دور بھاگتے تھے جنگل، بیابان اور پہاڑوں میں وقت گزارتے تھے آخر میں آکر اگم کوٹ میں بسیرا کیا لوگ ان کے پاس فیض حاصل کرنے آتے تھے۔ درویش دہیا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ بھی ان کی صحبت میں رہتے تھے اور ان کے معتقد تھے۔

(6) حمزہ بن بیار، خلیفہ محمد شریف اور سید یونس اصل متلوی ان کے بیٹے سید عبداللہ اور سید فقیر بھی اس وقت کے بزرگ تھے۔

جون

یہ چاچکود کے علاقے کا مشہور شہر تھا۔ اس علاقے کو پہلے سرکار چاچکان کہتے تھے۔ اس کے شہر اور گردونواح کے گاؤں میں بڑے بڑے بزرگ گزرے ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔

(1) درویش حاجی سومرو اس نے مخدوم نوح، اسماعیل چاچک، سید رکن الدین اور سید عبدالکریم سے فیض حاصل کیا اور اس کے بہت سے مرید تھے۔

(2) درویش موسیٰ بھی سندھ کے مشہور ولی تھے۔ درویش بہاؤالدین گوڑیا بھی پہلے اس فقیر کے مرید تھے بعد میں مخدوم نوح سے فیض حاصل کیا۔

(3) سید حمید۔ سید محمد مکی کی اولاد سے تھا جن کا ذکر بکھر میں آگیا ہے۔ بکھر اور لوہری میں اپنے رشتے دار چھوڑ کر ادھر آکر رہے۔ ان کی اولاد سے سید محمد علی اور سید محمد باقر ہجرت کرکے ٹھٹھہ رہے وہاں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

(4) مخدوم نور تنگ بجون تعلقہ کے دریاہ گاؤں میں مشہور مشائخ تھا۔ ان کے بیٹے مخدوم عبدالحمید اور ان کے بیٹے مخدوم اسحاق بھی عالم عارف اور متقی تھے۔ ان کا پوتا مخدوم رحمت اللہ تھا جس کا ذکر ٹھٹھہ میں آئے گا۔

(5) مخدوم الیاس۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے پوتوں میں سے تھے جو اتفاقا سندھ میں آنکلا ان کے بیٹے مخدوم ہارون ٹھٹہ میں جا کر رہے اور ان کے بیٹے مخدوم ضیاء الدین تھے جو ٹھٹہ آتے تھے۔

بدین

یہ قدیم مشہور شہر ہے کہا جاتا ہے کہ یہ شہر اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ایک ہندو ساوِلی نامی نے بسایا تھا جو تیس برس بعد مدد خان پٹھان نے اور بھی کئی شہروں کے ساتھ ویران کیا تھا۔ دو شکستہ مسجدوں کے پتھروں پر سنہ 632 اور 987 ہجری لکھا ہوا ملا ہے اس شہر میں بہت سارے بزرگ رہتے تھے۔

(1) درویش بھنبھیا نار بجو، حافظ داؤد، شاہ نور اور شاہ قادری بڑی درگاہوں والے بزرگ تھے شاہ قادری جس کا نام شہاب الدین تھا اس کی اولاد سے سید عارف شاہ اس کے بعد سید بہار شاہ پھر سید ولی ڈنہ سجادہ نشین بنا یہاں پر ہر سال میلا لگتا ہے۔

(2) مخدوم تقاچی کی درگاہ مغرب کی طرف ہے اس کے معتقدین میں سے مخدوم صالح تھے جو اس کے قریبی رشتے دار بھی تھے اوھر دفن شدہ ہیں ان کے بیٹے مخدوم یوسف اس کا بیٹا مخدوم عثمان ان کے بیٹے مخدوم میاں اسد اللہ بدین میں رہا اور وہاں کا مفتی بنا اس کا دوسرا بھائی مخدوم عبدالرحیم کا بیان ٹھٹہ میں آئے گا۔ مخدوم حاجی بھی مشہور تھے اور صاحب درگاہ تھے۔

(3) سید میر کی درگاہ شہر کے جنوب میں واقع ہے ان کے بیٹے سید عبداللہ، اور ان کے بیٹے سید محمد زمان سجادہ نشین بنے اور ان کے مریدوں اور معتقدوں کی بڑی تعداد تھی۔

(4) قاضی عبدالملک۔ بڑے صاحب علم اور عمل والے بزرگ تھے۔ ان کے پوتا قاضی امان اللہ اور اس کے بعد قاضی کرم اللہ مشہور تھے۔

(5) میر سلطان شاہ۔ خواجہ خلیل خان نواب ٹھٹھہ کا بھانجا تھا جب وہ معزول ہوا تب اس کا یہ بھانجا ٹھٹھہ آیا اور اپنے ماموں کی جاگیر قبضہ میں کی بعد میں میاں ابوالقاسم نقشبندی کا مرید بنا اور بدین کے گردونواح میں رہنے لگا۔ براسہ کا گاؤں اس نے آباد کیا تھا۔ بزرگی اور کرامت والا تھا۔

(6) ملا قیصر۔ جس کا نام عبداللطیف تھا وہ عالم، فاضل اور شاعر تھا۔ ہر چھ ماہ میں دو چٹائیاں عالمگیر بادشاہ کیلئے تحفہ لے جاتا تھا اور مناسب انعام پاتا تھا آخری ایام میں بادشاہ نے ماہانہ یا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور خوشحال زندگی گزارنے لگا۔

(7) شیخ اسماعیل قریشی۔ شیخ بہاؤالدین ملتانی کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ ابن شاہ جس کا ذکر بعد میں آئے گا وہ ان کی اولاد سے تھا۔ اس کا بیٹا شیخ عالم شاہ اس کا جانشین بنا۔

(8) میاں محمد زمان ایک مشائخ تھا اور میاں عبدالقاسم نقشبندی اور میاں محمد نقشبندی ٹھٹوی کا معتقد تھا اور نقشبندی طریقہ پر کاربند رہا بعد میں لونہاری کے گاؤں میں آکر رہا بہت سے لوگوں نے اس سے فیض حاصل کیا۔ میاں محمد کا ایک نامور بیٹا میاں محمد زمان تھا جس کے پانچ بیٹے تھے ان میں سے محمد زمان ثانی سجادہ نشین بنا اور سنہ 1247 ہجری میں صفر کے مہینے میں وفات پائی۔

چاچک

بدین کے تعلقہ جون میں ایک گاؤں تھا وہاں کی حکومت کو سرکار چاچکان کہتے تھے وہاں پر شیخ موسیٰ ولد شیخ مغل مشہور تھا۔ یہ بڑا سخی، مہمان نواز اور پرہیزگار شخص تھا۔ اس کا مزار بڑی زیارتگاہ تھی۔

وَنگ

یہ علاقے سرکار چاچکان سے الگ علیحدہ تھا اس میں بھی بہت سارے بزرگ پیدا ہوئے ان میں مشہور درویش چوکس تھا ننہ سرکی کا بیٹا تھا بڑا سالک اور دیندار تھا۔ بہت سے درویش اس کی صحبت میں رہے۔ ایک دن مخدوم بلاول کے پاس گیا اور پوچھا کہ فرض کے ادب کا مرتبہ زیادہ ہے یا رعایت کا؟ اس نے کہا کہ فرض کے ادب کا۔ یہ جواب درویش کی رائے کے مطابق نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد مخدوم کے دل سے وہ سب علم مٹ گیا جو اس نے پڑھا تھا۔ جب درویش چوکس سے جا کر معافی اور دعا مانگی تب حقیقت سمجھ میں آئی اور علم کی امانت واپس ملی۔ ایک دن کسی آدمی کا بیل گم ہو درویش چوکس سے دعا مانگی اس کی دعا سے بیل خود بخود واپس آگیا۔

ڈلہار

اس گاؤں کے بزرگوں میں سے بڑا درویش صدرو ولد کیورا ٹھا تھا یہ بڑا ولی تھا اس کے جسم کے کسی بھی حصے پر بال نہیں تھے۔ اکیلا تھا ہر وقت سیر سفر میں رہتا تھا ایک مرتبہ ملتان کی

طرف گیا شام کا وقت تھا راوی ندی کے پار جانا تھا کشتی بان کو پار چلنے کو کہا اس نے کہا کہ اب دیر ہو گئی ہے فقیر کو غصہ آگیا اور خادم سے کہا کہ دریا میں لوٹا ڈال کر پانی سے بھر کر نکال اس نے ایسا کیا تو ارد گرد سے دریا سوکھ گیا اور کشتی خشکی پر کھڑی رہی۔ فقیر پیدل ہی نکل کر جس بزرگ کی زیارت کرنی تھی وہاں چلا گیا صبح کو شور مچ گیا کہ دریا خشک ہو گیا ہے پھر اسی شیخ کے کہنے پر دریا دوبارہ جاری ہو گیا۔ دوسری مرتبہ لسہ کا کرو ایک شیر پر سوار ہو کر درویش صدر سے ملاقات کرنے آیا اس فقیر کے پاس ایک بچھڑا تھا۔ درویش لسہ نے کہا کہ میرا شیر بھوکا ہے یہ بچھڑا بطور میزبانی اس کو دیں اس پر اس نے جواب دیا کہ اس کی ماں جنگل میں چرنے گئی ہے جب واپس آئے گی تو اس کو نہ دیکھ پریشان ہو گی۔ اس نے کہا یہ کوئی بڑی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا فی الحال شیر کی بھوک مٹانی چاہئے لیکن درویش صدر نے اس کی اجازت نہ دی اس نے کافی زور لگایا آخر درویش صدر نے اپنے خادم کو کہا کہ بچھڑا کھول کے شیر کے پاس لا اس نے ایسا کیا تو شیر بچھڑے کو دیکھ کر بھاگ گیا بچھڑا بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا مگر شیر جا کر جنگل میں چھپا اور بچھڑا واپس لوٹ آیا۔

(2) درویش صابری ولہاری ذات کا پرند مشہور صائم الدہر اور قائم اللیل ہو گزرا ہے قرآن پڑھاتا تھا شاہ عنایت اللہ کا ہمعصر تھا۔ نہایت پرہیز گار شخص تھا۔ اس کا بیٹا میاں معروف تھا اور اس کا بیٹا میاں مقبول تینوں اہل اللہ تھے ان کے مقبرے اس طرف مشہور تھے۔

کوچھو

یہ گاؤں ونگ اور ولہار تعلقہ میں داخل ہے وہاں کے یہ بزرگ مشہور ہیں۔

(1) سید ساجن سوائی۔ اصل متعلوی سید تھا مخدوم نوح کا مرید تھا۔ اپنے وقت کا مشہور بزرگ تھا اس کی کئی کرامات مشہور ہیں اس کا مقبرہ بڑی زیارتگاہ ہے ہر سال میلا لگتا ہے۔ اس کا پوتا سید بچے لدھا شاہ تو ایسا تھا کہ پرندے اور جانور بھی اس سے نہ ڈرتے تھے شیر اور بھیڑیئے اس کے مجاور ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن دریا کے کنارے جا رہا تھا کہ مینڈک اس کو دیکھ کر ڈر کے بھاگے اس نے سمجھا کہ ابھی تک مجھ میں غیر ہے جو انہوں نے دیکھا ہے ورنہ ایسے نہ بھاگتے پھر کنارے پر بیٹھ کر ذکر و بندگی کرنے لگا اور ریاضت کرنے لگا ایک دن اور ایک رات وہاں گزاری جب تک مینڈک اس سے مانوس ہو گئے پھر چلا گیا اس کے دادا کی قبر نصف میل کے فاصلے پر تھی صبح کو اٹھ کر وہاں جاتا تھا تو شام کو پہنچتا تھا۔ اتنی دیر کا سبب یہ تھا کہ راستے میں جو بھی ڈھیلے پتھر وغیرہ دیکھتا تھا تو اس کو ہٹاتا تھا یا کوئی گھاس یا

پود دیکھتا تھا تو حیرت میں پڑ جاتا تھا اور سبحان اللہ کا ورد کرتا تھا۔ وفات کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں نے مقبرہ تعمیر کرنے کی کوشش کی مگر اس کی اجازت نہ دی کوئی بھی مقبرہ اس پر قائم نہ رہ سکتا تھا۔

(2) سید فتح اللہ عرف سید عبدالکریم بلڑی والے کا ایک پوتا تھا کسی وجہ سے اپنے بھائیوں سے ناراض ہو کر ادھر آ کر رہنے لگا بڑے عرصے تک ریاضت کرتا رہا وہاں کے وڈیرے دریاب موسیٰ نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دی۔ ایک نامور فقیر تھا بہت سے لوگ اس کے پاس آتے جاتے تھے اس کے بعد اس کا بیٹا سید عالی شاہ مشہور ہوا اس کے بعد میر حیدر ولد محمد صلاح قائم مقام بنا جو اس کا داماد تھا۔

پران

یہ لنے دریا کا نام ہے اس جگہ املی کا ایک درخت ہے جو شیخ بہاؤالدین ملتانی کا لگایا ہوا ہے اور زیارت گاہ ہے کہتے ہیں کہ تھٹھہ میں ایک قدرتی کھڑکی ہے جس سے گزر کر مرید ادھر آجاتے تھے جس کا ارادہ بیگانہ ہو وہ گزر نہیں سکتا۔ اس سلسلے سے وابستہ فقیر ادھر جمع ہوتے ہیں اور سماع کرتے ہیں۔ ادھر اور بھی بہت سارے بزرگ، درویش اور اولیاء ہیں مثلاً پیر خاکی، ابراہیم ناگورانی، تھیبا ہزاری، سید حسین باکانہ جو عمر کوٹ کے قریب ہے۔ سید لال چھتا جو مندرھرہ میں ہے۔ تاج محمد کھیلراجو سومہ کھیلرے کی اولاد سے ہے اور سید حسن والے قبرستان میں مدفون ہے۔ درس مظفر ہالیپوتو جو شیخ بہاؤالدین ملتانی کے مریدوں میں سے اور بایزید سمہ کے گاؤں میں مدفون ہیں۔ بابو سگریا مندھرا، درس ذاتا کا چھیلو فقیر کھوڑ لاجو سوٹھی کے گاؤں میں مدفون ہے۔ حسین فقیر اور اس کا بیٹا بابول فقیر، درس اجر لودیرو، درس بلال اور اس کا قائم مقام میاں شرف الدین۔

بلڑی

یہ مشہور گاؤں ہے مندرجہ ذیل بزرگ گزرے ہیں۔

(1) سید عبدالکریم ولد سید للو، جس کو شاہ کریم بلڑی والا بھی کہتے ہیں۔ یہ متعلوی سیدوں میں سے تھا سنہ 944 ہجری میں پیدا ہوا۔ بہت ریاضتیں کرتے تھے۔ صبح کو مسجد میں اذان دینے کے بعد بیٹھ کر وظیفہ پڑھتے تھے جب تک جماعت اکٹھی ہو جائے پھر نماز پڑھ کر دوبارہ وظیفہ پڑھتے تھے جب تک اشراق کی نماز کا وقت ہوتا نماز پڑھ کر اپنے گھر جاتے تھے اور گھر کا کام کاج کرتے تھے۔ مہمانوں اور فقیروں کو کھانا کھلا کر روانہ کرتے تھے بعد میں ہل کاندھے پر رکھ کر بیل لے کر کھیت میں جا کر کام کرتے اور ہل جوتتے رہتے ظہر کے وقت بیل کھول کر ان کو چارا پانی دے کر پھر

ظہر، عصر اور مغرب تک مسجد میں رہتے پھر گھر میں آکر گھر کا کام کرتے اور فقیروں کو کھانا کھلاتے وہاں سے فارغ ہو کر راہوت کے گاؤں جاتے تھے راستے میں جس گاؤں میں کوئی مسجد ہوتی تو اس کا پانی بھر کر وہاں پر جو سوئے ہوئے ہوتے ان کی خدمت چاکری کر کے آگے بڑھتے ٹھٹو آتے اور اپنی حسب عادت مسجدوں سے ہوتے ہوئے پیروں کی زیارت کرتے پھر لوٹ کر اپنے گاؤں آجاتے حسب عادت صبح کو مسجد میں اذان دیتے کسی کو پتا نہ چلتا کہ ساری رات کہاں گزاری اور کیا کرتے رہے برسہا برس اس طرح گزارے۔ اس کے علاوہ جب تہجد کی نماز پڑھتے تھے تو پہلی رکعت میں ہی رو رو کر بیحال ہو جاتے تھے صبح تک بمشکل ہوش آتا دوسری رکعت بھی پوری نہ کر سکتے اور کہتے تھے کہ تعجب ہے کہ لوگ تہجد کی نماز کس طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ان کی بیشمار کرامات ہیں جو کتاب "بیان العارفین" و "تنبیہ الغافلین" میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ سید محمد یوسف رضوی بکھری، مخدوم نوح اور مخدوم آدم سیجو اور دوسرے مشائخوں کی صحبت میں رہے اور فیض حاصل کیا خصوصاً مخدوم نوح سے جن کے حکم کے مطابق بلڑی میں آکر رہے اور وفات بھی وہیں ہوئی ان کا سال وفات 1030 ہجری ہے ان کے آٹھ بیٹے تھے۔

(1) سید للو شاہ جن پر دادا کا نام رکھا گیا تھا وہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

(2) سید عبدالرحیم جس کے متعلق میاں ابراہیم ولد مخدوم نوح نے کہا تھا کہ جب وہ پیدا ہوا اور بڑا ہوا تب میں خدا کا شکر بجا لایا کہ یہ عبدالکریم ثانی ہے یہ بھی باپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔

(3) سید جلال جس پر چچا کا نام تھا یہ بھی بڑی کرامت والا تھا اور بڑا عابد تھا باپ کی زندگی میں ایک رات ہالا سے آرہا تھا کہ راستے میں چوروں نے شہید کر دیا۔

(4) سید برہان انہوں نے بھی باپ کی زندگی میں وفات پائی۔

(5) سید للو ثانی جو سالک اور مجذوب تھا اس نے سیر و سیاحت میں زندگی گزاری باپ کے بعد چند روز زندہ رہا۔

(6) سید دین محمد جو باپ کی زندگی میں گوشہ نشین رہتا تھا سید عبدالکریم نے اپنی وفات سے پہلے ولایت کی امانت اس کے حوالے کی۔ باپ کی وفات کے بعد وہ اپنا سر منڈوا کر کفن اور کالی چادر اوڑھ کر باپ کی گدی پر بیٹھا اور باپ کی طرح نامور بنا اور کئی مرید کئے۔

(7) سید محمد حسین جو باپ کی خدمت میں رہتا تھا اور خادم الفقرا کہا جاتا تھا۔ مرید دعا کیلئے آتے تو ان سے کہتے تھے محمد حسین سے دعا مانگو۔

(8) سید عبدالقدس۔ جنہوں نے بچپن میں باپ کی زندگی میں وفات پائی۔ کہتے ہیں کہ وہ بچپن میں بچے جمع کر کے حلقہ بنا کر ذکر کرتے تھے۔

سید عبدالکریم کی وفات کے بعد ان کے بیٹے دین محمد سجادہ نشین بنے پھر ان کے بیٹے عبدالدلیل پھر ان کے بیٹے سید عبدالغنی پھر ان کے بیٹے سید عبدالواسع پھر سید محمد زمان سجادہ نشین بنے۔ سید عبدالکریم کے پوتوں میں سے ایک سید حبیب شاہ تھے جو وجد اور حال والے تھے اور ہمیشہ استغراق میں رہتے تھے وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے والد تھے شاہ عبداللطیف وجد کے وقت باپ کے پاس جاتے تھے اور ان سے گفتگو کرتے تھے وہ ان سے پوچھتے تھے کہ تم کون ہو تو جواب دیتے تھے کہ میں آپ کا غلام عبداللطیف ہوں۔ سید حبیب شاہ کی وفات کی تاریخ کے لئے مخدوم محمد صادق نقشبندی نے یہ حدیث پائی "الموت جسد یوصل الحبیب الی الحبیب" شاہ عبداللطیف جس کا ذکر بحث میں آیا ہے۔

(2) سید ابراہیم جس کو پیر ریلی کہتے ہیں۔ بلڑی کے قریب چاروں طرف گھنے درخت ہیں جو کوئی بھی ان کی ٹہنی یا پتا توڑتا تھا وہ ایک دم مر جاتا تھا۔ سید عبدالکریم اس کی قبر پر زیارت کے لئے آئے اور اس سے کہنے لگے کہ جو لوگ زندہ ہیں وہ اپنا نفس مارتے ہیں تو مرا ہوا ہے زندہ لوگوں کو مارتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد اس کی کرامت بند ہو گئی۔

(3) ورس امین محمد جس کو سانپ کہتے تھے وہ بہرام پور کے گاؤں میں رہتا تھا۔ صاحب کرامت تھا اپنی زندگی میں اپنے بھتیجے سید جمن شاہ ناگ کو اپنی جگہ پر بٹھایا۔ اس کا بھانجا سید سہایو جو ردپاہ کے گاؤں بھٹے میں رہتا تھا وہ بھی مشہور ولی تھا۔

بھانبھرا (برہمن آباد)

یہ شہر جو بھانبھرا لکھا جاتا ہے وہ شاید بانبھرناو ہے یعنی بانبھنوں کا شہر یا برہمن آباد جو اس کا قدیم نام تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اصل نام بھمن آباد یا بھمنیہ تھا نہ کہ بھمن آباد۔ جو بھمن بن اسفندیار کا بسایا ہوا تھا اور عیسوی سن سے تقریباً پانچ سو سال قبل بسا تھا۔ یہ شہر دریائے سندھ یا پاکڑا دریا کے کنارے پر تھا۔ عربوں کے زمانے میں اس قدیم شہر کی جگہ پر منصورہ شہر تعمیر کیا گیا تھا جو

ملتان سے بھی زیادہ بڑا اور آباد تھا۔ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد یہ شہر بھی معدوم ہو گیا۔ لیکن اکثر کہا جاتا ہے کہ ہندو راجاؤں کے دنوں میں جب الور پایہ تخت پر بیٹھا تھا تب برہمن آباد ایک بسا یسا یا ہوا ملک والا شہر تھا جو عربوں کے قبضے میں آجانے کے بعد ویران ہو گیا۔ جب دلورائے الور کے تباہ ہونے کے بعد وہاں منتقل ہو کر برہمن آباد میں رہا تب اس کا بھائی چھٹا امرائی مسلمان ہو کر بھائی سے الگ ہو گیا اور شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ قرآن کا حافظ بنا اور اسلامی عقائد سے اچھی طرح واقف ہوا جب لوٹ کر وطن آیا تب اس کے عزیزوں نے شادی کرنے کیلئے مجبور کیا لیکن یہ نہ مانا اس پر انہوں نے طنزاً کہا کہ یہ ترک شاید عرب جا کر کسی عرب سردار کی بیٹی سے شادی کریگا اس سال اتفاق سے اس نے حج کرنے کا ارادہ کیا وہاں جانے کے بعد ایک دن کسی عورت کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور دوران قرات وہاں پر کھڑا رہا اس عورت نے پوچھا کیوں کھڑے ہو اس نے کہا قرآن سننے کیلئے کھڑا ہوں اگر تم مہربانی کر کے مجھے قرات سکھاؤ گی تو میں تمہارا غلام بن کر رہوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ میری استاد فلاں عرب کی بیٹی ہے جو بہت اچھی قرات کرتی ہے اگر تم زنانہ لباس پہن کر چلنا چاہو تو وہاں پر اس کی قرات سن کر حیران ہو جاؤ گے اس نے ایسا کیا اور اس کے بعد وہ اس عورت کے پاس پڑھنے لگا وہ عورت علم نجوم جانتی تھی دوسری عورتیں اس سے پوچھنے آتی تھیں کہ ان کی بیٹیوں کی شادی کب اور کس سے ہوگی یہ حال دیکھ کر چھٹو عمرانی نے اس سے پوچھا کہ دوسروں کا حال بتاتی ہو کیا اپنی قسمت اور شادی کے متعلق تمہیں کچھ خبر نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کیوں نہیں میری شادی سندھ ملک کے ایک امیر آدمی سے ہوگی اور بہت جلد ہو گی۔ اس نے پوچھا کہ وہ شخص کون ہے اور اب کہاں ہے اس عورت نے حساب لگا کر کہا کہ وہ شخص تم ہو۔ اس کے بعد جب اس کی عیاری ظاہر ہو گئی تب اس عورت نے اس سے کہا کہ اب تم جاؤ اور آئندہ میرے پاس مت آنا اور یہ لباس بھی تبدیل کر دو کہیں یہ بات کھل نہ جائے اور میرے رشتے داروں سے میرا رشتہ مانگو اس نے ایسا کیا جلد ہی ان کی شادی ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنی بیوی کو لے کر وطن واپس آیا۔ اس عورت کا نام فاطمہ تھا۔ جب وہ اپنے شہر میں آیا تب دلورائے نے اپنے مذموم رواج کے مطابق جو نئی دلہن کو زبردستی اپنے محل میں لاتا تھا۔ چھٹا جو اپنے بھائی کو ہر وقت ایسے برے کاموں سے منع کرتا رہتا تھا لیکن وہ نہ مانتا تھا ایک دن جب چھٹا باہر گیا تب وہ اس کے گھر میں آیا چھٹا کو اس بات کا پتا چل گیا اس کی بیوی نے بھی اس کو بتایا کہ یہ شہر تین دن کے اندر ناس ہونے والا ہے اس لئے وہ یہاں سے چلے گئے اور لوگوں کو بھی بتایا جن

لوگوں نے ان کی بات پر اعتبار کیا وہ نکل گئے باقی جو رہ گئے وہ اس شہر کے ساتھ ناس ہو گئے اس تباہ شدہ شہر کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں اس کو دلاری کا تباہ شدہ شہر کہتے ہیں یہ شہداد پور سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور پانچ میل کے فاصلے پر ڈیپور کا تباہ شدہ شہر ہے جہاں راجا کا وزیر رہتا تھا۔

شال

یہ مشہور گاؤں ہے اس میں بھی بزرگ رہتے تھے جن میں شیخ اسماعیل قریشی مشہور تھے جو شیخ بہاؤالدین ملتانی کی اولاد سے تھے۔ کامل ولی تھے۔ پٹھا کے گاؤں میں سید قادر ڈنہ شاہ تھے جو اسحاق فقیر سکریہ کے مریدوں میں سے تھے اور صاحب کرامت تھے۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا اس کا معتقد تھا۔ دبی کے گاؤں میں سید فتو اس وقت کا ولی تھا۔ اور سیبوں کے گاؤں میں اسحاق فقیر سکریہ مشہور تھے بڑی درگاہ والا تھا۔ اس کا بیٹا میاں ڈاتر ڈنہ بھی نامور تھے۔ میاں چھتا کی بھی بڑی درگاہ تھی۔

عمر کوٹ (امر کوٹ)

یہ تھرپارکر کے علاقے کا بڑا شہر تھا اس میں ایک پرانا قلعہ تھا۔ عمر سومرو نے بنوایا تھا۔ تیرھویں صدی انگریزی میں ایک راجپوت پارمر سوڈھا نے سومروں سے چھین لیا تھا اور صدیوں تک سوڈھوں نے تھر پر حکمرانی کی ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سے اختلاف کرنے کے بعد جب ادھر آیا تھا تب اکبر بادشاہ وہاں پیدا ہوا تھا۔ کلہوڑا حکمرانوں میں سے میاں نور محمد نے عمر کوٹ پر قبضہ کیا لیکن آخری کلہوڑا حکمران نے جودھپور کے حکمران کو بیچ دیا تھا جس سے تالپوروں نے واپس لے لیا۔

میر پور خاص

یہ کوئی اتنا پرانا شہر نہیں ہے سنہ 1806ء میں میر علی مراد خان تالپور مانکانی نے آباد کیا تھا ان کی اولاد اب تک وہاں رہتی ہے میر شیر محمد خان جس نے دبی میں انگریزوں سے جنگ کی وہ بھی ان میں سے تھا اور وہاں رہتا تھا اس کا بنایا ہوا قلعہ اب مٹ گیا ہے۔ شہر سے نصف میل کے فاصلے پر بدھ مذہب کا ایک مسمار شدہ مندر ہے جس کو کاہو کا دڑا کہتے ہیں۔ یہ چھٹی صدی عیسوی کا بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ہتھورو

یہ بیگھو اڑوں کا ایک بڑا پیر ہے جس کو پیر ہتھورو کہتے ہیں۔ اس کی قبر پر ہر سال بڑا میلا لگتا ہے جو چار دن تک چلتا ہے اور بھادوں کے مہینے میں لگتا ہے۔

نگر پارکر

یہ شہر ایک پہاڑی کے قریب ہے جس کو کارو نجھر کہتے ہیں اس جگہ مہادیو کا مندر ہے اور تیرتھ کی جگہ کو سردھار کہتے ہیں ادھر ہر سال شو کا میلا لگتا ہے اس کے نزدیک ایک قلع ہوتا تھا جو چندن ولد گوبند رائے نے بنوایا تھا سنہ 1859ء میں انگریز سرکار نے سوڈھوں کے فساد کے بعد مسمار کرایا تھا۔ سردھار کے جنوب میں ایک پتھر کی گائے ہے جس کے تھنوں سے پانی بہہ کر ایک حوض میں جمع ہوتا ہے۔ تیرتھ کی ایک دوسری جگہ ہے جس کو انچلیسر کہتے ہیں ادھر مہادیو کا لنگ ہے۔

نگر پارکر سے سات آٹھ کوس کے فاصلے پر ایک قدیم شہر پارے نگر تھا جو پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں تعمیر ہوا ہوگا اب وہ ویران ہو گیا ہے جین دھرم والے لوگوں کے وہاں پر مندر ہیں اس جگہ کو ویراواہ کہتے ہیں۔ اس سے سات آٹھ کوس شمال کی طرف گوری ہے وہاں پر ایک قدیم مندر ہوتا تھا کہا جاتا تھا کہ قریباً پانچ سو برس قبل پارے نگر کا ایک آدمی منگھو اور سوال کے میدانی علاقے کی طرف خریداری کیلئے گیا وہاں پر اس کو ایک غیبی خبر ملی کہ ایک مورتی کسی مسلمان کے گھر میں مدفون ہے اس نے کسی تجویز سے وہ نکالی اور گاڑی پر رکھوا کر چل دیا جس جگہ وہ گاڑی ٹوٹ گئی ادھر اس کو ایک غیبی خبر ملی کہ یہ مورتی زمین میں داخل ہو گئی اس نے اس جگہ پر ایک مندر تعمیر کرایا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پارسناتھ کا مندر ہے اور پارسناتھ کی مورتی کسی جگہ سے خرید کرلایا تھا۔ یہ قصہ سنہ 1376ء کا ہے اس مورتی یابت پر ایک بڑا ہیرا پہلو کی طرف اور دو چھاتی پر تھے۔ چند صدیوں کے بعد وہ مورتی نکلوا کر ویراواہ میں لے آئے اور زمین میں دفن کر دی جین دھرم کے لوگ وہاں پر تیرتھ کیلئے آتے ہیں ان کے علاوہ تھرپارکر میں کتنے ہی پرانے قلعے اور قبریں ہیں یہ قلعے زیادہ ترمیروں اور تالپروں کے بنوائے ہوئے ہیں۔ جس طرح مٹھی، اسلام کوٹ اور چھاچھرے کے قلعے۔ نئیں کوٹ میں میر علی مراد میرپور والے کا قلعہ بنوایا ہوا ہے۔ ریگستان کے کنارے پر بھی کتنے ہی پرانے اور ویران گاؤں ہیں۔ رتی بازار میں ایسے پرانے نشان مقبرے، قبریں اور مسجدیں ہیں۔

دولت پور

یہ گاؤں سیوہن کے سامنے دریا پر ہے اس کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر میاں نور محمد کلہوڑا کا مقبرہ ہے اب یہ گاؤں سکرنڈ تعلقہ میں ہے۔ جب میاں نور محمد احمد شاہ ابدالی سے بھاگ کر

جیسلمیر گیا اور وہاں پر فوت ہو گیا اس وقت اس کا مقبرہ نہیں تھا بعد میں اس کے بیٹے محمد مرادیاب نے وہ تعمیر کرایا تھا۔

خدا آباد

یہ گاؤں اب ہالا تعلقہ میں ہے کلہوڑا حکمرانوں نے تعمیر کرایا تھا۔ میر فتح علی خان جس نے کلہوڑا خاندان سے سندھ فتح کیا وہ ادھر رہتا تھا۔ اس کا مقبرہ بھی اس جگہ ہے خدا آباد جو دادو تعلقہ میں ہے وہ بھی اصل کلہوڑوں کا تھا اس کے ویران ہونے کے بعد ادھر آگر رہے۔

شہداد پور

یہ میر شہداد کا تعمیر شدہ شہر ہے۔ بڑے میر شہداد اور اس کے دوسرے رشتے داروں کے مقبرے شاہ پور کے نزدیک ہیں اس جگہ کو قبا شہداد کہتے ہیں۔ سوہنی اور مہینوال کی قبریں یہاں پر نظر آتی ہیں۔ لیکن ان کی قبریں سندھ اور پنجاب کی دوسری جگہوں پر بھی نظر آتی ہیں۔

سدارن کا ستون

یہ گونی تعلقہ میں گجو نگر کے سرے پر ہے۔ یہ قدیم ستون سولہ فٹ اونچا ہے یہ سدھارن نے بنوایا تھا جو راجا رام کا بیٹا تھا اس پر اس کی سوتیلی ماں کی بد نظر تھی اس لئے اس کا باپ اس پر ناراض ہوا اور وہ بھاگا اور اس کو زمین نگل گئی۔ جب اس کے باپ کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تب وہ پشیمان ہوا اور اس غم میں مر گیا اور اس کو وہاں پر دفن کیا گیا۔

ٹنڈو الہیار

یہ شہر اتنا پرانا نہیں ہے میر الہیار خان ولد میر فتح علی خان نے تعمیر کرایا تھا رامدیو کا مندر بھی اس جگہ پر ہے ہندوؤں کا میلا بھی لگتا ہے۔

ٹنڈو فضل

یہ گاؤں میر فضل محمد خان تالپر نے تعمیر کرایا ہے جس کو میر غلام علی خان نے جاگیر عطا کی تھی۔ وہاں پر ایک پرانا ویران بنگلا ہے جو قدیم گاؤں سنگورانی کی نشانی ہے۔ اس میں سید رہتے تھے۔ یہ گاؤں بھی دوسرے گاؤں کی طرح مدد خان پٹھان نے تباہ و برباد کیا تھا۔

ٹنڈو محمد خان

گونی تعلقہ میں میر محمد خان شاہوانی نے تعمیر کرایا تھا۔ میر فتح علی خان کی حکومت میں ایک بڑی جاگیر تھی جو ان کی اولاد میں موروثی طور پر چلی آرہی ہے۔

ٹنڈو باگو

تلہار سے چھ کوس کے فاصلے پر ہے قریباً دو سو برس ہو گئے ہیں جو باگو خان تالپور نے آباد کیا تھا جس کی اولاد اب تک رہتی آئی ہے۔

نوشہرہ

نصیر محمد کلہوڑا کے حکم سے فیروز ویرار نے ساحلی علاقے میں حاصل کیا اور اس میں بڑا شہر تعمیر کرایا جس کا نام نوشہرہ رکھا اور اس کے نام پر اس کو نوشہرو فیروز کہا جاتا ہے یہ شہر نو حصوں میں ہے جس میں جد اجدا قوموں کو بسایا گیا تھا۔ اس لئے نوشہرو نام رکھا۔

ٹنڈو آدم

یہ شہر آدم خان مری نے تعمیر کرایا تھا

مورو

یہ شہر میاں نصیر محمد کے ایام میں فرید بھگت نے آباد کیا تھا۔ میاں کے حکم سے سب سے پہلے سوری کا مکان قبضہ میں کیا گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شہر بذیر فقیر کا بسایا ہوا ہے یہ ذات کا مورو تھا اس کو فوت ہوئے تین سو سال گزر چکے ہیں۔

متفرق اور مجمل احوال

اس علاقے میں سیدوں کے بہت سے خاندان ہیں۔ حسنی سیدوں میں سے بدین کے پیر ہیں جو سنی ہیں اور شہاب الدین شاہ جیلانی کی اولاد سے ہیں جو بغداد سے سترہویں صدی عیسوی میں ٹھٹھ میں آیا اور پھر وہاں سے بدین میں آکر بسا۔ اس جگہ ربیع الآخر کے مہینے کی بارہویں تاریخ کو میلا لگتا ہے۔ نصر پور کے چند سید اس خاندان سے ہیں۔ حسینی سید یہ ہیں۔ ایک متعلوی سید یعنی ٹیاری والے جو حیدر شاہ کی اولاد ہیں جو چودھویں صدی عیسوی میں ملتان سے تیمور بادشاہ کے ساتھ سندھ

میں آئے یہ سید شاہ کی بھٹ، اچن شاہ، بھانوٹ، خانوٹ، کھیر، حاجی پور، گھوڑ، بلڑی، ڈھنڈی اور سعید پور میں پھیلے ہوئے ہیں یہ سب سنی ہیں۔ دوسرے رضوی سید جو میر محمد مکی کی اولاد ہیں جو تیرھویں صدی عیسوی میں ایران سے آکر بکھر میں آباد ہوئے بعد میں روہڑی جاکر بسے۔ یہ نصرپور، ٹنڈو الہیار اور نواب شاہ ضلع میں ہیں۔ یہ شیعہ ہیں لیکن ان میں سے کچھ بعد میں سنی ہو گئے۔ تیسرے انجوی شیرازی سید ہیں جو سید محمد کی اولاد سے ہیں۔ یہ چودھویں صدی عیسوی میں ایران سے آکر ٹھٹھ میں رہے۔ اس وقت جام صلاح الدین کی حکومت تھی۔ ان میں سے چند بدین میں ہیں جو سنی ہیں ان کا بیان ٹھٹھ میں کیا جائے گا۔ بدین کے پیر بھی انہیں میں سے ہیں۔ چوتھے شمسی سبزواری سید جو اسماعیل بن امام جعفر صادق کی اولاد سے ہیں وہ شیعہ ہیں۔ یہ ٹنڈو محمد خان میں ہیں۔ پانچویں بخاری سید۔ یہ مخدوم شیر شاہ کی اولاد سے ہیں جو سولہویں صدی میں سندھ میں آئے۔ ان میں سے کچھ جہانیاں پوتے کچھ وہتائی اور کچھ معشوق پوتہ ہیں۔

جہانیاں پوتے حیدرآباد میں رہتے ہیں اور وہ شیعہ ہیں۔ وہتائی سید جو وہتائی میں رہتے ہیں یعنی ٹنڈو باگو میں رہتے ہیں یہ سنی ہیں۔ معشوق پوتا یہ مہتاب علی شاہ کے گاؤں میں رہتے ہیں۔ یعنی بدین میں وہ شیعہ ہیں۔ ان کے علاوہ آغائی سید ہیں جو آغا اسماعیل شاہ کی اولاد ہیں اور حیدرآباد کے ٹنڈو آغا اسماعیل شاہ میں رہتے ہیں۔ یہ کلہوڑا دور حکومت میں ایران سے آئے اور شیعہ ہیں۔ سیدوں کے بعد اس علاقے میں تالپور سیدوں کے خاندان کی علیحدہ شاخیں یہ ہیں۔

شہداوانی میر: یہ حیدرآباد میں رہتے ہیں اکثر پینشنر ہیں بعض جاگیردار بھی ہیں یہ لوگ ٹنڈو غلام حسین، ٹنڈو باگو، بدین، ہالا تعلقہ میں لاڑکانہ اور نواب شاہ ضلعوں میں رہتے ہیں۔ دوسرے شاہوانی میر جو جاگیردار ہیں ٹنڈو محمد خان اور دوسرے تعلقوں میں ہیں۔ تیسرے خانانی میر جو ٹنڈو جام اور دوسری جگہوں پر ہیں اور جاگیردار ہیں۔ چوتھے مانکانی میر جو ٹنڈو غلام علی اور ٹنڈو باگو میں رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ مغل بھی اس علاقے میں اکثر جگہوں پر رہتے ہیں اور چند گرجی ہیں جو حیدرآباد کے قریب رہتے ہیں اور اصل گرجستان سے آئے اور تالپور دور میں سندھ میں آئے ان سب کا مفصل احوال تاریخ سندھ پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ تھرپارکر کی طرف راجپوت اور سوڈھا اکثریت میں ہیں جو خود کو رانا اور ٹھکر کہلاتے ہیں۔ یہ زمیندار اور جاگیردار ہیں۔ ڈیڈھ، بھیل، کولی اور کراڑ بڑی تعداد میں ہیں اور اس طرف مسلمان بھی کثرت سے ہیں۔

باب چہارم

گھرالہ، ساکورہ، بھوڑہ، لاہری یا دیول بندر، مکلی اور گردونواح

(موجودہ کراچی ضلع)

(دریا کے مشرقی کنارے کا ذکر اوپر کر چکے ہیں اب مغربی کنارے کا ذکر کیا جائے گا)

نصریہ

یہ گاؤں بھوڑہ کے علاقے میں ہے۔ مخدوم صدر لانگاہ اس طرف کے بڑے بزرگ تھے۔ اس قدر تارک الدنیا تھا کہ رات کو گھڑوں اور مٹکوں کا پانی بھی بہا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ کل نیا دن اور نیا رزق۔ یہ گاؤں اصل متعلوی سیدوں کا تھا۔ ان میں سے پہلے سید عبدالکریم شاہ اس مخدوم کا مرید ہوا۔ اس مخدوم کا بیٹا ہوئے ملا بھی صاحب کرامت تھا۔ ایک مرتبہ کسی طرف کام سے جا رہا تھا جاڑے کا موسم تھا ظہر کے وقت دریا کے کنارے پر پہنچا پار جانے کیلئے کوئی کشتی نہیں تھی ان کے ساتھ جو خادم تھا اس نے مشورہ دیا کہ کسی بستی میں چل کر رات گزاری جائے لیکن مخدوم نے کہا کہ ہو عرق کنارے پر رات گزارتے ہیں یہ کہہ کر نیچے اترے کچھ وقت کے بعد دیکھا کہ دریا سکڑ کر نہر جتنا بن گیا ہے خادم نے بلا کر کہا کہ اب ہم پار جا سکتے ہیں مخدوم نے کہا کہ ہمارا توکل خدا پر ہے پانی کا احسان نہیں لینگے آخر پار نہ کیا رات وہاں گزار کر دوسرے دن صبح جب کشتی آئی تب اس میں سوار ہو کر پار پہنچے۔ ملا آجب کا بیٹا شہاب الدین بھی اپنے باپ جیسا تھا۔ اس کا بیٹا ملا یوسف اور اس کا بیٹا مخدوم فضل اللہ بھی ایک درویش تھا اس کے بعد اس کا بیٹا شاہ عنایت اللہ صوفی کامل اور درویش تھا اس نے بہت سیر سفر کئے دکن ہندوستان جا کر برہان پور کے شہر میں شاہ عبدالملک کی صحبت میں پانچ برس تک رہ کر اس کے ارشاد کے مطابق بڑی ریاضتیں کیں۔ ظاہری علم کی تحصیل شاہ جہان آباد کے شاہ غلام محمد سے کی اور اسی کا مرید بنا۔ اس کی معرفت شاہ عبدالملک سے اجازت لیکر ٹھٹھ میں آیا۔ شاہ عبدالملک نے اس کو لال خرقہ، تلوار اور ٹوپی دے کر صوفی کا لقب عطا کیا اور سندھ جا کر خانقاہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ شاہ غلام محمد نے جب شاہ عنایت اللہ کو اعلیٰ درجہ پر فائز دیکھا تب خود اس کا مرید بنا اور اس کے پیچھے ٹھٹھ آیا۔ ٹھٹھ کے عالموں نے اس پر اعتراض کیا اور تعزیر دینی چاہی اس لئے مرشد

سے اجازت لیکر واپس شاہ جہان آباد گیا اور وہاں پر فقیری کی خانقاہ کھولی اور باقی عمر وہاں بسر کی ہزاروں لوگ اس کے مرید بنے۔ باقی شاہ عنایت ٹھٹہ سے چل کر میران پور آیا جس کو جھوک کہتے ہیں وہاں پر لوگوں نے ہنگامہ کردیا اور بعض پیروں، مشائخوں اور وڈیروں میں حسد پیدا ہو گیا۔ نور محمد ولد جبہ پلیجو اور حمل ولد لاکھو اور دوسروں نے سید عبدالکریم کے پوتوں سے مشورہ کر کے شاہ عنایت اور اس کے فقیروں کو چھیڑنا شروع کیا ان سیدوں کا اس وقت سید عبدالواسع ولد سید عبدالغنی سرغنہ تھا ان لوگوں نے ایک دن شاہ عنایت کے مریدوں پر حملہ کردیا دونوں طرف سے کئی آدمی مارے گئے اور ان کے وارث دہلی میں فرخ سیر بادشاہ کے پاس شکایت لے کر گئے۔ ٹھٹھہ کے حاکم نواب اعظم خان نے بھی شاہ عنایت کے مخالفین کی تائید کی اور شاہ عنایت کے خلاف لکھا۔ سنہ 1130 ہجری میں بڑا لشکر بھیج کر شاہ عنایت کو شہید کیا گیا یہ ساری تفصیل تاریخ سندھ سے معلوم ہوئی اس کے بعد اس کا بیٹا شاہ عزت اللہ سجادہ نشین بنا اور اس کا دوسرا بیٹا شاہ سلام اللہ فقر اور فاقے اور ریاضت میں زندگی بسر کرتا تھا اور صاحب کرامت تھا ان دنوں میں جب میاں محمد عطر خان اور میاں غلام شاہ کلہوڑا دونوں بھائی سندھ کی حکومت کیلئے آپس میں لڑ رہے تھے تب کسی آدمی نے اس بزرگ سے پوچھا کہ ان دونوں بھائیوں میں سے کون کامیاب ہوگا؟ کہا کہ عین اور غین کی آپس میں جنگ ہے اس میں غین کامیاب ہوگا۔ آخر میاں غلام شاہ فتح یاب ہو کر سندھ کا حکمران بنا۔

کہا جاتا ہے کہ فرخ سیر بادشاہ کو بتایا گیا تھا کہ شاہ عنایت مرید اور دوسرے لوگ اکٹھے کر کے باغی بن کر لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے یہ سن کر اس نے اپنے امیر نور محمد عباسی کو اسے قتل کرانے کا حکم دیا یہ میاں نور محمد بعد میں خدایار خان کے لقب سے سندھ کا نواب بنا۔ میاں نور محمد نے آدمی جمع کر کے جھوک کا محاصرہ کیا جو چار مہینے تک چلا۔ میاں نور محمد کا دل پھر بھی نہ پسیجا۔ شاہ عنایت کے مرید تالپور بھی تھے جن کا سردار میر شہداد خان تھا۔ تالپور پہلے کلہوڑوں کے مرید تھے جب ان کے کچھ لوگ صوفی بنے تب کلہوڑے شاہ عنایت کے دشمن بنے۔ میر شہداد خان شاہ عنایت کا ساڑھو بھی تھا اور مرید بھی۔ دونوں کے گھروں میں سوڈھا خاندان سے تعلق والی بیویاں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں۔ میاں نور محمد کلہوڑا نے میر شہداد کو سمجھایا کہ شاہ صاحب سے صلح کرا دو اور وعدہ کیا اور رسم کے مطابق داڑھی پر ہاتھ رکھا کہ شاہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میر شہداد خان نے شاہ عنایت سے اس سلسلے میں بات کی پر شاہ عنایت نے نظم کے مصرع میں جواب دیا کہ

ڈونگری ۾ ڏني ڏاڙهي ڪر ڪرهه ڪنهن جو پيچ

مطلب کہ اس کی داڑھی پر کوئی اعتبار نہیں۔ اس پر میر شہداد خان نے اپنے داڑھی پر ہاتھ رکھ کر بالکل یقین دلایا تب شاہ کو ماننا پڑا اور میاں نور محمد سے صلح کی اور اپنے مریدوں کو جانے کی اجازت دی جو چلے گئے۔ میاں نور محمد کے پاس تاجا کیھی خلیفہ اور امیر تھا اس نے میاں کے کہنے پر دھوکے سے شاہ عنایت کو مروادیا۔ میر شہداد خان میاں پر بہت ناراض ہوئے لیکن اس نے ایک جھوٹا عذر دے دیا مگر خود میر بہت غمگین اور شرمندہ ہوا اور اپنی ڈاڑھی کو اس دن کے بعد چھوڑ دیا اور دوبارہ ہاتھ نہ لگایا اور نہ کنگھا کیا نہ تیل لگایا اور نہ کتروایا۔ جس طرح بلوچوں کی رسم تھی۔ کہتا تھا جھوٹے کی ڈاڑھی کو کیا سینگار کرنا جلد ہی میاں نور محمد بھی مر گیا۔ اور شاہ عنایت کا سر بادشاہ فرخ سیر کو بھیج دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت دربار میں شاہ کے چند صوفی مرید موجود تھے بادشاہ ان کو فخر سے کہنے لگا کہ تمہارے مرشد نے خواہ مخواہ شور مچایا تھا یہ اس کا سر آیا ہے انہوں نے دکھ سے کہا کہ بیشک آیا ہے مگر دہلی کو ویران کرنے کیلئے آیا ہے بہت جلد کسی نے فرخ سیر کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا اور مغلوں کا خاندان ختم ہوا۔ شاہ عنایت شاعر بھی تھا اس کا فارسی اور سندھی کلام بہت عمدہ ہے۔

لکّرالہ

دریا کے کنارے پر مندرجہ ذیل بزرگ ہیں۔

(1) قاضی قطب الدین۔ اصل ٹھٹہ کا تھا۔ لیکن کئی پشتوں سے لکرالے کے قاضی اسی خاندان سے ہوتے آئے ہیں یہ قاضی اورنگا بندر میں رہتا تھا اس کے بعد اس کا بیٹا قاضی محمد فاضل مشہور ہوا اور اس کے بعد اس کی اولاد ہوتی آئی ہے

(2) حاجی قائم الدین۔ اس نے کئی برس بغداد میں رہ کر مشائخوں کی خدمت کی آخر پیر دستگیر کا خلیفہ بن کر لکرالے میں آیا اور اورنگا بندر میں آ کر رہا اس کے بعد اس کا بیٹا کبیر محمد اور اس کے بعد میاں پیر محمد جانشین بنے۔

(3) درویش گل شاہ قلندر بھی اورنگا بندر میں رہتا تھا۔

(4) شیخ رحمت اللہ بھی یہیں رہتا تھا جو دراصل ہندوستان سے آیا تھا۔ اس کا مقبرہ دریا کے کنارے پر تھا بعد میں سیلاب سے مسمار ہو گیا۔ ابن شاہ کے جنوب میں شیخ محمود کی مشہور زیارت گاہ تھی۔ سید لطیف کی درگاہ بھی اس کے شمال میں تھی۔

(5) ابن شاہ شیخ بہاؤالدین ملتانی کی اولاد سے تھا اور شیخ اسماعیل قریشی جس کا ذکر بدین میں آیا ہے اس کی اولاد سے تھا اور ٹنڈو باگو سے قریباً آٹھ کوس کے فاصلے پر بہاؤالدین پور کے گاؤں میں رہتا تھا۔ اس کی اولاد میں بہت نامور بزرگ ہوئے مثلاً شیخ امان الدین، اوابن شاہ ملتانی اور شیخ امام الدین ملتانی اور ان کے علاوہ شیخ علیم الدین جو کسب معاش کے لئے ٹھٹہ میں جا کر رہا اس کے دو بیٹے ہوئے۔ شیخ صدر الدین، شیخ بدر الدین یہ دوبارہ نقل مکانی کر کے بہاؤالدین پور میں رہنے لگے اور وہاں فوت ہو گئے۔ شیخ پنی لدھا ولد شیخ علیم الدین ملتانی اور شیخ منگے لدھا ولد شیخ صدر الدین بھی مشہور تھے ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے کئی قدیم زمانہ کے بزرگ تھے جن کا پتا معلوم نہیں ہے جو (پرانی سندھ موندی) گنگرالہ اور گردو نواح کے گاؤں میں رہتے تھے وہ یہ ہیں۔ ابو علی سندھی، جو بایزید بسطامی کا استاد کہا جاتا تھا، شیخ عیسیٰ سندھی جس کا لقب جند اللہ تھا۔ وہ شیخ محمد لشکر کا مرید تھا اور محمد غوث گوالیاری کا خلیفہ تھا۔ شیخ یوسف سندھی کے متعلق علامہ ابوالفضل اکبر بادشاہ والا لکھتا ہے کہ اس کے دادا شیخ خضر نے اس سندھی بزرگ سے بڑا فیض حاصل کیا تھا۔ مخدوم بندہ اور مخدوم مہالہ دونوں مشہور عالم تھے اور راجا سیتاول کے زمانہ میں تھے۔ حاجی ویسر بھی خدا کا مشہور بندا تھا اور شیخ بھرکیا کا تیار کے دنوں میں تھا۔ درویش لسہ کا کرو ہمیشہ شیر پر سواری کرتا تھا۔ درویش صدر ولد کیور کا ہمعصر تھا۔ لاپہاریہ مخدوم نوح کے مریدوں سے تھا۔ درویش قطب بھی مخدوم نوح کا مرید تھا اور صاحب کرامات تھا۔ ایک رات بوبک میں آیا کسی طالب علم نے پوچھا کہ کس کے مرید ہو جواب دیا کہ خدا کا مرید ہوں لوگ اس پر ناراض ہو گئے اور مارنے کیلئے پکڑ کر مخدوم جعفر کے پاس لے آئے کہ اس پر تعزیر جاری کی جائے اس کے پوچھنے پر اس نے دوسرا جواب دیا کہا کہ خدا میرا مرید ہے اس پر لوگ اور زیادہ ناراض ہوئے جب وضاحت پوچھی تب اس نے کہا کہ ہمارے حق میں خدا تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے وہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ ہمارے پیدا کرنے میں بھی شروع میں اس کا ارادہ تھا جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے ہم کو کوئی طاقت نہیں ہے بظاہر میں مخدوم نوح کا مرید ہوں۔ اس کو کہا گیا کہ ظاہری طور پر تم میں کوئی علمیت نظر نہیں آتی اور تم کہتے پھرتے ہو کہ خدا میرا دوست ہے اس نے جواب دیا کہ تم نے سنا ہوگا کہ بادشاہوں کے پاس ہزاروں خوبصورت لونڈیاں ہوتی ہیں لیکن پھر بھی کسی غریب جھاڑو دینے والی عورت پر عاشق ہو کر اپنے پاس لاتا ہے اس میں کونسی علمیت اور فضیلت ہوتی ہے۔ درویش مہرار نہریو سید عبدالکریم شاہ کی خدمت میں رہتا تھا پہلے وہ کسی اور کا مرید

تھا جو مر گیا۔ خود کو عورت سمجھ کر بات کرتا تھا کہتا تھا کہ میں بیوہ ہوں میرا شوہر مر گیا ہے۔ اب شاہ کریم کو آکر شوہر بنایا ہے۔ درویش احمد، مخدوم حامد، درویش عبداللطیف، مخدوم ضیاء الدین، درویش سما اور مخدوم عیسیٰ اور اس کا بیٹا میاں عبدالقدوس یہ سب مرد کامل اور قطب تھے اور سید عبدالکریم شاہ کے صحبتی اور خادم تھے۔ میاں عبدالرشید مخدوم نوح کا ہمعصر تھا اور میاں عبداللہ اور درویش ہارون بھی سید عبدالکریم کے ہمعصر تھے۔ مخدوم یوسف طیونہ بھی عالم فاضل اور کامل بزرگ تھا ان کی وفات سنہ 938 ہجری میں ہوئی۔ اس کی کرامات مشہور تھیں۔ درویش احمد رونجھا سید عبدالکریم کا ہمعصر تھا اور میرپور بٹھورو کے ایلان گاؤں میں رہتا تھا۔ قاضی حسن بھی سید عبدالکریم کا ہمعصر تھا اور بٹھورا علاقے میں ہنڑی کے گاؤں میں رہتا تھا۔ وہاں پر درویش صابو سومرو، مخدوم نوح کی صحبت میں رہتا تھا۔ درویش جونا اس علاقے کے دبی گاؤں میں رہتا تھا اور سید عبدالکریم کا ہمعصر تھا۔ مخدوم صدرالدین راہوئی بڑا عالم تھا اور مولانا ضیاء الدین بھی بڑا عالم اور مدرس تھا اور مرزا شاہ حسن کا ہمعصر تھا اور عمر کے آخری دنوں میں گوشہ نشین ہوا اور کسی کو بھی اپنے پاس آنے نہیں دیتا تھا۔ شیخ عبداللطیف ذکر کیے گئے مولانا ضیاء الدین کا ہمعصر اور بڑا عالم تھا۔

مخدوم حسن ہریرہ وجد والا اور صاحب حال بزرگ تھا کہتے تھے کہ اکثر وقت حضرت ﷺ کی مجلس میں گزارتا تھا ایک دن کوئی خوشبو لایا اور کہا کہ حضرت ﷺ نے مجھے تحفہ دیا ہے اور وہ لوگوں میں تقسیم کی جس نے بھی لگایا اس کے سر سے خوشبو نہیں جاتی تھی۔ حسین ستیا بھی کاہوٹ کے بزرگوں میں سے تھا اور کامل ولی تھا۔ ایک دن کسی ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ چڑیا کی بیٹ آکر اس پر گری اور وہ چڑیا مر گئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ چڑیا ماری ہے جواب دیا کہ مجھے بیٹ کی بھی خبر نہیں ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ غلام پر پرندے کی ایسی گستاخی برداشت نہ کی۔

سونڈھا

زمانہ قدیم میں اس گاؤں کے قریب بھیم کوٹ (کوٹ قلعہ) ہوتا تھا اب وہاں پر ہندوؤں کے تیرتھ کی جگہ ہے پہاڑ سے پانی قطرہ قطرہ ہو کر گرتا ہے وہاں پر ایک پتھر ہے جس کی ہندو لوگ پوجا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کئی مرتبہ اس کو دریا میں پھینکا گیا تھا لیکن پھر از خود آکر اس جگہ پڑا ہے وہاں کے بزرگوں میں سے چند یہ ہیں۔

(1) مخدوم رمضان دیدانی۔ مشہور مشائخ تھا اور اس کی قبر بڑی زیارت گاہ ہے۔

(2) مخدوم ملا آری۔ سید علی شیرازی کے مریدوں میں سے تھا جس کا ذکر نیچے آئے گا۔ کہتے ہیں کہ کینجھر جھیل کے ماہی گیر اس کے مرید تھے۔ لیکن جب خود سید علی کا مرید بنا تو ان اپنے مریدوں کو بھی اس کا مرید کروایا جو اب تک ہوتے آئے ہیں۔ اس بزرگ کی درگاہ بڑی زیارت گاہ ہے۔ اس کا بیٹا مخدوم ملا یزید بھی اپنے باپ کی طرح مشہور ہوا اور اس کے نزدیک مدفون ہے۔ اس کا بیٹا ملا ابو بکر بھی بڑا کامل اور وجد والا تھا جس طرح اس کا باپ اور دادا تھے۔ اس کا قائم مقام ملا تھارا بنا۔

کینجھر

سونڈا کے قریب سنہری جھیل کے شمالی سرے پر ایک پہاڑی پر جام تماچی سے کا محل یا قصر ہے وہ نور بھین نامی مچھیرن پر عاشق تھا یہ گندری ذات کی مچھیرن تھی یا گندرہ مچھیرے کی بیٹی تھی جو کینجھر میں مچھلیاں پکڑتا تھا ان دونوں کی قبریں مکلی پر شیخ حماد جمالی کے مقبرے کے قریب ہیں اسی کینجھر کے کنارے پر بہت سے بزرگوں کی قبریں ہیں۔

لاہری بندر

یہ حقیقت میں لاڑی بندر یعنی بندر تھا جو قدیم بگھیاڑ دریا پر تھا اور سمندر سے سات آٹھ کوس کی دوری پر تھا۔ شہر کی حفاظت کیلئے ایک بڑی فصیل تھی کیونکہ بلوچ اور مکرانی چور، چوری کرنے آتے تھے اس بندرگاہ سے تجارتی سامان ٹھٹہ کو جاتا تھا جو اس جگہ سے چالیس کوس دور تھا۔ اس بندرگاہ سے ایک کوس کی دوری پر دھاراجا شہر ہے جو دھاراجا کے رانا کا شہر تھا جس کو میاں غلام شاہ کلہوڑا کے اشارے پر مار دیا گیا تھا اس مسمار شدہ شہر کے نشان اب تک ظاہر ہیں۔ شمال کی طرف لال اینٹوں کی ایک پرانی فصیل ہے اور اس سے آدھا کوس دور بالو شاہ کا مقبرہ ہے جس پر اکثر مچھیرے اور جت زیارت کیلئے آتے ہیں۔

شاہ بندر اور اورنگ بندر

شاہ بندر سنہ 1759ء میں میاں غلام شاہ کلہوڑا نے تعمیر کرایا تھا اور اورنگا بندر کے سب لوگوں کو ملا کر وہاں بسایا تھا اورنگا میں انگریزوں کا کارخانہ تھا جو سنہ 1775ء میں بند ہو گیا۔ شاہ بندر میں سندھ کے حکمرانوں کے جہاز لنگر انداز ہوتے تھے سنہ 1819ء میں جب زلزلہ آیا تو سندھ صوبے کی کا نچلا حصہ دب گیا اور شاہ بندر ختم ہو گیا وہاں پر اکثر میمن اور بھاٹیا قوم کے لوگ رہتے تھے جو سب مسلط اور دوسری جگہ بیوپار کرتے تھے۔

کیٹی بندر

یہ اصل باڑی گھوڑا یا گھوڑے باڑی کے اترنے کی جگہ تھی جب شاہ بندر اور دھارا جا بجڑ گئے تب اس بندرگاہ نے ترقی پائی۔ جس جگہ پر پہلے ذکر بندر تھا وہاں پر اس کے ڈوبنے کے بعد یہ بندرگاہ کی گئی اتنی پرانی ہے۔ ادھر کچھ کاٹھیاواڑ سے بیوپار چلتا ہے۔

اللہ رکھا شاہ کی کوٹڑی

یہ دریا کے کنارے پر گھوڑا باڑی تعلقہ کا بڑا شہر ہے اس سے دو کوس کے فاصلے پر اڈیرا لال کا گاؤں ہے۔ سنگھن مل نے اڈیرے لال کی درگاہ تعمیر کرائی کیونکہ اس نے ٹھٹھ کے ایک حاکم پر فتح پائی تھی اس جگہ چیت مہینے کی پندرہ تاریخ کو میلا لگتا ہے۔

لاڈیوں

یہ تعلقہ شاہ بندر کا بڑا شہر ہے۔ ادھر شاہ عتیق ولی کی درگاہ ہے جس پر چیت کے مہینے میں پہلے اتوار پر میلا لگتا ہے اور تین چار روز چلتا ہے۔ اس مقبرے میں دو قبریں ہیں جو گچ سے بنی ہوئی ہیں۔ دوڈھائی کوس کے فاصلے پر ایک پہاڑی پر ابن شاہ کا مقبرہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی پہاڑی گردونواح میں نہیں ہے۔

میرپور ساکرو

یہ لاڑ کا ایک بڑا شہر ہے۔ پانچ کوس کی دوری پر شیخ حاجی تراب کا مقبرہ ہے۔ وہ شیخ ابو تراب جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جس نے بکھر کا قلعہ فتح کیا تھا وہ ایک عرب تھا اور عباسی خلفا کے دنوں میں سندھ میں آیا تھا کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک ظالم ہندو راجا رہتا تھا جس کا نام تھرنا تھا اس نے یہ قلعہ بنوایا تھا جو اس عرب نے مسمار کردیا تھا اس کے نشانات ابھی باقی ہیں۔ اس عرب کے مقبرے پر لگی ہوئی تاریخ مٹ گئی ہے جو سنہ 171 ہجری یا سنہ 771 ہجری ہے۔ اس پر ہر سال ایک چھوٹا سا میلا لگتا ہے۔

بھنبور

ایک پرانا شہر ایک تباہ شدہ گھاٹی کے کنارے شمال کی طرف ہے جو میرپور ساکرو تعلقہ میں ہے اس میں ایک پرانا قلعہ بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سکندر بادشاہ کے دنوں میں اس کے سردار بحری جہازوں کے ذریعے وہاں آئے ہوں ہو سکتا ہے کہ قدیم دیبل بندر بھی اس جگہ پر ہو جس پر محمد

بن قاسم ثقفی نے حملہ کیا تھا۔ یہ شہر بھی زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہو گیا تھا جس طرح برہمن آباد تباہ ہوا تھا۔ سسی پنہوں کے قصہ میں جو بھنبھور بیان کیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے جس میں وہ دھوبی رہتا تھا جس کے پاس سسی پل کر جوان ہوئی تھی۔

مغلبھین

یہ تعلقہ جاتی کا بڑا شہر ہے۔ یہ شہر بھین نے آباد کرایا تھا جس کا اصل نام شیخ سلامت قریشی تھا اور گھمرا اس کا بیٹا تھا۔ جس کو بعد میں مغل کہا جانے لگا۔ ہالار کے ہندو راجا کے بیٹے کو کسی سید نے قتل کیا تھا اور اس نے اس شیخ اور اس کے بیٹے کے پاس جا کر پناہ لی تھی۔ اس سید کو راجا نے طلب کیا مگر ان لوگوں نے اس کو پیش نہ کیا اس تنازعہ پر وہ شیخ اور اس کا بیٹا مارے گئے ان کے مزار اسی جگہ ہیں ان کے قریب ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے اس کے قریب دو اور قبریں ہیں جو بھین کی والدہ بھی اور اس کے پوتے کی ہیں۔ ان قبروں کے قریب ایک ڈیڑھ من وزنی کالا پتھر موجود ہے کہتے ہیں کہ یہ بھین کے بھائی عمر کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اور اس کے اثر کی وجہ سے ایک چور نے چرایا ہوا مال واپس کر دیا تھا۔ اس پتھر کی لوگ بڑی قدر کرتے ہیں۔ اگر کوئی بیمار اس کو چھو لے تو شفایاب ہو جاتا ہے اور عورتیں اماوس کی رات جا کر وہاں بیٹھ کر گاتی ہیں، پھاگن کی تیئیس تاریخ کو میلا لگتا ہے اور اکثر جت قوم کے فرد آتے ہیں پہلے دن قبر کو چونے کا لیپ کرتے ہیں جس کو اچھ کہتے ہیں پانچویں دن قبروں کی چادریں اتار کر پانی میں دھو کر سکھا کر دوبارہ قبر پر رکھتے ہیں۔ مغلبھین سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر تند کوٹ ہے جو راجا تند کا قلعہ تھا جو کلہوڑا دور سے پہلے حکمران تھے۔ یہ راجا نہایت دولتمند تھا کہتے ہیں کہ اس کا خزانہ اسی جگہ دفن ہے۔

راڑھی

یہ جاتی تعلقہ کا ایک پرانا شہر ہے اور مغلبھین سے آٹھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ راڑھی کے دولتمند ضرب المثال ہیں یعنی جو اپنی ملکیت فضول گنواتے ہیں۔ ادھر چند قبریں ہیں ان میں سے ایک نور شاہ کی قبر ہے جو خواجوں کا پیر تھا۔ اور ایک ویران گاؤں کے نشان بھی ہیں۔

سیر گندا (سنڈو بندر)

مغلبھین سے دو کوس کے فاصلے پر سنڈا گاؤں ہے اور دریا کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے بندر کہا جاتا ہے وہاں کشتیاں کھڑی ہوتی ہیں اور ان کا زیادہ تر کاروبار ہوتا تھا۔

پیر پٹھا

یہ ایک پہاڑی پر ایک زیارت گاہ ہے۔ جو مکلی کے جنوبی سرے سے الگ ہے اور ٹھٹھ سے چھ کوس کے فاصلے پر ہے وہاں پر ایک قدیم عید گاہ اور منارہ تھا۔ ان کے تباہ شدہ نشان اب تک موجود ہیں۔ وہاں پر ایک بڑا شہر ہوتا تھا جو تباہ ہو گیا تھا۔ اس پیر کو مسلمان پیر پٹھا کہتے ہیں اور ہندو راجا گوپی چند کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ شیخ سعدی شیرازی کا ہمعصر تھا اور سنہ 560 ہجری میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن راجا گوپی چند تو اس سے کئی سو برس پہلے رہتا تھا۔ وہاں پر ربیع الاول مہینے کی گیارہ تاریخ کو میلا لگتا ہے جو تین چار روز تک جاری رہتا ہے۔ میمن قوم کے لوگ بکثرت آتے ہیں۔

کراچی

جس جگہ پر اب کراچی ہے اس جگہ پر کوئی شہر نہیں تھا۔ سمندر کی ایک چھوٹی سی شاخ ادھر آتی تھی اور چند مچھیروں کے گھر تھے اور چند ہندو بیوپاری تھے۔ اس جگہ کو کلاچی کا گرداب کہتے تھے یہ نام شاہ جو رسالو میں بھی آیا ہے۔ جو لوگ وہاں رہتے تھے وہ جوکھیا کے جام کی نظرداری میں رہتے تھے پھر وہاں پر ایک جنگلی فصیل بنائی گئی جس کو کلاچی کا کوٹ کہتے تھے اور یہ خان قلات کے قبضہ میں تھا۔ کلہوڑا حکمرانوں نے اس کے قبضے میں دے دیا تھا لیکن سنہ 1795ء میں میر فتح علی خان تالپر نے واپس لے لیا اور ادھر ایک حاکم مقرر کر دیا۔ وہاں کے ہندو بیوپاریوں سے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی آمدنی ہوتی تھی اس کے دفاع کیلئے دو سال بعد منوڑے پر ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ پھر سنہ 1839ء انگریزوں نے لے لیا اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے اب سندھ کا بڑا شہر اور بڑی بندرگاہ شمار کیا جاتا ہے۔

کلان کوٹ

یہ کوٹ مکلی کی پہاڑی سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر جنوب میں ہے۔ اس کا قدیم نام کلاراج تھا بعد میں کلاکوٹ بن گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظاً اصل کلیان کوٹ ہے یعنی آرام کا قلعہ۔ کلان کوٹ کے معنی بڑا کوٹ بھی ہو سکتا ہے بعض کا خیال ہے کہ سیوہن کے کافر قلعہ کی طرح یہ بھی سکندر بادشاہ کے سپہ سالار کا بنوایا ہوا ہے۔ اس جگہ ٹھٹھ کے سومرو، سمہ اور جام رہتے تھے۔ تب اس کا نام تغلق آباد یا طغرل آباد تھا۔ ستر اسی برس پہلے وہاں پر اناج کا جلا ہوا بڑا ذخیرہ زمین میں مدفون ملا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر آگ سے تباہ ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قلعہ میں ایک بڑا سانپ تھا جس کا سر سندھ میں تھا دم ہند میں تھی اس زمانہ میں ہند سندھ کے تابع تھا جس طرح عربوں

کے دور میں تھا بعد میں سانپ نے سر پھرا کر ہند میں کیا اور دم سندھ میں کی اس کے بعد سندھ ہند کے تابع ہوئی۔

میر پور بٹھورو

یہ قدیم بٹھورا علاقے کا مشہور شہر تھا۔ یہ ٹھٹھ کے نواب امیر خان نے تعمیر کرایا تھا اور اس کو امیر پور کہتے تھے۔ بٹھورو اور بہرام پور بلیجو قوم کا یہ مشہور شہر تھا یہاں پر شاہ کپور کا مزار ہے اور امیر پیر کا میلا بھی لگتا ہے۔

بندر لاہری (دیول) اور بندر دھاریجا

لاہری بندر کو پہلے دیول بندر کہتے تھے۔ اس کا سندھ کی قدیم تاریخ میں ذکر آیا ہے لیکن وہ بھی تباہ ہو گیا اور وہاں کے لوگ پھر جا کر بندر دھاریجا میں رہنے لگے وہاں پر نگامروں کی قوم رہتی تھی اس قوم میں بہت سے سردار گزرے ہیں ان سب میں سے مشہور رانا عبید تھا۔ جس کی عجیب و غریب باتیں سنائی جاتی ہیں۔ یہ رانا سنہ 1000 ہجری میں وہاں کا راجہ تھا۔ اس زمانہ میں ککرالہ میں جام جزار حاکم تھا۔ ایک دن جام جزار کو آنکھوں میں سخت درد ہوا رانا عبید اس کی خیریت دریافت کرنے آیا ۔ محبت کے سبب جام نے اپنا سر اس کے گھٹنے پر رکھا اور کہا کہ مجھے کوئی سچی کہانی سناؤ کہ اس کی برکت سے میری آنکھوں کا درد ختم ہو جائے رانا نے کہا کہ سچائی کا خدا شاہد ہے پہلے کسی زمانے میں میرے دل میں آیا کہ میں سمندر کا سفر کروں، ضروری سامان لیکر میں نکلا اور ایسی جگہ جا کر پہنچا جہاں پہلے کوئی نہ گیا تھا اس کے باوجود بھی میں چلتا گیا کہ کہیں سمندر کا دوسرا کنارہ نظر آئے اتفاق سے کسی گرداب میں پھنس گیا ایک پہاڑی پر ایک بڑا درخت دیکھا اس سے چمٹ کر جان بچائی اس درخت پر ایک بڑا طاقتور پرندہ بیٹھا تھا رات وہاں گزاری صبح کو اس پرندے کی ٹانگ سے چمٹ گیا وہ پرندہ وہاں سے اڑا اور مجھے لا کر ایک پہاڑ پر پہنچایا یہ پرندہ شاید سیمرغ تھا جس کا نام اکثر سنا جاتا ہے۔ پہاڑ پر ادھر ادھر کوئی بستی تلاش کی مگر کوئی نہ ملی آخر اس جگہ سو گیا ایک پریوں کی جماعت آئی مجھے اپنے ساتھ گھماتی رہی بہت دنوں کے بعد مجھے اپنا وطن اور رشتے دار یاد آئے۔ میں نے ان سے منت کی کہ مجھے اپنے وطن پہنچا دو انہوں نے کہا کہ اگر واپس آنے کا وعدہ کرو گے تو ہم تم کو چھوڑ دیںگے آخر میں نے آٹھ دن کے بعد آنے کا وعدہ کیا تب انہوں نے مجھے ایک لمحہ میں وطن پہنچایا اور شہر کے باہر ایک جگہ دکھا کر کہا کہ آٹھ دن کے بعد تم اس جگہ کھڑے رہنا تو ہم تمہیں لینے آئینگے۔ میں اپنے گھر آیا گھر والوں اور رشتے داروں

کی محبت میں وہ بھول گیا۔ اب تک وہ وعدہ یاد کرتا ہوں۔ اگر میری بات سچی ہے تو تمہاری آنکھوں کا درد دور ہو جائے گا اس کی کہانی سننے کے دوران میری آنکھوں کا درد کم ہونے لگا اور میں ٹھیک ہونے لگا اور خدا کا شکر بجا لایا۔

ساموئی

پہلے سومرا دور میں محمد طور کا شہر پایہ تخت تھا جو سلطان علاؤالدین کے لشکر نے تباہ کر دیا تھا۔ سما خاندان کے جاموں نے کلا کوٹ کو پایہ تخت بنایا تھا جس کا نام تغلق آباد رکھا تھا۔ ساموئی بھی اسی کو کہتے تھے۔ یہ شہر ٹھٹھ سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر شمال مغرب میں ہے۔ یہ ایک چھوٹا گاؤں تھا ادھر چند قبریں اور مسجدیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ کنواری لڑکیاں زمین میں گم ہو گئی تھیں۔ وہ سومرہ تھیں دنیا ترک کر کے اور حق بخشوا کر وہاں ریت کے ٹیلوں میں خدا کی عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتی تھیں کیوں کہ اس وقت ملک میں ظلم اور زبردستی ہوتی رہتی تھی اس وقت کا بڑا بزرگ سید یعقوب مشہدی جب وہ وہاں سے گزر رہا تھا تو اس کے آنے کا سن کر وہ ساتوں ستیاں اس کے پاس آئیں اور ظالموں سے امان طلب کی۔ وہاں کے وڈیروں میں چند لوگ ان لڑکیوں سے شادی کرنے کے خواہشمند تھے لیکن ان لڑکیوں کو یہ بات قبول نہ تھی ایک دن حسب دستور صبح کو دریا کے کنارے نہانے آئیں تو وہ لڑکے بھی وہاں پر ان سے زبردستی کرنے آئے۔ لڑکیاں شیخ جھنڈے کشتی بان کی کشتی پر چڑھ کر دوسری طرف بھاگ گئیں۔ پھر وہ لوگ بھی دریا پار کر کے ان کے پیچھے آگئے لڑکیوں نے اور جائے پناہ نہ دیکھ کر خدا سے پناہ مانگی اور اچانک زمین پھٹ گئی ساتوں اندر چلی گئیں اس جگہ لوگوں نے زیارت گاہ بنائی ہے ساموئی میں موجود بزرگ یہ ہیں۔

(1) شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جو شیخ جمال اچ والے درویش کا نواسا تھا۔ ہمیشہ منہ پر برقع اوڑھے رہتا تھا۔ اکثر حجرے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اس کے مرید یا زیارت کرنے والے حجرے کے باہر آ کر بیٹھ جاتے تھے جن کو وہ کشف کے ذریعے یا ظاہری طور پر فیض پہنچاتا تھا۔ جام جونا کے دور حکومت میں تماچی سما اور اس کا بیٹا صلاح الدین اس شیخ کے نہایت معتقد تھے اور اس کی خدمت میں رہتے تھے۔ شیخ بھی ان پر مہربان رہتا تھا۔ جام جونا کو ڈر تھا کہ کہیں شیخ کی دعا سے یہ حاکم نہ بن جائیں۔ اس لیے کسی سازش کے تحت ان کو قید کر کے دہلی روانہ کیا تماچی کی ماں روزانہ صبح کو شیخ کی خانقاہ پر آ کر فریاد کر کے چلی جاتی تھی۔ ایک دن شیخ کی نظر اس پر پڑی تو اس سے بیٹے اور پوتے کا پوچھا اس نے

ساری بات بتائی شیخ بڑے جوش میں آیا اور وجد اور حال میں ایک سندھی نظم پڑھی جس میں ان کے حق میں دعا کی کہ سندھ کے حاکم ہو جائیں گے اسی رات وہ دونوں قید سے رہا ہوئے۔ ایک شخص شیخ کی صورت میں ان کا رہنما بنا اور گھوڑوں پر سوار کرا کے واپس ہوا۔ جلد ہی قید خانے کے داروغہ اور پہریداروں کو پتہ لگا ان کے پیچھے بھاگے لیکن پہنچ نہ سکے۔ تین دن کے بعد یہ دونوں کھمبیر گاؤں پہنچے وہاں ایک گلہ سے ایک دنبہ خریدنا چاہا۔ مخدوم نوح کھمبیری گلہ بان تھا اس نے کہا کہ ملک کا حاکم جام تماچی ہے میرا دنبہ مت لینا وہ حیران ہوئے اس کو کہا کہ ملک کا حاکم تو جام جونا ہے اس نے کہا کہ نہیں تین دن سے غیبی اعلان ہو رہا ہے کہ حاکم جام تماچی ہے۔ ادھر جام جونا شیخ حماد کی نظم کے متعلق سن کر بہت بے چین ہوا مجبور ہو کر شیخ کے دروازے پر پہنچا اور کہا تم فقیروں کا حکومت سے کیا واسطہ؟ یہ سننے کے بعد شیخ اور بھی ناراض ہوا اور جوش سے کہنے لگا کہ اس ملک کا مالک میں ہوں جس کو چاہوں دے دوں۔ جام ناامید ہو کر لوٹا۔ جلد ہی دونوں باپ بیٹے ساموئی دریا پر آ پہنچے۔ شیخ نے اپنی گودڑی سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر ان کو دیا اور کہا کہ یہ کسی لکڑی کے سرے پر باندھ کر پرچم بنا کر نکلو گے تو خود بخود غیب سے تمہاری مدد ہوگی۔ جام جونا کو لوگوں نے بتایا کہ تماچی لشکر لے کر حملہ کرنے آیا ہے وہ حواس باختہ ہو گیا اور اس کا لشکر منہ موڑ کر بھاگا یہ حال دیکھ کر وہ خود بھی مجبور ہو کر بھاگا اور اس کا ملک اور ملکیت جام تماچی کو ملے۔ اس طرح باپ اور بیٹا دونوں سندھ کے حکمران ہوئے۔ جام تماچی نے ایک بڑا خزانہ بطور نذرانہ شیخ کے قدموں میں رکھا اور دعا مانگی کہ یہ ملک میری اولاد کے قبضہ میں رہے۔ شیخ نے اس سے کہا کہ ان پیسوں سے میری خانقاہ کے قریب ایک عمدہ مسجد تعمیر کراؤ اور اپنے بیٹوں کو سندھ کا ملک بانٹ کر دیدو۔ اس اقدام سے سندھ یا ٹھ میں سما خاندان کی حکومت بہت عرصہ تک چلی یہ مسجد وہ ہے جو مکلی پر ہے اس کا ذکر ابھی آئے گا۔

(2) شیخ عیسیٰ سندھی برہانپوری لنگوٹی۔ اس کا مقبرہ ساموئی پہاڑ کے دامن میں ہے۔ یہ قلندروں کی طرح لنگوٹ باندھ لیا کرتا تھا اور شیخ حماد سے بھی اس کی صحبت تھی آخری دنوں میں سید محمد حسین شیرازی جس کو میر مراد بھی کہتے تھے اس کی پیدائش کی پیشگی خوشخبری دی اور اس کی پیدائش کے روز جا کر اس کی زیارت کی اور مرید ہوا اور اس کے تیسرے دن وفات پائی جو سنہ 831 ہجری میں ہوئی۔

(3) ملا عبدالرحمن۔ جس کو ملا لنڈا کہتے ہیں۔ یہ اصل میں عباسی تھا اور بڑا کامل ولی تھا لیکن بڑا ظریف تھا۔ سما جام اس کی نہایت تعظیم کرتے اور معتقد تھے۔ یہ ساموئی کے کنارے پر دفن ہوا ہے۔

(4) شیخ جھنڈا کشتی بان جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ وہ سید میراں محمد جونپوری کا مرید تھا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ سید ٹھٹھ میں آکر پہنچا اور جام نظام الدین ملک کا حاکم تھا اس نے ظاہری علما کے کہنے پر اس پر توجہ نہ کی اور اس کو کشتی میں سوار کرا کر دریا کے دوسری طرف روانہ کیا۔ کشتی کسی جگہ جا کر دھنس گئی اور جھنڈا کشتی بان نے آکر اس کو باہر نکالا سید نے اس کو دعا کی وہ مرد کامل بن گیا اور ساتوں ستیوں کی مدد کی جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کی درگاہ اس جگہ پر ہے جو لوگ مکلی کے بزرگوں کی زیارت کو آتے ہیں وہ اول اس کی زیارت کرتے ہیں اور آخر میں بھی اس کی زیارت کرتے ہیں۔

مکلی

مکلی کی پہاڑی بیب اور باڑھا پہاڑ کی ایک شاخ پر ہے رنی کے کوٹ والی پہاڑی سلسلہ میں ہے۔ یہ پیر پٹھا سے نکل کر شمال کی طرف پانچ کوس کے فاصلے پر ٹھٹھ کے قریب مغرب میں واقع ہے۔ سما اور جام خاندان کے حاکموں کا اہم شہر ساموئی پہاڑی کے شمالی کونے کی واس میں ہے۔ اس جگہ پر جام تماچی اور نور بھین کی قبریں ہیں۔ ترخان حکمرانوں کے وقت سے ٹھٹھ تخت گاہ رہتا آیا ہے۔ ان میں سے بہت سوں کی قبریں اور مقبرے مکلی پر ہیں۔ ان لوگوں ٹھٹھ شہر میں بھی کئی عمدہ مسجدیں تعمیر کرائی تھیں ان کے علاوہ مکلی پر بہت سارے اولیاؤں اور بزرگوں کے مقبرے ہیں کہا جاتا ہے کہ سوا لاکھ اولیاء اور عمر مدفون ہیں۔

اس پہاڑی پر مکلی کا نام اس لیے پڑا کہ زمانہ قدیم میں ایک بڑا بزرگ حج کرنے کیلئے جا رہا تھا کہ اس جگہ پر پہنچا رات کو خواب دیکھا اور اسی اثر سے اس کو جاگتے میں جذبہ آگیا اور بار بار کہنے لگا کہ ھذا مکہ لی یعنی میرے لیے یہ مکہ ہے۔ مکہ لی بار بار کہنے سے اس جگہ پر مکلی نام پڑ گیا۔ بعض لوگوں کا خیال کہ ایک ولی بی بی مکلی والی مسجد کے محراب کے پیچھے دفن کی گئی ہے اس مسجد پر مکلی یا چھوٹی مکی کا نام شیخ جماد نے رکھا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس مسجد کے نام سے ساری پہاڑی پر یہ نام پڑ گیا۔ اس پہاڑی پر مندرجہ ذیل حاکموں کے مقبرے اور قبریں ہیں وہ دوسرے بزرگوں کے نام ٹھٹھ کے ذکر کرتے وقت دیے جائیں گے۔

(1) راستے پر اول میرزا جانی بیگ اور مرزا غازی بیگ کا مقبرہ ہے۔ اکبر بادشاہ کے وقت میرزا جانی بیگ ٹھٹہ کا آخری ترخان حاکم تھا۔ اس کے فوت ہونے پر مرزا غازی بیگ حکمران بنا جس کو مارا گیا تھا اس کی تفصیل تاریخ سندھ میں ہے قلعہ کی تعمیر سنہ 1613ء میں ہوئی۔

(2) نواب مرزا عیسیٰ ترخان۔ مرزا عیسیٰ ترخان پہلا شخص تھا جو جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں نواب مقرر ہوا اس کا مقبرہ پہلے مقبرے کے شمال میں ہے مقبرے کی تعمیر سنہ 1644ء میں کی گئی۔

(3) مرزا تغرل بیگ کا مقبرہ ان دونوں مقبروں کے بیچ میں ہے۔ کلا نکوٹ اس کے نام سے منسوب تھا اور تغرل آباد کہا جاتا تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تغلق آباد تھا۔ یہ مقبرہ بارہ ستون پر کھڑا ہے۔

(4) دیوان شریف خان ارغون۔ یہ دہلی سے ایک وزیر مقرر ہو کر ٹھٹہ کے ایک نواب کے پاس آیا تھا۔ قبر کا سنہ تعمیر 1638ء ہے یہ مقبرہ اس نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا۔

(5) نواب امیر خلیل خان۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش مقبرے سے باہر دفن کی گئی کیونکہ مقبرے میں سات بڑے بزرگ دفن کئے گئے تھے قبر کا سال 1585ء ہے۔

(6) مرزا عیسیٰ ترخان پہلا حاکم تھا اس کے مقبرے کے گردونواح میں اور بھی بہت سی قبریں ہیں مقبرے کا سنہ تعمیر 1573ء ہے۔

(7) جام نظام الدین سما جام ایک زبردست حاکم تھا۔ مقبرہ کا سنہ تعمیر 1508ء ہے۔

(8) سید علی شیرازی کا مقبرہ اوپر والے مقبرے کی شمال میں وادی کے پرلی طرف ہے۔ یہ سید ٹھٹہ کے لوگوں کی طرف سے تحائف لے کر ہمایوں بادشاہ کے پاس عمر کوٹ گیا تھا۔

ان کے علاوہ جو اولیاء اور اہل اللہ مکلی میں دفن کئے گئے ہیں ان کا ذکر ٹھٹہ کے بیان کے تحت آئے گا۔

متفرقہ و مجمل احوال

ٹھٹہ کے علاقے میں سماء سومرہ اور ترخانوں کے علاوہ کراچی کے نزدیک رہنے والے جوکھیا لوگ بھی سما قوم میں شمار کئے جاتے ہیں اور دو سو برس سے سندھ کے اس حصے میں لوٹ مار کرتے آئے ہیں ان کا جو سردار یا جام تھا اس کی اولاد اب تک جاگیردار ہے ان کے علاوہ کرمتی بلوچ ہیں

جو کرمت سے آئے جو بلوچستان میں ہے۔ وہ میرپور ساکرو کی طرف آکر آباد ہوئے اور ان کے سردار کو وہاں پر جاگیر ملی۔ جاتی کی طرف جت قوم کے لوگ رہتے ہیں اس وجہ سے اس کو یہ نام ملا ان کے سردار کو ملک کہتے ہیں وہ بھی جاگیردار ہے۔ ان کے علاوہ ٹھٹھ کے شہر اور گرد و نواح میں سید قاضی اور دوسرے غیر ملکی لوگ رہتے تھے۔ ان کا ذکر ٹھٹھ کے بیان میں کیا جائے گا۔ مگر سید بہت سے خاندانوں سے ہیں مثلاً:

(1) شکر اللہ جو حسینی سید اور شیعہ ہیں۔ سید شکر اللہ سنہ 1521ء میں شاہ بیگ ارغون کے ساتھ آیا تھا اور ٹھٹھ کا قاضی مقرر ہوا۔ کتاب تحفۃ الکرام کا مصنف علی شیر قانع بھی اس خاندان سے تھا۔

(2) میرکی سید یہ بھی حسینی اور شیعہ ہیں محمد میرک بھی شاہ بیگ ارغون کے ساتھ آیا تھا۔ اور دولتمند تھا اس کی اولاد ٹھٹھ اور گھوڑا باری میں پھیلی ہوئی ہے۔

(3) انجوی شیرازی یا نقوی سید۔ یہ بھی حسینی اور شیعہ ہیں اور سما جام صلاح الدین کی حکومت میں ٹھٹھ میں آئے۔ ان کے بہت سارے لوگ مرید ہوئے۔

(4) ماژندرانی لودھی سید یہ بھی حسینی اور شیعہ ہیں اور سید بدرالدین کی اولاد ہیں اور سنہ 967 ہجری میں مطابق 1559ع میں ٹھٹھ میں آئے۔

(5) لکیاری سید۔ کھلوڑی یا گی والے ان کا ذکر اوپر گی اور سیوہن میں آیا ہے۔

باب پنجم

ٹھٹہ یا ٹھٹھ کا بیان

حصہ اول۔ "سادات کے متعلق"

ٹھٹہ یا نگر ٹھٹہ قدیم شہر ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے اس جگہ سمندر کا کھارا پانی تھا جو بعد میں خشک ہو کر میدان بن گیا اور جب الور کا شہر برباد ہوا اور دریا سیوستان یا سیوہن کے قریب پہنچنے لگا اور جب سومرا حاکموں کا بڑا شہر محمد طور برباد ہو گیا اور سما جام حکمران بنے تب مکلی کے قریب سامائی کا شہر آباد کیا گیا تب گرد و نواح میں ملک آباد ہونے لگا۔ جام نظام الدین یا جام نندا نے سنہ 900 ہجری کے آخر میں نجومیوں سے معلوم کیا کہ کونسا نیا شہر اور کس جگہ پر تعمیر کیا جائے انہوں نے یہ جگہ بتائی۔ اس جگہ کے مشرق میں باغات تھے اور ماہی گیر لوگ وہاں رہتے تھے اور زمین نشیبی تھی یعنی لہہ تھہ جس کے معنی ہیں نشیبی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ٹھٹ آدمیوں کے شور و غل کو کہتے ہیں اور ٹھٹ خشک میدان کو بھی کہا جاتا ہے شاید اس طرح نام نکلا ہو ٹھٹہ۔ سندھ میں ٹھٹ نام کے گاؤں اور بھی ہیں۔ حکیم عبدالرزاق نے اصفہات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تتہ اصل یونان کی زمین کا حصہ ہے شاید اس کے معنی کہ سکندر یونانی کے قبضے میں آیا۔ غالباً دیبل بندر یا دیول بندر، جو ساکرو کے علاقے میں تھا۔ اس کے اور دوسرے شہروں کے ویران ہونے پر سب لوگ آکر ادھر بس گئے اور ٹھٹ یعنی خوشحال ہوئے۔ مورخ دان ٹھٹہ کو سکندر والا پٹالو شہر کہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ شہر دریا کے سیلاب کی وجہ سے مختلف جگہوں پر بستا رہا ہے اور تین مرتبہ تو آگ لگنے سے تباہ ہو گیا۔ اول سنہ 1521ء میں مرزا شاہ بیگ ارغون، دوسری مرتبہ سنہ 1555ء میں فرنگی لوگوں نے پھر سنہ 1591ء میں میرزا جانی بیگ نے جب اکبر کے لشکر سے مقابلہ کیا۔ مطلب کہ جب تک کلہوڑا حکمرانوں نے حیدرآباد کو پایہ تخت نہ بنایا تب تک ٹھٹہ سندھ کا پایہ تخت ہی رہا۔ ایک مرتبہ تو طاعون جیسی مہلک وبا کے باعث ہزاروں لوگ مر گئے۔ اس کی قدیم عمارتوں میں جامع مسجد ہے۔ جو شاہ جہاں بادشاہ کے حکم سے سنہ 1647ء میں تعمیر کی گئی اور نو لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ دوسری دبگروں کی مسجد ہے جو شہر کے بیچ میں ہے جس کو تعمیر ہوئے قریباً تین سو برس ہو گئے ہیں اور امیر

خسرو خان نے تعمیر کرائی تھی جب مرزا عیسیٰ ترخان ان دنوں میں وہاں کا نواب تھا۔ ٹھٹھ کے بزرگوں کے احوال شروع کرنے سے پہلے کچھ عجیب باتیں جو ٹھٹھ میں ہو چکی ہیں اور کتاب تحفۃ الکرام اور معلومۃ الآفاق میں لکھی گئی ہیں دی جاتی ہیں۔

(1) عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں ایک عورت کو درد زہ شروع ہو گیا جو چھ دن مسلسل رہا آخر کنج ران میں ایک پھوڑا نکلا جو پھٹا اور اس میں سے بچہ پیدا ہوا وہ لڑکی تھی یہ زخم پھر مرہم پٹی سے مندمل ہوا یہ لڑکی بھی سات سال زندہ تھی پھر مر گئی۔

(2) عنایت خان نامی ایک افغان ٹھٹھ کا رہنے والا تھا اس کی بیوی درد زہ میں فوت ہو گئی اور اس کو دفن کیا گیا حسب دستور اس کی رشتہ دار اس کی قبر پہ جاتی رہیں تین برس کے بعد ان کے بچے قبرستان میں کھیل رہے تھے کہ اچانک ایک قبر سے ایک چھوٹے بچے نے سر باہر نکالا اس کو دیکھ کر بچے ڈر گئے اور چیخنے لگے اس پہ وہ عورتیں وہاں گئیں اور دیکھا کہ عنایت خان کی بیوی کی قبر سے وہ بچہ باہر نکلا جو اب تک ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر زندہ تھا لیکن جنگلی حالت میں تھا نہ بات کرتا تھا اور نہ کوئی اور سمجھ تھی بہت کوشش کے بعد اس کو پکڑ کر لائے اور رحمت خان نام رکھا کئی برس زندہ رہا پھر سنہ 1155 ہجری میں فوت ہو گیا۔

فصل اوّل۔ انجوی شیرازی سید

اب ہم ٹھٹھ کے قدیم لوگوں کا ذکر کریں گے پہلے سیدوں کا کریں گے جن کے بہت خاندان تھے اور اکثر مشہور گزرے ہیں سب سے پہلے انجوی شیرازی سید۔ اس خاندان کا شخص جو سندھ میں آیا وہ سید محمد تھا۔ جو اپنے بیٹے سید احمد کے ساتھ سنہ 786 ہجری میں آیا۔ ابجد کے حساب سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے نکلتا ہے۔ جام صلاح الدین بن تماچی کے دور میں آیا اور ماجر کے علاقے میں مراد اوٹھے کے گاؤں میں آکر رہا اس سید کو میراں محمد کہتے تھے۔ مرنے کے بعد اسی گاؤں میں دفن کیا گیا لیکن اس کے پوتے سید علی ثانی کے دنوں میں مکلی میں قبر بنوا کر اس کی لاش نکال کر وہاں دفن کی گئی۔ سید محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سید احمد جانشین ہوا۔ اس سید کے متعلق لکھا گیا ہے کہ ایک دن شیخ عیسیٰ کی ملاقات کے لیے ساموئی میں گیا تو شیخ کے پاس قاضی نعمت اللہ عباسی پہلے بیٹھے تھے جو بڑے عالم اور فاضل شمار کیے جاتے تھے۔ شیخ نے سید کی بڑی تعظیم کی لیکن قاضی بت بنا بیٹھا رہا۔ جب کافی دیر کے بعد سید جانے لگا تو اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی اس کے جانے کے بعد

قاضی نے شیخ سے اتنی تعظیم کا سبب پوچھا۔ شیخ نے جواب دیا کہ اس کی پشت سے ایک قطب پیدا ہونے والا ہے۔ جو میں نے دیکھا اگر زندگی رہی تو اس کا مرید بن جاؤنگا۔ سید احمد کو قاضی کی بے اعتنائی سے بڑا رنج ہوا اور اس رنج کا یہ اثر ہوا کہ جب قاضی اپنے گھر پہنچا تو اس کی بینائی ختم ہوگئی۔ حیران ہوا اسی رات اس کی بیٹی فاطمہ نے خواب دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ سید کی بے ادبی کے سبب ایسا ہوا ہے۔ آخر قاضی نے اپنی دو بیٹی جس کا نام فاطمہ تھا سید کے نکاح میں دی اور اس کو لا کر اپنے گھر میں ٹھہرایا اس کے چار بیٹے ہوئے سید علی، سید جعفر، سید محمد شریف، سید محمد حسین۔ سید احمد نے سنہ 845 ہجری میں وفات کی اور عباسی قاضیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

سید علی کے دو بیٹے ہوئے ایک سید جلال اور دوسرا سید جمال۔ دونوں بڑے بزرگ اور صاحب کرامت تھے۔ سید جلال کا بیٹا سید علی ثانی فقیر تھا اور کئی حج کئے اور مخدوم نوح کا مرید ہوا۔ اس کی وفات سنہ 971 ہجری میں ہوئی۔ مکلی پر دفن کیا گیا۔ کتاب آداب المریدین ان کی تصنیف ہے۔ اس کا بیٹا سید جلال ثانی باپ دادا کا سجادہ نشین بنا۔ مرزا باقی ترخان کے بھائی مرزا صالح نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دی اور مرزا محمد باقی نے اسی نسبت کے سبب اس کو اکبر بادشاہ کے حضور میں رہنے کیلئے روانہ کیا وہ ادھر فوت ہوگیا اس کا بیٹا سید میر محمد اس کا جانشین بنا بعد میں میر زین العابدین جس کو میر لطف اللہ بھی کہتے تھے وہ بہت مشہور ہوا۔ شاعر اور عالم بھی تھا۔ کتاب "خضر البشر" اس کی تصنیف ہے۔ شعر میں اس کا تخلص "قانع" تھا سنہ 1130 ہجری وفات پائی جو سال "رضوا عنہ" سے نکلتا ہے۔ اس کے دو بیٹے سید غلام علی اور سید عبدالولی ان کی اولاد باقی ہے۔ سید جعفر ولد سید احمد سندھ سے ہجرت کر کے گجرات گیا اور وہاں پر شادی کی اور سید احمد نامی بیٹا پیدا ہوا ان کی اولاد وہاں پر رہتی ہے۔

سید محمد شریف ولد سید احمد کو سید لطف اللہ نامی بیٹا ہوا اس کی اولاد پشت بہ پشت ہوتی رہی اور ان کی اولاد سے سید لطف اللہ شاہ عنایت اللہ صوفی کا مرید ہوا اور شاہ اسماعیل صوفی کی خدمت میں رہا۔ اس کی اولاد سے سید یاسین اور سید فضل علی تھے۔ سید محمد حسین ولد سید احمد بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ جس طرح اوپر کہا گیا ہے کہ اس کے پیدا ہونے کی خوشخبری شیخ عیسیٰ لنگوٹی اور بعض دوسرے اولیاء نے دی تھی اس کا سال پیدائش "قرۃ عین" ہے۔ یعنی سنہ 831 ہجری اس وقت جام فتح خان بن جام اسکندر رسالہ کا دور حکومت تھا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ سید پیدا ہوا تو آنکھیں نہیں کھولیں

جب شیخ عیسیٰ آیا تب اس نے آنکھ کھولی۔ شیخ نے کہا کہ الحمد اللہ جس کا مرید بننے کا مجھے انتظار تھا وہ آگیا۔ اس کے تین دن کے بعد شیخ نے وفات کی۔ اس سید کی کرامات اور دوسرے احوال کتاب "تذکرۃ المراد" میں دیئے گئے ہیں جو حاجی محمد حسین صفائی نے لکھی ہے۔ اس سید کے بہت سارے مرید تھے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین کا پوتا شیخ صدرالدین ٹھٹہ میں اس سید کو دیکھنے کیلئے آیا پھر دونوں جامع مسجد کو چلے راستے میں ایک مرا ہوا بلا پڑا تھا شیخ نے اس کو لات مار کر کہا کہ زندہ ہو جاؤ تو وہ زندہ ہو گیا پھر مسجد میں بیٹھ کر ایک خادم کو کہا کہ باہر جو شخص نظر آئے اس کو لے آؤ۔ وہ ایک ہندو براہمن کو لے آیا شیخ کے تصرف سے وہ آتے ہی بسم اللہ کے چودہ معنی بتا گیا۔ شیخ کی یہ کرامات دیکھ کر سید محمد حسین نے کہا کہ جناب مرے ہوئے کو زندہ کرنا بدعت ہے کیونکہ اس کو دوسری دفعہ موت کی تکلیف سہنی پڑتی ہے لیکن مردہ دل کو زندہ کرنا مشائخوں کی سنت ہے۔ شیخ نے بات قبول کی اور فرمایا کہ تم برابر مشائخوں کی مراد ہو اور تم سے بہتوں کی مرادیں پوری ہوں گی اس وقت کے بعد سید کا لقب مراد ہو گیا اور سید نے شیخ کو حلیم کا خطاب دیا کتاب کا نام "تذکرۃ المراد" اسی وجہ سے رکھا گیا۔ صفہ والی مسجد اس سید کی نشانی ہے جو دراصل کھیر نامی ہندو کا گھر تھا وہ جام نندو کا دیوان تھا۔ اس کو سید نے دعا کی تھی کہ تمہارا اپنا مولو نام کمائے گا اور بہت عرصہ رہے گا۔ شہر کے شمال میں جا کر رہو۔ مولو ٹھٹہ والا پھر کئی برس تک مشہور ہو گیا۔ اس سید نے سنہ 893 ہجری میں وفات پائی اس نے عباسی قاضیوں میں شادی کی اور اس کے تین بیٹے ہوئے، سید منصور، سید نعمت اللہ اور سید حماد۔ ہر ایک کی کافی اولاد ہوئی۔ ان میں مشہور میر محمد محسن ہوا جو مرزا جان کا داماد بنا اس کی اولاد بھی کافی زیادہ تھی۔

فصل دوئم۔ مشہدی سید

سنہ 901 ہجری میں سید یعقوب اور سید اسحاق دونوں بھائی مشہد مقدس سے ہجرت کر کے ساموئی میں آئے یہ جام نظام الدین کا دور حکومت تھا۔ سید یعقوب بڑی کرامت والے بزرگ تھے کہتے ہیں کہ شیر پر سوار ہو کر آئے تھے۔ عمر کوٹ میں سما حاکم کے ظلم سے تنگ آکر سات سو مرد لڑکیاں ساموئی میں ان کی پناہ میں آئی تھیں ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ انہوں نے 922 ہجری میں وفات پائی ان کا مزار ساموئی میں ہے ان کی اولاد نگر الہ اور دوسری جگہوں پر ہے۔ ٹھٹہ میں ان کی اولاد سے سید طوک شاہ مشہور ہوئے اور قاضی سدھو کا مرید ہوا اس کی قبر بھی قاضی کے قریب ہے۔

دوسرے سید جلال الدین جس کے دو بیٹے تھے۔ سید خیر الدین اور دوسرا سید شریف وہ بھی کثیر الاولاد تھے۔ ان میں سے ایک سید ابو المکارم تھا جو سید علی ولد سید شرف الدین جیلانی کا خلیفہ بنا۔ یہ سید اس وقت ٹھٹھ میں آیا تھا۔ جہانگیر بادشاہ نے اس کے گزر معاش کا اچھا بندوبست کر دیا تھا۔ خسرو خان چرکس نے ان کی حویلی کے قریب جامع مسجد تعمیر کروائی اور ان کو اس کا متولی مقرر کیا گیا۔ ان کی تاریخ وفات "ستون دین فتاد" ہے۔ ان سیدوں سے ایک دوسرا سید محمد قاسم بن سید محمد مشہور ہوا جو سید عبدالکریم بلڑی والے کا خلیفہ بنا۔ اس کی وفات کی تاریخ "فی جنۃ عالیہ" ہے۔ اس کا بیٹا سید فقیر محمد اس کا جانشین ہوا پھر اس کا بیٹا محمد عابد پھر اس کا بیٹا سید حامد شاہ چونکہ وہ بے اولاد تھا اس لیے اس کا داماد سید نظر علی سجادہ نشین بنا جو پیر مرد شیرازی انجوی کی اولاد سے تھا اور اس کا سجادہ نشین بھی تھا۔ اب سید عبدالکریم شاہ کی خلافت اس کی اولاد کے ذمہ ہے۔

فصل سوئم۔ شیرازی شکر اللہ سید

قاضی سید شکر اللہ ولد سید وجیہ الدین سنہ 906 ہجری میں ہرات سے قندھار میں آیا پھر وہاں سے سنہ 927 ہجری میں شاہ بیگ کے حکم سے ٹھٹھ آیا۔ اور میرزا شاہ حسن ارغون کے زمانہ میں وہاں کا قاضی مقرر ہوا۔ تاریخ طاہری میں لکھا ہے کہ قضا کے کام کا جائزہ لینے کیلئے مرزا شاہ حسن نے اس کے انصاف اور بے ریائی کا امتحان لیا۔ ایک سوداگر سے گھوڑا خرید کیا اور قیمت دینے سے انکار کیا۔ سوداگر نے قاضی سے فریاد کی۔ قاضی نے بلا خوف بادشاہ یعنی شاہ حسن ارغون کو طلب کیا اور فریادی کے ساتھ کھڑا کیا اور فیصلہ کرنے کے بعد مرزا سے احترام سے ملا اور اس کو بٹھایا اور گفتگو کے دوران مرزا حسن نے کپڑوں میں چھپایا ہوا خنجر دکھا کر کہا کہ میں یہ چھپا کر لایا تھا کہ اگر تم قاضی ہو کر میری پاسداری کرو گے اور اس کا حق غصب کرو گے تو اس خنجر سے تمہیں قتل کرونگا۔ تب قاضی نے اپنی مسند کے نیچے چھپی ہوئی تلوار دکھائی اور کہا کہ میں نے بھی احتیاطاً یہ رکھی تھی جانتا تھا کہ بادشاہ شریعت کے خلاف کوئی کام کرے گا اور کوئی اس کے خلاف کاروائی نہیں کر سکے گا تو اس تلوار سے میں شرعی احکام بجا لاؤنگا۔ لیکن کچھ برسوں کے بعد قاضی سید شکر اللہ نے اس کام کو بھاری اور مشکل سمجھ کر استعفا دیا اور اپنی جگہ پر اچ والے قاضی شیخ محمد کو مقرر کروایا۔ سید شکر اللہ نے انصاری خاندان سے شادی کی جو شیخ عیسیٰ لنگوٹی کے ساتھ برہانپور سے آکر ٹھٹھ میں رہنے لگے تھے۔ اس کا شیخ ظہیر الدین نامی ایک بیٹا ہوا جو اس کا جانشین بنا۔ سید شکر اللہ کے ساتھ اور بھی تین سید آئے تھے۔ سید

خیبر، سید کمال، اور سید عبداللہ۔ اس سید نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ مشکل وقت میں ان تینوں سیدوں میں سے کسی ایک سید کی مدد لینا۔ اس کے مطابق اس کی اولاد کئی پشتوں تک کسی ایک سید کے ذمے رہی۔ دوسری کسی دوسرے اور تیسری کسی تیسرے سید کے ذمے رہی۔ سید ظہیر الدین کے دو بیٹے تھے ایک شکر اللہ ثانی اور دوسرا عبدالرحمن۔ سید شکر اللہ ثانی کی یادگار اس کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔ ان کی بہت اولادیں ہوئیں جو پشت بہ پشت ہوتی رہیں۔ ان سے سید شاہ ولی سید ابوالقاسم مخدوم رحمت اللہ کا شاگرد تھا اور کتاب تحفۃ المجالس لکھی اور علم اور شعر میں بھی مشہور تھا۔ سنہ 1150 ہجری میں تعلقہ گگرالہ میں اپنی جاگیر کے ایک گاؤں جگت پور میں وفات پائی۔ اس کی لاش ٹھٹھہ میں لاکر دفن کی گئی۔

سید ظہیر الدین کے دوسرے بیٹے سید عبدالرحمن کے تین بیٹے تھے یہ بھی کثیر الاولاد تھے ان کی اولاد سے سید غلام اولیاء بڑا عالم فاضل اور ولی تھا۔ اس کی بہت سی کرامات تھیں اور جوانی میں وفات پائی۔ مہینے کی 21 تاریخ کو اس کے مرید اس کے مقبرے پر زیارت کرنے آتے تھے قرآن پڑھتے اور لنگر تقسیم کرتے تھے۔ سید شکر اللہ ثانی کا ایک بیٹا سید نور محمد بھی کامل درویش تھا اور اس کا پوتا سید محمد ناصر ولد سید عطاء اللہ مشہور پرہیزگار شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی عمر میں کسی بھی عورت کا منہ نہ دیکھا اور نر اور مادہ کی شناخت نہ ہوتی تھی۔ نقشبندی طریقہ کا مرید بنا۔ اس کے دنوں میں قحط پڑا کیونکہ برسات نہ ہوئی تھی لوگوں کو سخت تکلیف پہنچی اور اولیاء سے دعا مانگنے لگے ایک ولی نے خواب میں کہا کہ جس آدمی نے کسی عورت کو نہ دیکھا ہو وہ اگر نماز استسقا پڑھائے گا تو برسات پڑے گی اور ملک میں خوشحالی آئے گی۔ ٹھٹھہ شہر میں تلاش کیا گیا تو اس سید کے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا مگر اس نے ایسے کرامت والے کام کرنے سے انکار کر دیا لوگ قاضی محمد حسین کو نیابت کے لیے لائے اور اس سید کی والدہ کو بھی مجبور کیا آخر ان کے کہنے پر اس نے نماز پڑھائی اور اس دن کافی برسات ہوئی اور لوگ خوش ہوئے لیکن عجیب اتفاق یہ ہوا کہ تیسرے دن اس سید کی وفات ہوئی۔ اس سید کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ان سیدوں میں سے ایک سید نظام الدین ثانی بھی ایک مشہور عالم تھا۔ جہان آباد میں جاکر کتاب عالمگیری کی تصنیف میں مدد کی اور مشکل مسائل حل کیے۔ بادشاہ نے تنخواہ مقرر کرنا چاہی لیکن اس نے قبول نہ کی آخر وفات بھی وہیں پر پائی۔ اس کے دو بیٹے تھے سید عرب شاہ اور سید احمد شاہ۔ سید احمد شاہ کی کافی اولاد ہوئی۔

سید شکر اللہ ثانی کا دوسرا بیٹا سید ظہیر الدین بھی عالم، فاضل اور پرہیزگار تھا اس کا بیٹا محمد مقیم بھی باپ کی طرح تھا اس کے بیٹے سید محمد کاظم کا تو عجیب حال تھا وہ دو دو تین تین دن نیند میں ہوتا تھا مگر یہ نیند نہ تھی۔ بیداری تھی جو سوتے میں قلبی ذکر جاری رہتا تھا اور اکثر فاقہ میں رہتا تھا۔ اس کا بیٹا سید عزت اللہ بھی عالم اور فاضل تھا سنہ 1161 ہجری میں وفات پائی اس کے چھ بیٹے تھے جن سے میر عظیم الدین مشہور شاعر تھا اس کا دوسرا بیٹا میر علی شیر مشہور تھا جو کتاب "تحفۃ الکرام" کا مصنف تھا اور تخلص "قانع" تھا۔ ان چھ بیٹوں کی بہت زیادہ اولادیں ہوئی جو اب تک جاری ہیں۔

فصل چہارم۔ مازندرانی یا لودی سید

اس خاندان کا پہلا شخص سید بدر الدین تھا جو مازندراں سے نکل کر عتبات عالیات کی زیارت کرتا ہوا سنہ 967 ہجری میں سمندر کے راستے دیول بندر سے ٹھٹہ میں آیا اور ساکورہ یعنی ساکرہ کے علاقے کے گاؤں بالا میں پہنچا جہاں سید سلطان شاہ برقعہ پوش رہتا تھا جس کو لودی کہتے تھے اس کی بیٹی سے سید بدر الدین نے شادی کی جس سے تین بیٹے پیدا ہوئے سید لودی، سید جنید اور میر کمال الدین محمد پہلے دو وہاں فوت ہو گئے لیکن تیسرا کمال الدین محمد ٹھٹہ میں آیا اور اکثر مکلی کے بزرگوں کی زیارتیں کرتا تھا۔ وہاں پر اتفاق سے اس کی سید ظہیر الدین شکر اللہی سے ملاقات ہو گئی اور اس کی صحبت میں اکثر وقت گزارتا تھا آخر وفات بھی ٹھٹہ میں پائی اس کے تین بیٹے تھے۔ میر ابو الفتح، میر مظہر اور میر عبد الخالق۔ میر عبد الفتح کے بیٹوں میں سے ایک میر عبد العالی بڑا شریعت کا پابند عالم تھا اور ٹھیروں کے محلے میں ہندوؤں کے ایک مندر کی جگہ پر مسجد تعمیر کرائی جس کے نشان اب تک موجود ہیں ان سیدوں کی اولاد سے سید جمال الدین بن میر عبد العلی جہان آباد جا کر بسا لیکن آخری عمر میں سندھ لوٹ آیا اور لوہری میں جا کر رہا اور وہاں پر اولاد ہوئی۔ ٹھٹہ میں ان سیدوں کی اولاد سنگتراشوں کے محلے میں رہتی تھی۔

سید کمال الدین کی اولاد سے سید محمد طوک مشہور ولی تھے۔ حضرت پیر کے خلیفہ تھے اور شاہ وادن کی درگاہ کے قریب مدفون ہیں۔ ربیع الثانی مہینے کی بارہویں تاریخ وہاں پر لوگ جمع ہوتے ہیں۔ نواب لشکر خان کے دنوں میں سنہ 1071 ہجری بحور اعلاقے میں سرکاری عملدار مقرر ہوا۔ ایک ہندو خود کو موحد یکتائی کہلانے لگا اس سے لڑا اسی لڑائی میں شہید ہو گیا اور وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ لے کر چلنا جس جگہ پر خود اترے اس جگہ پر دفن کرنا۔ شاہ وادن کے پاس جنازہ اترا اور وہاں پر

دفن کیا گیا اور وہ زیارت گاہ بنی۔ ان سیدوں سے سید علی ولد عبدالقدوس مشہور خوشنویس تھا۔ وہ مخدوم الیاس کا شاگرد تھا اس کے بزرگ کے اور کئی شاگرد بھی خوشنویس تھے۔

فصل پنجم۔ سبزواری یا عرب شاہی یا میرکی سید

اس خاندان کا پہلا بانی میرک شیخ محمد ولد میرک ابو سعید بن امیر علی شاہ سبزواری عرب شاہی تھا شیخ جلال الدین بایزید پورانی کا نواسہ تھا۔ جو سبزوار قندھار سے نکلے اور سندھ فتح کرنے کے وقت اس کے ساتھ سندھ میں آئے اور بکھر میں رہنے لگے۔ پھر وہاں سے میرک شیخ محمد ٹھٹہ میں آیا اور برسہا برس وہاں پر شیخ الاسلام رہا اور لوگوں کو علم سے فیض یاب کیا۔ خوشنویس بھی تھا سن 962ہجری میں وفات پائی جو سال " میرک آہ آہ سے نکلتا ہے اس محلے کی مسجد اور قبرستان میں رانک اس کی بنائی ہوئی ہے اس کے تین بیٹے تھے "میرک شیخ میر محمد، میرک عبدالباقی اور میرک عبدالرحمان شیخ میر محمد اپنے باپ جیسا عالم اور فاضل تھا اور کتاب جامع الفتاوئی پورانی اس کی تصنیف ہے۔ سنہ 970ہجری میں فوت ہوا اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ شیخ عبدالباقی باپ کی جگہ پر شیخ الاسلام بنا علم ہیئت، اقلیدس اور حکمت میں طاق تھا۔ اقلیدس میں بہت ساری شکلیں اس نے خود بنائیں بہت سے عالم آکر اس سے اپنی مشکلیں حل کراتے تھے۔ مولانا عبدالخالق گیلانی جو مولانا مرزاجان اور شاہ فتح اللہ کا ہم پلہ تھا اس کے بعد اس کا بیٹا شیخ الاسلام ہوا اس طرح اس خاندان سے نامور اشخاص پیدا ہوتے رہے۔ ان کی آخر میں میرک محمد احسن ولد محمد افضل نادر شاہ کے آنے کے بعد دوبارہ اس کے حکم کے مطابق شیخ الاسلام مقرر ہوا اور بہت اقبال مندی کے بعد سنہ 1167ہجری میں وفات پائی اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اس کا بھائی محمد محسن شیخ الاسلام کی مسند پر بیٹھا۔ ان میرک شیخوں کی اولاد سے میرک محمد حسین ولد عبدالواسع مجذوب سالک تھا کشف اور حال کا صاحب تھا۔ سالکوں کے دل کی بات خود ہی معلوم کرتا تھا اور جواب دیتا تھا۔ ہمیشہ غیب کی باتیں کرتا تھا اور لوگوں کی مشکلات حل کرتا تھا۔ اس بزرگ کا بیٹا میرک عبدالواسع مشہور شاعر تھا۔ اس کی اولاد بڑھتی گئی جن سے کچھ اپنی جاگیر ہور کھیہ گاؤں میں رہتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب ولد شیخ بایزید بکھر میں رہا اور اس کی اولاد وہاں رہنے لگی اس کا ذکر اس جگہ پر ہے یہ شیخ پھر ٹھٹہ میں آیا اور خوشحال زندگی بسر کرکے سنہ 970ہجری میں وفات پائی۔

فصل ششم۔ عریضی سبزواری اور کاشانی سید

اس خاندان کا پہلا شخص میر عبداللہ سلطان تھا۔ جو میر ابو القاسم بن میر غیاث الدین کا بیٹا تھا جس کو عام طور پر سلطان رضائی العریضی سبزواری کہتے تھے۔ وہ مشہور خوند میر کا پوتا تھا جو کتاب "حبیب السیر" کا مصنف تھا۔ وہ سلطان جنید صفوی کا نواسہ تھا اس کے متعلق کچھ ذکر بکھر اور سیوستان میں آیا ہے۔ شاہ جہان بادشاہ کے زمانہ میں میر عبداللہ سلطان اپنے بھائی میر عبدالرسول کے ساتھ ٹھٹھ میں آیا۔ وہ قابل انسان اور اچھا شاعر تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ میر شکر اللہ، میر محمد قاسم، میر عبدالرحمن، میر محمد عارف اور میر محمد عالم۔ ان کی اولاد ہوتی رہی ان میں سے آخری میر ابوالبقا تھا۔ جس کو بہرہ ور علی کہتے تھے۔ وہ میر حیدر الدین ابو تراب استاد کامل کا شاگرد تھا اور خود بھی بڑا شاعر تھا۔ دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ کتاب "تاریخ چراغ ہدایت" اور "اشعار گزیدہ" اس کی کتابیں ہیں۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

کاشانی سیدوں کے خاندان کا بانی میر غروری کاشانی تھا۔ جو مرزا باقی کے زمانہ میں کاشان میں آیا۔ جب نواب خان خانان نے میرزا جانی بیگ سے سندھ فتح کی، تب میر غروری مختلف جگہوں پر نواب اور حاکم بن کر رہا۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں ضرب خانہ کا داروغہ تھا۔ بڑا شاعر تھا۔ اس کی دیوان اور چند مثنویاں مشہور ہیں۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک میر محمد منعم، دوسرا جنگلی۔ پہلا شاہ جہاں کے زمانہ میں اپنے باپ کی وفات پر اس جگہ پر مقرر ہوا اس کا تخلص حسینی تھا اور صاحب دیوان تھا اور دوسرے بیٹے اور پوتے ہوئے ان میں سے میر علی یار اور میر السیار قابل ذکر تھے۔

فصل ہفتم۔ رضوی بکھر سید

اس خاندان کے بزرگ بکھر میں نامور گزرے ان میں سے سید عبدالرزاق ولد سید جادم یہاں پر مشہور تھے ان کا مزار شیخ حماد جمالی کے مقبرے کے پیچھے واقع ہے جو مکلی کی مسجد کے جنوب میں ہے اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن اس کے بھائی سید محمد یوسف، جو سید مبارک شاہ اور شیخ دانیال کا مرید تھا وہ اپنے رشتے داروں کو چھوڑ کر بکھر سے ٹھٹھ آیا اور اکثر وقت مکلی میں گزارنے لگا جہاں میران سید محمد جونپوری کا مکان تھا وہ بڑا ولی گزرا ہے اور عباسی قاضیوں کے خاندان میں شادی کی اس کے بیٹی پیدا ہوئی اس کی شادی اپنے بھتیجے سید اسحاق ولد میر کمال الدین کو بکھر سے بلا کر کی جو اس کے پاس رہنے لگا اس کے اولاد ہوئی جس سے سید محمد جعفر سجادہ نشین ہوا۔ اور پھر سید عبدالکریم

بلڑی والے کا خلیفہ بنا اور اس کے مریدوں کی مہمانداری کا کام اس کے ذمہ تھا وہ بھی کرامت والا تھا کہتے ہیں کہ ایک بیوہ تھی جس کو اپنی تین بیٹیوں کی شادی کرانی تھی وہ غربت کے باعث حیران و پریشان رہتی تھی ایک دن اس سید کے پاس آکر اس کی منت ساجت کی اس نے کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا اور کہا کہ یہ لے پیر داون کی قبر کے نزدیک ایک بستی نظر آئے گی اس جگہ اناج کپڑا اور دوسری ضرورت کی چیزیں موجود ہونگی اپنی طلب کے مطابق لے جا مگر ایک بار، دوبارہ وہاں نہ جانا۔ یہ عورت کاغذ لے کر اپنے بیٹے کے ساتھ ادھر گئی کھانے پینے کی اشیاء اور کپڑا اور برتن وغیرہ جو کچھ مطلوب تھا سب کچھ لے آئی اور لالچ کی وجہ سے دوبارہ وہاں گئی مگر کچھ نہ دیکھا۔

سید محمد جعفر کی جگہ پر اس کا بیٹا سید یعقوب بیٹھا تھا وہ بھی درویش اور شاعر تھا پھر اس کا بیٹا میر مرزائی یا محمد جعفر ثانی جانشین ہوا بعد میں اس کا بیٹا سید حیدر علی۔

سید عنایت اللہ ولد سید کمال الدین ایک عجیب انسان تھا۔ بڑا دولتمند تھا جو کچھ موجود ہوتا وہ سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا تھا خود کھیتی کر کے گزارہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کی پیداوار اچھی ہوئی تو جو کچھ زیادہ حاصل ہوا وہ اس نے اپنے بیٹے کو دیا کہ پیر پٹھے پر جا کے اپنے دادا کی اولاد سیدوں کی دعوت کر کے کھلا وہ ادھر گیا خود فقیرانہ لباس میں کوزہ پانی لے کر گیا دیکھا کہ اس کا بیٹا بریانی اور سالن پکوا کر چینی کے برتنوں میں رکھ کر بیٹھا تھا اس پر ناراض ہوا لاٹھی لیکر سب برتن توڑ دیئے اور خود ایک بعام سے کچھ نکال کر کھانے لگا اور اپنے کوزے سے پانی پیا۔ اس کا حال فقیرانہ تھا اور اس کا بیٹا دولتمند بنا رہتا تھا۔ ساری عمر میں بیٹے کے گھر دو مرتبہ مشکل سے آیا تھا۔ جب مکاشفہ میں اپنے مرنے کا وقت قریب دیکھا تب اپنے گھر کی چابی اپنی چھوٹی بہن کے ہاتھ میں دے کر چلا گیا اس کی بڑی بہن کو اس وجہ سے دکھ ہوا اس کو غم زدہ دیکھ کر کہا کہ تم میرے بعد یہاں زیادہ نہ گزارو گی اور پھر ایسا ہی ہوا اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سید کمال الدین احمد خان جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے بڑے طمطرق سے رہتا تھا وہ فاضل خان کا داماد تھا جو دولت مند آدمی تھا اور علم اور ہنر میں بڑا نام کمایا تھا بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً شرح دیوان حافظ اور اصطلاحات رضویہ۔ سنہ 1132 ہجری میں فوت ہو گیا۔ اس کے سات بیٹے تھے ان میں تین کو اولاد ہوئی۔ پہلا میر مرتضیٰ جو تیس برس کی عمر میں عالم اور فاضل بنا اور بہت سارے ہنر سیکھے فن سپاہگیری سے واقف تھا سات قسم کے خط سیکھے ایک دفعہ جب مرزا صاحب شاعر کا شاگرد آقا تقلیبا ٹھٹھہ آیا تو اس کے شعر بہت پسند آئے اور اس کو تخلص الہام دیا خیال کیا جاتا تھا کہ یہ سید اپنے نانا فاضل خان کا جانشین ہو گا لیکن جب فاضل خان فوت ہوا اور یہ وہاں

جانے کی تیاری کر رہا تھا تب بادشاہ کے مرنے کی خبر ملی اور شاہ عالم تخت نشین ہوا۔ میر مرتضیٰ اس کے پاس گیا اور بڑا مرتبہ حاصل کیا آخر میں جوانی میں سنہ 1120 ہجری میں فوت ہو گیا۔ ایک بیٹا ذوالفقار علی جس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ دوسرا بیٹا سید عنایت اللہ جو میر غلام علی تھا جس کے تین بیٹے تھے میر مہر علی، میر نیاز علی اور میر راز علی ان کی اولاد ہوئی جن سے میر محمد شفیع ولد سید یار محمد مشہور حاکم ہوا اور لطف علی خان اس کا لقب تھا۔ اور دوسرا میر محمد رفیع تھا میر نجم الدین بھی نامور تھا یہ مخدوم محمد معین کا بھانجا اور شاگرد تھا۔ مدرسہ کا مہتمم تھا اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ منطق اور دوسرے علوم پر رسالے لکھے ان کے لکھنے میں ایک روز سے زیادہ وقت نہ لگتا تھا۔ طوطی نامہ فارسی میں لکھا جو بخشی کے طوطی نامہ سے بہتر تھا اچھا شاعر تھا۔ تخلص عزلت کرتا تھا۔ زندگی نے وفا نہ کی ورنہ ایک بڑا مغرور تھا۔ سنہ 1160 ہجری میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا میر نثار علی تھا۔ اس خاندان سے سید محمد رضا، سید محمد افضل اور سید محمد زمان اور دوسرے خوشحال زندگی گزارتے تھے۔

فصل ہشتم۔ بخاری سید

سید محمود بخاری ارغون حکمرانوں کے دور حکومت میں گجرات سے ٹھٹھ آیا اور سیتا محلے میں آکر رہا اور فرخ والی مسجد کا امام اور خطیب مقرر ہوا اور عیدگاہ کا امام بھی تھا اس کے بعد اس کا بیٹا سید طیب پھر اس کا بیٹا سید رحمت اللہ تھا کہتے ہیں کہ جب یہ موخر اللہ کر سید کم سن تھا اور باپ کے ساتھ مسجد میں آیا تب مسجد کے دروازے پر ایک کامل فقیر سید ابراہیم نامی بیٹھا تھا ایک جن اس عالم کے عمل میں تھا۔ اس نے سید کے والد کو کہا کہ یہ لڑکا میرے حوالے کر سید کو اس پر اعتقاد تھا اس لئے بیٹے کو اس کے حوالے کیا۔ فقیر اس لڑکے کو کلان کوٹ لے گیا وہاں رہنے لگا جب اسی سید فقیر نے وفات پائی تب امانت اس لڑکے کو دی یعنی سید رحمت اللہ کو جو لوٹ کر اپنے گھر آیا اس کی اولاد سے سید جنگل تھا اور اس کا بیٹا سید میرک تھا جو نقارچیوں کے محلے میں رہتا تھا۔ اور بڑا عارف تھا ان سیدوں میں سید لطف اللہ ہجرت کر کے رانیہ کے گاؤں میں جا کر رہنے لگا اور پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا فصلوں کی پیداوار سے اس کو چالیسواں حصہ ملتا تھا۔ اس کے بیٹے سید محمد فاضل اور سید ساجن بھی مشہور درویش تھے۔ بخاری سیدوں میں سے سید محمد شجاع مشہور تھا۔ جو ٹھٹھ کے سیتا محلے میں جامع مسجد کا امام اور خطیب بنا۔ دوسرا سید عبداللطیف بخاری ہجرت کر کے سیوہن میں رہنے لگا اس کا پوتا عبداللطیف ثانی سنہ 1124 ہجری میں فوت ہو گیا جو سال آیت "یرزق من یشاء وھو الحکیم" سے نکلتا ہے۔

فصل نہم۔امیر خانی اور گیلانی سید

اس خاندان کا جد امجد امیر خان سندھ کا نواب تھا اس کا ذکر تاریخ سندھ میں موجود ہے۔ اس کا بیٹا میر ابوالکارم جس کا تخلص شہود تھا وہ امیر ہوتے ہوئے بھی فقیر بنا اور درویش کامل تھا۔ شاعر بھی تھا۔ حضرت سلیمان اور بلقیس کی مثنوی لکھی وہ سیوہن میں دفن ہے ان کے بیٹوں میں میر امین الدین خان حسین ٹھٹھ کا نواب بنا اور وہاں پر فوت ہوا اور اس کا بیٹا میر حسین الدین خان اسماعیل اپنے باپ کی زندگی میں حاکم بنا اس کے بیٹوں میں میر محمد غوث نواب خدا یار خان عباسی یعنی نور محمد کلہوڑا کے دور حکومت میں بخشی تھا۔ اس کا ایک بیٹا میر محمد کریم الدین باپ کی خدمت میں مقرر تھا دوسرا بیٹا ابوالفاخر فوت ہو گیا اس کے دو بیٹے تھے۔ میر محمد گدا ولد نواب امین الدین کو ایک بیٹا تھا۔ میر ابوالکارم شہود کا بیٹا رضی الدین شاعر تھا فدائی اس کا تخلص تھا۔ یہ صاحب دیوان تھا سنہ 1120 ہجری میں فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا میر حیدر الدین ابوتراب بھی شاعر تھا اس کا تخلص کامل تھا اور خود بھی حقیقتاً کامل درویش تھا۔ کئی مرید تھے اور پیر سنی میں وفات پائی اس کی فارسی، ہندی اور سندھی کتابیں تھیں۔ تحفۃ الکرام کا مصنف اس کا شاگرد تھا اور اس کے پاس مشق کیا کرتا تھا۔ میر حفیظ الدین بن ابوالکارم مشہور نظم اور نثر میں یکتا تھا بڑھاپے میں بینائی کمزور ہو گئی تھی ان سیدوں کے چچا زاد بھائی قاسم خان تمکین کے پوتے تھے جو بکھر میں رہتا تھا ان میں سے میر محمد رحیم، میر کریم، میر ابوالنصر، میر شیر افگن، میر محمد اسلم، میر محمد نعیم اور میر قلندر سب ایک دوسرے کے بعد بہتر طور پر زندگی گزارتے تھے۔

اب گیلانی یا حسینی سیدوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ محمد حسین گیلانی ہروی حضرت پیر کی اولاد سے تھا۔ اور ہرات سے شاہ بیگ ارغون کے ساتھ ٹھٹھ آیا۔ میر شہاب الدین جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ اس کا داماد تھا اس کے بعد اس کا بیٹا میر عبداللہ اس کا جانشین بنا اس کا تخلص نازک تھا اس کے بعد میر عبداللطیف اور پھر میر عبدالعزیز بعد میں عبداللہ ثانی پھر سید محمد رضا جانشین بنے۔ اس وقت خواجہ محمد خلیل ٹھٹھ کا ناظم تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی خواجہ میر شہاب الدین جو میر محمد حسین کا داماد تھا اس کی اولاد تھی ان کے بعد سید نور شاہ حسنی حضرت پیر کی اولاد سے ٹھٹھ میں آیا اور شورائی خلیفوں کے محلے میں رہا اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا برخوردار اس کا جانشین بنا اور پھر سید بریشاہ پھر سید نور شاہ پھر سید بنی لدھا شاہ ہوا جو پچھ کے گاؤں میں جا کر رہا۔

فصل دہم۔ علوی خواجہ

اس خاندان کا بانی خواجہ محمد ولد خواجہ احمد مشہور شیخ احمد جام کی اولاد سے تھا وہ اپنے وطن جام سے ٹھٹھ میں آیا اور قاسم خانیوں میں آکر رہا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور پھر ہجرت کر کے دوسرے محلے میں جا کر بسا بڑا کامل بزرگ تھا۔ جہانگیر بادشاہ کے دور حکومت میں ٹھٹھ میں بڑی شان و شوکت سے رہا کیونکہ تیموری مغل ان کے مرید تھے اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خواجہ احمد باپ کا قائم مقام بنا اس کے دو بیٹے تھے ایک خواجہ عطاء اللہ دوسرا خواجہ امان اللہ۔ خواجہ عطاء اللہ بڑا سخی تھا ایک قصہ ہے کہ ایک دن یہ خواجہ اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑا تھا کہ ایک عورت بازار سے کھلے منہ آرہی تھی خواجہ کو دیکھ کر چادر سے منہ ڈھانپ لیا خواجہ نے مذاق سے کہا کہ بی بی تم بازار سے ننگے منہ آرہی تھیں مجھ کو دیکھ کر منہ چھپالیا عورت نے جواب دیا جس جگہ سے ننگے منہ آرہی تھی وہ در حقیقت مرد نہیں تھے بلکہ انسان ہی نہیں ہیں جب تم کو مرد اور آدمی دیکھا تو پردہ کیا خواجہ کو یہ جواب پسند آیا اسی وقت اپنی جاگیر میں سے ایک سو خروار اناج دیکر اپنے ملازم سے کہا کہ فلاں عورت کے گھر پہنچاؤ کیونکہ اس نے مجھے مرد سمجھا ہے۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد ہاشم جانشین ہوا اور پھر اس کے بیٹے خواجہ رحمت اللہ اور خواجہ فتح اللہ ہوئے۔ خواجہ امان اللہ بھی کامل شخص تھا اور شاعر بھی تھا۔ کتاب بہمن نامہ اس کی تصنیف ہے اس میں سات قصے شاعری میں لکھے ہوئے ہیں اور دوسری کتاب ہفت اختر بھی لکھی اس میں بھی سات کہانیاں ہیں۔ اس کے تین بیٹے تھے جن کی کافی اولاد تھی چند کے نام یہ ہیں۔ خواجہ خیر اللہ، خواجہ میر خلیل، خواجہ فضل اللہ، خواجہ سیف اللہ، خواجہ سعد اللہ، خواجہ شہر اللہ، خواجہ عنایت اللہ، اور خواجہ امیر اللہ آخر الذکر خواجہ سلسلہ کا بیٹا تھا۔

خواجہ شہاب الدین ولد خواجہ کمال الدین علوی ہروی مشہور خواجہ احرار کی اولاد سے تھا جب ہمایوں بادشاہ ایران سے واپس آرہا تھا تب ہرات میں خواجہ کمال الدین کا مرید ہوا اور اس سے دعا کی مدد مانگی۔ باپ کے بعد اکبر بادشاہ نے خواجہ کو دعوت دی کہ اس کی قدم بوسی حاصل کرے مگر اس نے پیر سنی کا عذر دیا اور اپنے بیٹے شہاب الدین کو اس کی طرف دہلی روانہ کیا جو کافی وقت وہاں رہ کر واپس آیا اور میر محمد حسین گیلانی ہروی کی بیٹی سے شادی کرنے کیلئے جو اس کی منگیتر تھی مرزا شاہ بیگ کے ساتھ ٹھٹھ آیا اور وہاں رہنے لگا اور خوشحال زندگی بسر کر کے فوت ہوا اس کا بیٹا میر ابو تراب اس کا جانشین ہوا اور اکثر نیرون کوٹ کے قریب اپنی جاگیر پر رہتا تھا ادھر اس کا بڑا باغ تھا وفات کے

بعد ادھر ہی دفن ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا خواجہ میر قاسم ٹھٹہ میں مشہور ہوا پھر خواجہ محمد میر، خواجہ محمد شریف جو خوشنویس تھا اور میر سید علی خوشنویس کا شاگرد تھا۔ اس کے بعد خواجہ مرتضیٰ مشہور ہوا جو پہلے صاحب زادہ داؤد خان کے پاس رہتا تھا پھر میاں نور محمد کلہوڑا کا ملازم ہوا بعد میں میاں غلام شاہ کا ساتوں قلموں میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا اور حکمت میں میر عبدالرزاق کا شاگرد تھا۔ شعر میں اس کا تخلص ''مشرب'' تھا۔

فصل یازدہ۔ متفرقہ سید

اوپر دیئے گئے مشہور ساداتوں کے خاندانوں کے علاوہ دوسرے سید بھی ٹھٹہ میں رہتے تھے جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

(1) سید محمد ہاشم ولد سید محمد جو مرزا جانی بیگ کا ہمعصر تھا اس کا بیٹا سید عبدالقادر مشہور تھا اور کتاب حدیقۃ الاولیاء جس میں سندھ کے بزرگوں اور اولیاء کا احوال دیا گیا ہے اس کا مصنف ہے۔

(2) سید محمد حسن جو مرزا باقی کے متوسلوں سے تھا مگر پتا نہیں اصل کس جگہ سے آیا تھا اس کا بیٹا سید محمد طاہر نسیانی مشہور تھا سندھ کی تاریخ طاہری اس کی تصنیف ہے۔

(3) سید عبدالغفور کامل بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے اصل خاندان کی خبر نہیں ہے۔ ان کے دو بیٹے سید عبدالرشید اور سید عبدالرؤف مشہور تھے۔ سید عبدالرشید عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں جہان آباد میں آ کر رہا اور عربی، فارسی اور فرہنگ تصنیف کی۔ ایک فرہنگ منتخب دوسرا فرہنگ رشیدی۔ چند کتابیں علم مناظرہ کے متعلق بھی تصنیف کیں۔ ان سیدوں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ میر لطف اللہ ولد محمد شریف شیرازی اس کا نواسہ تھا۔

(4) میر محمد اور اس کا بیٹا میر محمود مشہور تھے۔ لیکن ان کے اصل کی خبر نہیں ہے۔ میر محمود نے قاسم خان سیدوں میں شادی کی بہت عزت وآبرو سے زندگی گزاری ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔

(5) سید محمد علی اور سید محمد باقر دونوں سید جمیل کے بیٹے تھے آباؤ اجداد بکھر کے رہنے والے تھے اتفاقی طور پر ہجرت کر کے ٹھٹہ آئے اور آ کر رضوی سیدوں کے محلے میں سکونت پذیر ہوئے۔ پہلے بھائی کے میر عبدالستار نامی ایک بیٹا تھا دوسرے بھائی کا میر محمد فاضل نامی بیٹا ہوا جو اچھا خوشنویس تھا اور نقل مکانی کر کے دندان سازوں کے محلہ میں جا کر رہا۔ میر محمد فاضل کے دو بیٹے تھے سید محمد اور سید نظام الدین۔ یہ عالم گیر بادشاہ کے منصبدار مقرر ہوئے۔ سید میر محمد قرآن شریف کا

حافظ اور طالب علم اور خوشنویس تھا اور بادشاہ کے ساتھ دکھن گیا اور وہیں فوت ہو گیا۔ مطلب کہ سید محمد اکیس برس تک بادشاہ کے پاس رہا اور شاہزادہ محمد کام بخش کے استاد تھے اور اس کو مشق کرواتا رہا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد ٹھٹہ میں آیا اور اسی برس کی عمر میں سنہ 1150 ہجری میں وفات کی۔ اس کا پوتا میر محمد منور ولد سید اعظم فتح باغ میں جا کر رہا ان کی اولاد سے سید عبدالرحیم، سید جلال اور سید حامد ولد سید جلال اس محلہ میں رہتے آئے تھے۔

(6) سید میر محمد متعلوی بڑا بزرگ تھا خواجگان علوی محلہ میں رہتا تھا۔ سومرو لوگ اس کے مرید تھے۔ اس کا بیٹا زندہ نہیں تھا اس کا پوتا سید سعد اللہ ولد سید بیگ محمد مازندرانی اس کا جانشین بنا اور مشہور تھا اور سنہ 1167 ہجری میں اسی برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرزا عبدالکریم اس کے خاص مریدوں میں مشہور تھا۔

فصل بارھواں ملتانی شیخ

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی اولاد پورے سندھ میں ہے۔ یہ پیری مریدی کا سلسلہ قائم رکھتے آئے ہیں۔ ان میں سے جو ٹھٹہ میں تھے اور نامور تھے ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

سب سے بڑا پیر شیخ عالی تھا۔ جو شیخ بہاؤالدین کا نواسہ تھا اور ترخانوں کے زمانہ میں سیر کرتا ہوا ٹھٹہ آنکلا اور میر سید علی شیرازی کے باغ میں آیا چلتے ہوئے رہٹ کی آواز سن کر ایک درخت کی چھاؤں میں آرام کیا۔ باغبانی شام کے وقت بیل کھول کر شہر گیا شیخ کو رہٹ کی آواز ایسی بھائی جو ساری رات اس کی خاطر رہٹ چلتا رہا باغ میں اتنا پانی بھر گیا کہ درختوں کے کھڈے اور کیاریاں پانی سے بھر گئے اور چھوٹے درخت گر گئے باغبان نے یہ حرکت فقیر کی سمجھی اور باغ کے مالک سید علی کے پاس شکایت لے کر گیا۔ سید نے کہا کہ فقیر کو باغ سے باہر نکال دو۔ جب فقیر کو باغ سے نکالا تو وہ درخت جس کے نیچے فقیر بیٹھا تھا اور چمن کا وہ حصہ جس کو دیکھ کر وہ خوش ہو رہا تھا وہ سب اس کے ساتھ باغ سے نکل گئے۔ سید علی فقیروں اور درویشوں پر اعتقاد رکھتا تھا اس کو جب یہ خبر ملی تب ایک دم باغ میں آکر فقیر کی قدم بوسی کی بہت سے لوگوں نے فقیر کی یہ کرامت دیکھ کر اس کی مریدی اختیار کی اس کے بعد فقیر اکثر وقت مکلی پر گزارتا تھا جس جگہ پر اب دفن کیا گیا ہے۔ ادھر بیٹھتا تھا کچھ دنوں بعد اس نے شادی کی اور اس کے چار بیٹے ہوئے ایک ابو محمد جس نے بچپن میں ہی کرامتیں دکھائی شروع کیں ایک دن کسی جگہ کھڑا تھا تو مریدوں نے اس کے پیر اور پہلو کیچڑ بھرے

ہوئے دیکھ کر پوچھا تو جواب دیا کہ ہمارا ایک مرید کشتی میں سوار ہو کر آرہا تھا تو کشتی جا کر کیچڑ میں دھنس گئی ہم کو مدد کیلئے پکارا اور ہم نے جا کر کشتی کو نکالا جب وہ مرید آیا تب اس نے بتایا کہ اسی تاریخ کو واقعی کشتی کیچڑ میں دھنس گئی تھی۔ دوسرا بیٹا صالح یا فاضل محمد تھا، تیسرا ولی محمد اور چوتھا شیخ محمد فاضل۔ پہلے تین باپ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے باقی شیخ محمد فاضل وہ باپ کی طرح کامل درویش تھا۔ باپ کی وفات پر تین دن تک فقیروں کو بلا کر ان کو کھانا کھلایا شیرازی سیدوں کو بھی ان دنوں میں فقیروں کو کھانا کھلانا تھا۔ شیخ کے پاس بڑی تعداد میں فقیروں کو جاتا دیکھ کر سید جلال ولد سید علی شیرازی کو رشک پیدا ہوا۔ فقیروں کو شیخ کے پاس جانے سے منع کیا اور سیدوں کے کھانے پر حاضر رہنے کیلئے تاکید کی۔ شیخ کے کھانے پر تو دوسرے باہر والے فقیر بھی آکر جمع ہو گئے لیکن سید کے کھانے پر کوئی آدمی نہ آیا۔ جب شیخ کو منت سماجت کر کے فقیروں کے آنے کی اجازت لی تب وہ فقیر آکر جمع ہوئے جب ان لوگوں سے پوچھا گیا تو پہلے کیوں نہ آئے تو جواب ملا کہ ہم سب پورا دن گھومتے رہے تھے رات کو آکر اس جگہ پہنچے جہاں سے پہلے گئے تھے اس وقت شیخ اور سید کی آپس میں دوستی ہو گئی اور آئندہ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ شیخ کی اولاد سے شیخ محمد واصل کی بیٹی کی شادی شاہ عبداللہ قریشی ملتانی کے بیٹے شیخ ضیاء الدین سے ہوئی۔ ان کو شیخ محمد ملوک نامی بیٹا ہوا جو بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔

شیخ ضیاء الدین سیر کرنے ہندوستان گیا اور لوٹ کر نہ آیا اور اس کی اولاد نہ تھی۔ اس کا بھائی شیخ محمد رضا ادھر ہی رہا اور سجادہ نشین بنا۔ کگرالہ تعلقہ کے کھارے گاؤں میں رہنے والے قریشی پیرزادے ان کے چچازاد بھائی تھے اور ایک ولا کی اولاد تھے۔ شیخ محمد رضا کے بعد اس کا بیٹا شیخ زین العابدین گدی نشین ہوا۔ پہلے کرامات دکھاتا تھا پھر گوشہ نشین ہو کر رہ گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا دائم شاہ اس کا قائم مقام بنا۔

maablib.org

باب ششم

ٹھٹہ کا بیان

حصہ دوئم ۔۔۔ قاضیوں اور عالموں کے متعلق

فصل اول۔ قاضیوں کے متعلق

(1) قاضیوں کے خاندانوں میں سب سے قدیم قاضی نعمت اللہ کا قبیلہ ہے جو نسب میں جا کر عباسی خلیفوں سے ملتا ہے۔ جب عباسی خاندان کے گماشتے سندھ میں حکمران تھے تب سے وہاں آئے ہوئے ہیں۔ قاضی نعمت اللہ جام صلاح الدین کے زمانہ میں نہایت معتبر تھا۔ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ سید احمد شیرازی نے اسی قاضی کی بیٹی سے شادی کی تھی اس کے چار بیٹے پیدا ہوئے جو نہایت مشہور تھے۔ پہلا قاضی سائیں ڈنا جو بڑا عالم اور فاضل اور پرہیزگار تھا۔ دوسرا قاضی نعمت اللہ ثانی یہ بھی اپنے وقت کا علامہ تھا اور مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کا ہمعصر تھا اس کا بیٹا رحمت اللہ اور اس کا بیٹا شیخ عبدالشہید بھی بڑے بزرگ تھے اور سمات کے علا قبھاری میں رہتے تھے اور اس کے بعد پشت بہ پشت شیخ عطاء اللہ اور شیخ عبدالشہید ثانی اور شیخ احمد اور شیخ ابوالحسن ہوتے آئے۔

(2) قاضی حماد بھی قدیم عباسی خلفا کے قاضیوں کی نسل سے تھا اور پرہیزگار کامل اور نامور شخص تھا اس کا بیٹا قاضی سدھو بہت سے علماء کی صحبت میں رہا اور اس نے بھی بہت لوگوں کو فیض پہنچایا اور شیرازی سیدوں کے قبرستانوں میں دفن کیا گیا ہے۔ قاضی محمود وقت کا علامہ تھا اور نعمت اللہ ثانی کا چچازاد بھائی بھی تھا۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کا ہمعصر تھا بڑا عالم تھا بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن سے "تذکرۃ الاولیاء" اور "حواشی متین" مشہور ہیں۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک قاضی عبداللطیف جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور دوسرا قاضی قطب الدین جو بڑا عالم تھا اس کا ایک بیٹا شیخ عبدالمجید تھا باپ کی طرح عالم تھا اس کا بیٹا شیخ محمد زاہد اور اس کا بیٹا شیخ ابوتراب اور اس کا بیٹا شیخ محمد زمان تھا جو بے اولاد تھا۔

(3) قاضی وجیہ الدین ایک قابل شخص تھا ترخانوں کے دور میں تھا اوپر ذکر کیے گئے عباسی قبیلہ سے تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

(4) قاضی عتیق اللہ عباسی اصل میں سیوہن کا تھا اور مرزا جانی بیگ کے زمانہ میں ٹھٹہ میں آیا مرد کامل تھا۔ ملا محمد علی دیوان سے رشتہ کیا اس کا بیٹا شیخ عزت اللہ قابل انشاپرداز تھا۔ شیخ عبدالرشید طالب علم اس قبیلے سے تھا جو صاحب حال وقال تھا۔ قاضی ابراہیم جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا وہ اس کا شاگرد تھا۔ قاضی عبداللہ بھی سیوستانی قاضیوں سے تھا اور اصل عباسی قاضیوں کی اولاد سے تھا۔ کہتے ہیں کہ جام نظام الدین کے زمانہ میں اس بزرگ کی لاش غیبی مدد سے آکر مکلی پہنچی اور شیخ حماد جمالی کے مقبرے کے پیچھے دفن کیا گیا۔ لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو طالب علم سات جمعرات کے دن متواتر اس بزرگ کی زیارت کرے گا وہ کامل ہو جائے گا۔

(5) قاضی شیخ محمد اچ والا نسب میں آل جعفر سے تھا۔ جو علماء کا مشہور قبیلہ تھا۔ اول ہرات سے اچ میں آیا اور پھر جام نظام الدین کے زمانہ میں جب سید میراں محمد مہدی جونپوری ٹھٹہ میں آیا اور علماء وقت نے اس پر کفر کی تہمت لگائی تب اس قاضی نے علم کی بدولت ان کی تہمت رد کی اور اس سید نے اس کو دعا کی اس کی برکت سے اس کا خاندان کافی وقت تک پھلتا پھولتا رہا۔ یہ قاضی اچ اور ملتان کی افراتفری کے وقت بھکر میں آکر رہا جب قاضی سید شکر اللہ شیراز ٹھٹہ کے قاضی نے استعفیٰ دیا تب مرزا شاہ حسن نے اس کو قاضی مقرر کیا کیونکہ مرزا شاہ حسن کے ہرات میں بھی اس قاضی اور اس کے خاندان سے واقفیت تھی مرزا ترخان کی حکومت کے دور میں اس نے وفات کی۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ شیخ احمد اور شیخ فرید، قاضی احمد باپ کی جگہ قاضی مقرر ہوا۔ اور اس کے بعد قاضی فرید قاضی ہوا وہ بھی عالم تھا اس کے دو بیٹے تھے شیخ علی محمد اور شیخ نور محمد۔ پہلا باپ کی جگہ پر مقرر ہوا اور اس کے دو بیٹے تھے قاضی محمد حسین اور شیخ فرید ثانی۔ اس شیخ فرید کے دو بیٹے تھے شیخ اکرم اور شیخ زین الدین۔ قاضی شیخ علی محمد کی وفات کے بعد اس کا بھائی نور محمد قائم مقام بنا پھر قاضی محمد حسین قاضی ہوا پھر اس کا بیٹا قاضی محمد یحییٰ جو باپ کی پیر سنی اور نظر کی کمزوری کے باعث قضا کی مسند پر بیٹھا اس کی مسند نشینی کی تاریخ "نافذ الامر" سے نکلتی ہے اس کے بعد اس کا بھائی قاضی محمد حسین مسند نشین ہوا جس کے جلوس کی تاریخ "الحمد و اللہ" سے نکالتے ہیں۔ یہ قاضی قضا کے کام کے علاوہ بادشاہ کا نائب دیوان بھی رہا اور سنہ 1160 ہجری میں فوت ہوا اس کے دو بیٹے تھے۔ شیخ عبداللہ اور شیخ عبدالرؤف۔ اس کے بعد قاضی محمد محفوظ ولد قاضی محمد یحییٰ قاضی مقرر ہوا اور سنہ 1173 ہجری میں وفات کی اور اس کی جگہ پر اس کا بیٹا قاضی محمد یحییٰ جانشین بنا۔

(6) شیخ محمد باقر۔ یہ قاضی محمد حسین کا تیسرا بیٹا تھا وہ عالم باعمل فقیر سالک اور مجذوب تھا۔ اس کا بیٹا شیخ غلام علی بھی عالم اور مجذوب تھا اس کا بیٹا میاں مہر علی خاندان کی نشانی تھا۔

فصل دوئم۔ عالم، فاضل اور مخدوموں کے متعلق

(1) سب سے بڑے شیخ صدر الدین تھے یہ جام نظام الدین کے ہمعصر تھے بڑے عالم تھے ان کے ہزاروں شاگرد تھے جب میران محمد مہدی جونپوری ٹھٹہ وارد ہوئے تب یہ بزرگ شروع میں ان کے خلاف تھے لیکن بعد میں ان کے مرید ہوئے۔

(2) مخدوم رکن الدین ٹلٹی والا مخدوم بلال کا خلیفہ تھا۔ اس کے کافی مرید تھے۔ علم الحدیث میں ماہر تھا "شرح اربعین" اور "شرح گیلانی" اور بہت سی کتابیں لکھیں سنہ 949 ہجری میں وفات پائی اور مکلی میں دفن کیا گیا۔

(3) مخدوم میراں ولد مولانا یعقوب نقلی اور عقلی علموں کے عالم تھے۔ مرزا شاہ حسن کے استاد تھے اور بھی کئی لوگ ان کے شاگرد تھے سنہ 949 ہجری میں فوت ہوئے "علامہ وارث الانبیا" ان کی تاریخ نکلتی ہے۔ مکلی میں مدفون ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن بھی مشہور عالم تھا اور مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے زمانے میں رہتے تھے مولانا کریم الدین بھی اسی زمانے میں عالم فاضل شخص تھے۔

(4) مخدوم فضل اللہ بھی مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے زمانے کے بڑے عالم اور مدرس تھے ان کے بیٹوں سے مخدوم ابوالخیر بھی بڑے عالم تھے اور فتاویٰ عالمگیر لکھنے میں مدد کی۔ ملا اسحاق اور ان کے بیٹے کمال الدین بھی مشہور عالم تھے۔

(5) مخدوم فیروز بھی اپنے وقت کا بڑا کامل عالم گزرا ہے۔ شاہ جہان کے زمانے میں اس کا پوتا قاضی ابراہیم بلند مرتبے پر فائز تھا اور جہان آباد کا مفتی اور لشکر کا قاضی تھا پھر ٹھٹہ کا امین مقرر ہو کر آیا۔ اس کے رہنے کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے کے خرچ سے حویلی بنوائی گئی تھی مگر جب وہ آیا تو اسے حویلی پسند نہ آئی۔ اس زمانے میں ٹھٹہ کا نواب ایک ہفت ہزاری امیر تھا۔ ہفتے میں ایک دن اس کی حاضری میں آتا تھا جب وہ عام کچہری کرتا تھا اور اس طرح خود بھی ہفتے میں نواب کے پاس جاتا تھا۔ اس قاضی اور مخدوم کے متعلق عجیب و غریب باتیں کتابوں میں لکھی گئی ہیں۔ ایک مصنف نے لکھا ہے کہ ایک دن میں شیخ میرک کو مبارک باد دینے گیا جو بادشاہ کی طرف سے اس کو بڑا عہدہ عطاء ہوا

تھا۔ بہت سے لوگ بیٹھے تھے اچانک ایک شخص فقیرانہ لباس میں وہاں آیا میرک نے اس کی بڑی تعظیم کی پوچھنے پر بتایا کہ یہ شخص بڑا عالم ہے جس کے تابع جن ہیں تیسرے دن میں اس کے مکان پر ملاقات کرنے کی غرض سے گیا۔ میرا سن کر وہ دوسری منزل سے اتر آیا جہاں وہ خلوت میں بیٹھا تھا اور مجھ سے کہا کہ کسی جگہ کام ہے آپ چل کر اوپر بیٹھیں میں بھی آتا ہوں پھر فراغت سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ جب اوپر آیا تو دیکھا کہ مجلس ہو رہی ہے بڑی پگڑیوں والے بزرگ بیٹھے ہیں مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور اونچی جگہ پر بٹھایا تین چار لوگوں کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں بحث چل رہی تھی میں بھی بحث میں شامل ہو گیا کچھ وقت بعد گھر کا مالک آیا سب کھڑے ہو گئے اور میں آگے بڑھ کر اس سے ملا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو تکلیف ہوئی ہو گی میں نے کہا کہ میں ان بزرگوں کی صحبت میں تھا اس نے کہا کونسے بزرگ۔ گردن گھما کے دیکھا کوئی شخص وہاں نہ تھا جگہ خالی تھی۔ میں کانپنے لگا اور بے ہوش ہو گیا اور شیخ مجھے ہوش میں لائے۔ دوسری مرتبہ اس نے چند کنکریاں لے کر ہاتھ میں پھرائیں تو سوتی اور جواہر بن گئے جو تحفہ کر کے بادشاہ کو دیں۔ اس قاضی ابراہیم کے دو نامور بیٹے تھے ایک شیخ امان اللہ جو سیتار کے علاقے میں اپنی جاگیر پر رہتا تھا۔ اور وہ ادھر ہی فوت ہو گیا۔ دوسرا شیخ عنایت اللہ وہ بھی گرد و نواح میں رہتا تھا۔

قاضی کے نواسے محمد یحیٰ، محمد امین، اور شیخ محمد باقر خوشحال تھے۔ اور قاضی کا بھائی محمد کریم نیرون کوٹ میں اپنی جاگیر میں فوت ہو گیا۔ اور اس کا بھتیجا قاضی محمد اکرم بھنور اعلاقے کا قاضی تھا۔ اس کی اولاد سے قاضی عبدالجلیل اور میاں ابوالمعالی تھے آخر اللہ کر ٹھٹہ میں عدالت کا داروغہ تھا اس کے بیٹے یار محمد اور عبدالواسع تھے۔ عبدالواسع ابوالفتح قابل خان کا بھانجا تھا جو اورنگ زیب عالم گیر کا میر منشی تھا۔

(6) مخدوم عثمان ولد مخدوم بہاؤالدین میاں بجن صدیقی حقیقت میں اچ شریف کا رہنے والا تھا اور میرزا جانی بیگ کے زمانہ میں ٹھٹہ آیا اور ملا محمد علی دیوان کا داماد بنا پھر خزانچی مقرر ہوا جب مرزا گرفتار ہو کر اکبر بادشاہ کے پاس دہلی گیا تب وہ بھی اس کے ساتھ گیا جب دوبارہ ملک مرزا جانی بیگ کو ملا تب دوبارہ اس کو پہلے والی نوکری ملی لیکن پیرسنی کے عذر کے باعث اس نے انکار کیا اور کچھ زمین لے کر ٹھٹہ میں گوشہ نشین ہو کر رہنے لگا۔ اس کے چار بیٹے تھے محمد امین، عبدالواسع، عبدالجلیل، اور عبدالمالک۔ بڑا بیٹا شیخ محمد امین اپنی قابلیت کے باعث ہر ایک نواب یا صوبیدار کے پاس

مقبول تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ محمد شفیع، محمد مراد اور محمد رفیع۔ ان سب کو اولاد ہوئی۔ محمد امین کا بھائی شیخ عبدالواسع جعفر خان کا منشی اور خوشنویس تھا۔ اس کا بیٹا عبدالہادی شاہ بندر اور لاہری بندر کا منشی تھا۔ اس کا بیٹا محسن تھا۔ تیسرا بھائی شیخ عبدالجلیل بھی جعفر خان شاہجہانی کے پاس میر منشی تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ محمد محسن اور عبدالعلیم۔ پہلا ٹھٹھ میں خزانچی تھا۔ بعد میں دونوں بھائی دکھن چلے گئے اور وہاں فوت ہوگئے۔ عبدالعلیم کے دو بیٹے تھے محمد ظہیر اور عبدالرشید وہ خزانچی تھا۔ آخر الذکر سنہ 1146 ہجری میں فوت ہوگیا۔ چوتھے بھائی شیخ عبدالمالک کو محمد تقی نامی بیٹا تھا جو حج پر گیا تھا واپس آکر سورت بندر میں رہنے لگا اور ادھر ہی فوت ہوگیا اس کا بیٹا محمد اسعد وہاں پر رہنے لگا۔

(7) مخدوم حامد بڑا عالم اور قاضی تھا اس کے بعد اس کا بیٹا مخدوم صابر اس کا جانشین ہوا پھر اس کا بیٹا مخدوم ابوالبقا اور پھر مخدوم حامد ثانی پھر اس کا بیٹا قاضی محمد امین پھر قاضی حامد ثالث جانشین ہوا۔

(8) قاضی محمد قاسم بڑا عالم اور فاضل تھا اس کا بیٹا قاضی قاضن تو ایک بڑا عالم اور عارف تھا جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے اس کے چار بیٹے تھے۔ محمد یعقوب، عبدالغفار، محمد شفیع اور محمد صالح۔ محمد یعقوب بکھر کا قاضی تھا اس کے تین بیٹے تھے۔ محمد اشرف، محمد رضا اور محمد خلیل۔ محمد اشرف کا بھائی محمد رضا بادشاہی کارخانوں کا امین اور منصبدار تھا۔ اس کا بیٹا محمد نعیم تھا اور اس کا بیٹا محمد رفیع جو جہان آباد رہتا تھا اور اس کو خان کا لقب ملا اور آخر میں ٹھٹھ میں آکر رہا اس کا دوسرا بھائی محمد خلیل قاضی ابوالبقا کا رشتے دار تھا۔ اور قضیٰ کے عہدے پر رہا تھا پھر جہان آباد گیا۔ قاضی قاضن کا بڑا بیٹا عبدالغفار بڑا عالم تھا اور اس کا لقب اسدالعلما تھا اس کے دو بیٹے تھے۔ محمد ظہیر اور محمد قیوم۔ قاضی محمد ظہیر ٹھٹھ کا قاضی تھا پھر لاہور کا قاضی بنا پھر اور نگا بندر کا قاضی اور محتسب مقرر ہوا اس نے لاہور میں وفات پائی۔ بہت سی کتابوں کے حاشیے لکھے اور قاضی محمد قیوم بھی مشہور تھا اس کا بیٹا میاں عبدالمالک ٹھٹھ کا قاضی مقرر ہوا۔

مذکورہ بالا قاضی محمد قاسم کا بھائی ملا احمد۔ شاہ فتح اللہ شیرازی کا شاگرد تھا اور ابوالفضل اور فیض کا ہم سبق تھا جو اکبر بادشاہ کے مشہور درباری تھے۔ کچھ عرصہ کیلئے ٹھٹھ کا قاضی بھی مقرر ہوا مگر اس کی رانک مشہور ہے۔ اس کے بیٹے تھے مخدوم محمد اور مخدوم عمادالدین۔ پہلے ٹھٹھ کا صدر تھا اور بے اولاد تھا دوسرا مخدوم عمادالدین میر عدل مقرر ہوا۔ اس کے دو بیٹے تھے محمد یوسف اور

ابوالفضل۔ محمد یوسف کے محمد حسن اور عبیداللہ دو بیٹے تھے محمد محسن میر عدل اور صدر مقرر ہوا اور نہایت مشہور ہوا اور بڑی عمر میں وفات پائی اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کا نواسہ میاں غلام محمد باقی تھا۔

مولانا داؤد مفتی مذکورہ بالا ملا محمد صدر کا چچازاد بھائی تھا اور عالم تھا اس کا بیٹا مخدوم ابوالقاسم بھی بڑا عالم اور مدرس تھا اور بہت سارے شاگرد تھے عالمگیر بادشاہ نے اس کو وکیل شرعی مقرر کیا تھا سنہ 1113 ہجری میں وفات پائی جو سال "ذھب العلم من السند" سے نکلتا ہے۔ اس کا بیٹا میاں عبداللہ چھ انگلیوں والا مشہور تھا اور بہت نامور تھا پھر اس کا بیٹا محمد امین اور اس کا بیٹا میاں یار محمد بھی صالح مرد تھا دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو گیا ان سے پہلا ابوالخیر تھا جو مشہور عالم تھا۔ نواب قباد خان عالمگیری اس کا شاگرد تھا اس کا بیٹا میاں کرم اللہ تھا اور اس کا بیٹا ملا عبدالشکور جس کا بیٹا محمد صالح تھا یہ سب عالم تھے آخر اللہ کر کی اولاد نہیں تھی۔ ملا محمد جہانگیر بھی قاضی محمد قاسم اور ملا احمد اکبری کے چچا زاد بھائیوں سے تھا وہ پہلے نور جہاں کا استاد تھا پھر مہابت خان کی طرف سے مخالفت کرنے اور دوسرے قصور کرنے پر قتل کیا گیا اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش ٹھٹھ لائی گئی اس کی اولاد نہ تھی۔

(9) ملا محمد دماغی شاہ جہانی جس کو شہزادے کے ٹھٹھ میں آنے کے وقت امام مقرر کیا گیا اور پھر جب شہزادہ بادشاہ بنا تو اس کو بڑا رتبہ عطا کیا گیا اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

(10) مخدوم علی قاری مرزا جانی کے زمانہ میں ٹھٹھ میں آیا۔ عالم فاضل تھا اور اس کا بیٹا عبدالمجید بھی اس جیسا عالم تھا اس کے دو بیٹے تھے عبدالحی اور عبدالرؤف۔ عبدالحی تاجر تھا اور اس کا بیٹا محمد منعم قابل خان کا داماد تھا اور اس کو بڑی دولت اور راحت نصیب ہوئی۔ اس کا بیٹا میاں اسداللہ تھا جو شاعر تھا اور اس کا تخلص "روشن" تھا۔ عبدالرؤف متعدی تھا اور اس کا بیٹا محمد باقر بھی باپ کی طرح رہا۔ وہ بھی ابوالفتح میر منشی کا داماد بنا اور دولتمند ہوا آخری دنوں میں اس کی طبیعت میں انقلاب آگیا مجذوب اور سالک بن گیا اور گھر ویران کر دیا۔ شعر میں "جویا" تخلص کرتا تھا اور شاہی کا لقب ملا۔ اور صاحب دیوان تھا جو موجود ہے۔

(11) مخدوم عبدالجلیل۔ اصل لاہری بندر کا باشندہ تھا۔ مشہور فاضل تھا۔ تین بیٹے تھے۔ ابوالفتح، محمد شریف اور محمد شفیع۔ شاہ جہان کے دور میں جب شہزادہ اورنگ زیب ملتان میں آیا تھا اور شاہ بندر اور لاہری بندر جو اس کی والدہ بیگم کی جاگیر تھے ان کا حساب لے رہا تھا اس نے مخدوم کو ایک

محرر مقرر کیا بعد میں شہزادے کا منشی بنا اور اس قدر قابلیت دکھائی کہ وہ اس پر زیادہ مہربان ہوتا گیا آخر اس کی بادشاہت کے وقت میر منشی بنا اور قابل خان لقب ملا اس کی انشاپردازی مشہور ہے۔ اس کا بھائی محمد شریف بھی قابل آدمی تھا اور جب آخری دنوں میں ابوالفتح گوشہ نشین ہوا تب اس کے بھائی نے اس کی جگہ سنبھالی اور قابل خان بنا۔ اس کی انشاپردازی بھی مشہور ہے۔ ان کا تیسرا بھائی محمد شفیع بھی عالم اور سالک تھا عالمگیر بادشاہ نے اس کا امتحان لیا اور بہت خوش ہوا اور اس کو بڑا مرتبہ عطا کیا۔

(12) مخدوم فیض اللہ۔ بڑا عالم اور بزرگ تھا۔ سید علی شیرازی اور سید جلال اس کے شاگرد تھے ان کی اولاد اس کا ادب کرتی تھی۔ اور تبرک کے طور پر ہر ایک بچے کو پہلی تختی اس سے لکھواتے تھے اگر نامی ایک گاؤں میں رہتا تھا اور اس کے ادب میں سید علی کلاں اور دوسرے گاؤں کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ سوتے تھے۔

(13) مخدوم حمزہ واعظ۔ صاحب کرامت بزرگ تھا۔ کہتے ہیں ایک شخص حاجی حمزہ نامی آخوند محمد باقر طالب علم کے دادوں سے ایک شخص نے بارہ حج کئے اور حرمین میں رہنے لگا۔ جب وطن کی محبت سے مجبور ہو کر آنے کا قصد کرتا تو کسی نہ کسی سبب آنے کا اتفاق نہ ہوتا تھا اس طرح دس سال گزر گئے۔ کسی شخص نے کہا کہ آدھی رات کو ایک آدمی بیت الحرم کے فلاں کونے میں تہجد پڑھتا ہے اگر اس کا دامن پکڑو گے تو تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔ اس نے ایسا کیا وہ شخص مخدوم حمزہ واعظ تھا۔ اس نے دامن چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے نہ چھوڑا۔ آخر مخدوم نے کہا کہ اپنے پاؤں میرے پاؤں پر رکھو اور ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے اور آنکھیں بند کر۔ اس نے ایسا کیا پھر اس کو کہا کہ آنکھیں کھول جب اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ٹھٹھ کے عید گاہ میں کھڑا ہے۔ اور اس کو کہا کہ یہ تمہارا وطن ہے اب گھر جا لیکن یہ بات کسی اور کو نہ بتانا اگر بتائی تو ایمان نہ رہے گا۔ اس مخدوم کے متعلق یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ایک دن کوئی آدمی مکلی کی زیارت کرنے جا رہا تھا تو وطایا فقیر مجذوب سامنے ملا جو زیارت کر کے لوٹا تھا ایک دوسرا مجذوب فقیر بھی مکلی کی طرف جاتا ہوا ملا اس کو وطایا فقیر نے کہا آج اس طرف کیوں جا رہے ہو؟ مخدوم حمزہ نے آج وفات کی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے آرہے ہیں آؤ نماز میں شامل ہو جائیں۔ وہ شخص جب مکلی سے لوٹ کر شہر آیا تب اس کو معلوم ہوا کہ واقعی حمزہ مجذوب فوت ہو گیا ہے اور جا کر نماز جنازہ میں شامل ہوا۔ پہلی تکبیر ہر ایک نے ایک غیبی آواز کی سنی پھر ظاہری امام نے نماز شروع کی۔

(14) مولانا محمد طاہر۔ حقیقت میں شیرازی تھا پھر ٹھٹہ آکر رہا عالم اور فاضل تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے ابو طالب، عبدالغنی اور ابوالفضل۔ ابو طالب اچھا طالب علم تھا اس کے بیٹے شیخ عنایت اللہ نے منصب داری میں باعزت طور پر زندگی گزاری اس کے بیٹے نہیں تھے باقی نواسے تھے جن سے کنگرالہ کے قاضی محمد فاضل کی اولاد اور تحفۃ الکرام کا مصنف تھا۔ عبدالغنی اور ابوالفضل بھی منصبدار تھے۔ ابوالفضل کا بیٹا محمد حسن اکثر وقت جہان آباد میں رہا اور عالمگیر کے دور حکومت سے محمد شاہ کی بادشاہی کے دور تک جواہر خانہ کا نائب تھا اور سنہ 1171 ہجری میں پیر سنی میں وفات پائی اور اس کا بیٹا محمد یار اس کا قائم مقام بنا۔

(15) مخدوم لقمان۔ مرزا جانی بیگ کے زمانے میں شہر کا محتسب تھا اور اس کا پوتا عبدالجلیل خرواری یا اس کا بیٹا محمد سلیم اور اس کا بیٹا محمد اکرم عبدالواحد بڑے معزز تھے۔ مخدوم عبدالرشید بصیر بھی علم کا طالب اور حال اور قال والا تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ میاں آدم متقی اور میاں عبدالنبی خائف اور میاں عبدالرحیم مدرس، میاں لطف اللہ مدرس، مخدوم بہرام مدرس، مخدوم عنایت اللہ مدرس جس کے شاگرد ضیاء الدین اور محمد معین تھے مخدوم طالب اللہ ولد شیخ عبداللہ حقیقت میں بدین والا اور اس کا بیٹا بیگ محمد جن کو عالمگیر بادشاہ نے دس ہزار دام دیگر اور ایک روپیہ روزانہ مدرسہ کے خرچ کے لیے عطا کیا تھا۔ شیخ عبدالرحمان حقانی اور اس کا بیٹا حامد خان یہ سب اشخاص ٹھٹہ میں عالم فاضل مدرس اور معلم تھے۔

(16) مخدوم اسحاق اصل میں گجرات کا رہنے والا تھا اور پھر اگھم کوٹ آکر رہا اور مخدوم اسماعیل سومرو کا مرید ہوا بعد میں ٹھٹہ میں آیا۔ عالم اور کامل شخص تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے میاں احمد اور میاں عباس۔ میاں احمد کو حضرت ﷺ سے کتابی کا خطاب ملا اس کے متعلق مخدوم ضیاء الدین نے لکھا ہے کہ اس کے حجرے کی دیوار پر میں نے خون کے چھینٹے لگے ہوئے دیکھے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اکثر خون کے آنسو روتے تھے یہ اس کے نشان تھے۔ آخری دنوں میں خدا کا خوف اتنا غالب ہوا جو ہمیشہ روتے رہتے تھے۔ مخدوم عنایت اللہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ ان کے شاگرد تھے ان کی کرامات مشہور ہیں ان کے بیٹے میاں محمد درویش اپنے باپ کی جگہ پر مدرس ہوا اور مخدوم ضیاء الدین کے شاگرد تھے۔ مگر مخدوم کی استاد جیسی تعظیم کرتے تھے۔ جھیموں کے گاؤں میں اپنے باپ کے خادم میر محمد منعم کے پاس گئے اور ادھر وفات پائی۔ میاں عباس ولد مخدوم اسحاق صاحب دولت تھے اور صاحب اولاد بھی۔

(17) مخدوم فضل اللہ۔ بڑے عالم و فاضل تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ابوالفتح، محمد حسین اور عنایت اللہ۔ ابوالفتح نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمیت اور قابلیت کی بناء پر ان سے گجرات کی قضا کا پروانہ حاصل کیا پھر سورت بندر کا قاضی مقرر ہوا اور ادھر ہی وفات پائی ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ محمد حسین قرآن کے حافظ تھے اور مدرس ہوئے۔ ان کے بیٹے عبدالرحیم بھی حافظ تھے اور سورت بندر میں بڑے عالم تھے اولاد نہیں تھی۔ عنایت اللہ بھی نیک اور صالح بندے تھے ان کے بیٹے حافظ سعد اللہ حیدرآباد میں کافی عرصہ تک رہے ان کے بیٹے محمد رضا، میاں غوث اللہ اور فتح محمد ٹھٹھ میں رہے۔

(18) مخدوم محمود۔ سالک کامل تھے آگرہ میں رہتے تھے۔ ان کے بیٹے مخدوم حامد باپ کی طرح مشہور تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ مخدوم صالح محمد واعظ اور ملا عبدالکریم تھے مو خرالذکر کے تین بیٹے تھے۔ محمد عابد، میاں جھنڈ اور محمد شاکر جو کن کی طرف رہتے تھے۔

(19) مخدوم آدم۔ بڑے کامل اولیاء اور عالم تھے انہوں نے حرمین کی زیارت کی۔ عورتوں اور مردوں کو ایک ساتھ حرم میں جاتے دیکھ کر وہاں کے لوگوں کو سمجھایا کہ یہ رسم بند کریں لیکن یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری تھا اس لئے اس کو روک نہ سکے۔ مگر جب حضرت ﷺ نے خواب میں اشارہ کیا کہ مخدوم کے حکم کے مطابق دن مقرر کریں جو مردوں کیلئے الگ اور عورتوں کیلئے الگ ہوں اس طرح یہ پہلے والی رسم بند ہو گئی مخدوم ٹھٹھ میں فتویٰ جاری کرتے رہے۔ ان کے دادا میاں ابوبکر صدر مقرر ہوئے تھے ان کی کچھ اولاد باقی تھی۔ مخدوم آدم کے بھائی مخدوم علی احمد قُمری خوش الحان تھے اس لئے قمری کا لقب ملا۔ فاضل اور کامل شخص تھے۔ ان کے بیٹے مخدوم رحمت اللہ طالب علم مشہور تھا اور ان کے بیٹے مخدوم عبدالجلیل بھی فاضل اور کامل تھے۔ مخدوم ضیاءالدین کے داماد تھے اور سنہ 1150 ہجری میں فوت ہوئے ان کے بیٹے میاں محمد صادق اور مخدوم نعمت اللہ تھے۔ محمد صادق عالم تھے اور حرمین کی زیارت کر کے ٹھٹھ میں آئے پھر جھونا گڑھ کی طرف گئے اور وہاں عزت اور آبرو سے وقت گزار کر واپس آئے اور پھر کچھ کی طرف گئے اور ادھر فوت ہو گئے۔ ان کا بیٹا میاں عبدالجلیل تھا۔ مخدوم نعمت اللہ عجیب آدمی تھے بیس برس کی عمر میں تحصیل علم کیا اپنے نانا مخدوم ضیاءالدین اور مولوی محمد صادق کے شاگرد تھے۔ اور سلوک میں سید یار محمد کے شاگرد تھے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ میاں سرفراز خان ولد میاں غلام شاہ کلہوڑا ان کا معتقد تھا سنہ

1170 ہجری میں حج کو روانہ ہوئے مکہ شریف سے قبل سات منزلوں کے فاصلے پر 18 تاریخ ماہ ذیقعد میں فوت ہوئے۔ مخدوم علی احمد قمری کی اولاد سے شیخ عبدالباسط طالب علم تھے اور عالمگیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تمنہ خیر اس کی فتح کی تاریخ میں یہ تاریخ بتائی "ھذا اعطاونا فامن اوامسک بغیر حساب" بادشاہ نے قدرشناسی کر کے ٹھٹھ میں صدر مقرر کیا۔ آخری وقت میں حج کر کے واپس ٹھٹھ میں آئے اور پیرسنی میں بھی شاگردوں کو پڑھاتے تھے۔ ان کے بیٹے محمد اشرف میاں محمد سرفراز خان کلہوڑا کے منشی تھے۔

(20) میاں رحمۃ اللہ مدرس اور صدر تھے۔ عالمگیر بادشاہ نے بہت سارے لوگوں کی درخواستیں آنے پر ان بزرگ کو بلا کر ان کا امتحان لیا اور ان کی علمیت معلوم کر کے ان کو صدر مقرر کیا ان کے بیٹے محمد عابد بھی باپ کی طرح صدر رہا اور ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ کمال الدین مشہور ہوئے اور طالب علم اور شاعر تھے۔ چیچک کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کا سال شاہ عبدالغفور بالکنڈی والے نے یہ نکالا "فاعتبروا یااولی الابصار"۔

(21) شیخ عبدالواسع صوفی۔ بڑے عالم اور صوفی گذرے ہیں ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ نواب میر امیر الدین خان کے استاد تھے۔ "رشحات الفنون" اور "معلومۃ الآفاق" ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ مشکوٰۃ کا اقتباس بھی لکھا۔ مخزن الاسرار کی شرح لکھی۔ جو قاضی ابراہیم کی شرح سے بہتر ہے۔ ان کے بیٹے محمد علی صوفی باپ کی طرح تھا اور بہت سے علوم پر کتابیں لکھیں۔ امامیہ مذہب کے تھے۔ اچھے شاعر تھے تخلص میر کرتے تھے۔ اکثر عشقیہ غزلیں کہتے تھے۔

(22) میاں ابوالحسن وقت کے عالم اور قابل شخص تھے سندھی اشعار اسلام کے عقائد اور فرائض کے مطابق دل نشین پیرایہ میں کہے جس کو آج تک ابوالحسن سندھی کہتے ہیں۔ ان کی کچھ کرامات مشہور ہیں ایک دن میاں عبداللہ عرف میاں موریا جو ان کے بھانجے تھے اور اب تک نوعمر تھے ان کو کہا کہ بیٹا اب جلد داڑھی والے بن جاؤ میں بوڑھا ہو گیا ہوں امامت نہیں کر سکتا تم میری جگہ امامت کرو یہ بات انہوں نے دوپہر کو کی اور اس کی تھوڑی پر ہاتھ پھیرا۔ خدا کی قدرت سے شام ہونے سے پہلے اس کی داڑھی نکل آئی اور مغرب کی نماز کی امامت کی۔ دوسرے وقت کی بات ہے کہ ان کے مریدوں میں سے کسی نے شکایت کی کہ نواب شہامت خان کا ملازم زبردستی میرے گھر میں داخل ہو کر میری بیوی سے گستاخی سے پیش آتا ہے میں اس سے نمٹ نہیں سکتا۔ مخدوم کو اس پر بہت

رحم آیا اس کو کہا کہ شہر تیر اتدارک کرتا ہوں اپنے بھانجے عبداللہ کو کہا کہ پیر پٹھے کو جا کر میرا اسلام کہنا اور اس کو پیغام دینا کہ اس ظالم کا جلد تدارک کرے۔ اس نے جا کر اس طرح کہا اسی رات وہ شخص ان کے مرید کے گھر میں گھس آیا تو پاؤں پھسلنے سے گر گیا زمین میں لوہے کی کیل لگی ہوئی تھی جو اس کے پیٹ میں گھس گئی اس کا پیٹ پھٹ گیا آنتیں باہر نکل آئیں اور جلد ہی مر گیا۔ میاں عبدالقادر جو مخدوم ابوالحسن کے چچازاد بھائیوں میں سے تھے دونوں کے گھروں میں دو بہنیں تھیں ان کے دو بیٹے تھے محمد حنیفا اور عبداللہ۔ محمد حنیفا صالح اور پرہیزگار شخص تھا۔ کہتے ہیں کہ جو غیر مذہب والا شخص ان کا منہ دیکھتا تھا وہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ اس طرح کئی تو مسلم مسلمان ہو گئے۔ اسلام پور والی مسجد اس کے نام پر مشہور ہے۔ مکلی کے دامن میں کاکان مسجد تعمیر کروانے کا بندوبست کیا۔ میاں عبداللہ واعظ جن کو میاں سوریا بھی کہتے تھے وہ بھی بڑے عارف تھے ہمیشہ ذکر اور فکر میں رہتے تھے۔ ان کے بیٹے میاں عبدالقادر بھی واعظ اور حاجی تھے۔

(23) مخدوم ہارون بن مخدوم نجائب بن مخدوم الیاس۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے نواسوں میں سے تھے ان کے بزرگوں کا ذکر دریاہ کے گاؤں میں کیا گیا ہے۔ وہ ٹھٹھ میں آکر رہے اور انہوں نے عالموں کی صحبت میں عمر گزار دی۔ ان کے بیٹے مخدوم ضیاءالدین، مخدوم عنایت اللہ کے شاگرد تھے اور وہ خود بہت سوں کے استاد تھے۔ سنہ 1091 ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور اسی برس کی عمر میں سنہ 1171 ہجری میں وفات پائی انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو فیض پہنچایا۔ ان کے بیٹے میاں یار محمد بھی کامل اور فاضل تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے مخدوم غلام محمد بہت مشہور ہوئے۔

(24) مخدوم رحمت اللہ۔ مخدوم اسحاق بن مخدوم عبدالحمید کے بیٹے تھے۔ ان کا ذکر دریاہ کے بزرگوں میں آیا ہے۔ یہ مخدوم اتفاق سے ٹھٹھ میں آیا اور عالموں کی صف میں مشہور ہو گئے۔ ان کے بیٹے مخدوم آدم باپ کے بعد مدرسہ کا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے بزرگوں کے استاد تھے ان میں سے مشہور مخدوم بایزید تھے جن کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ ان کا ایک بیٹا محمد ذاکر جہان آباد جا کر رہنے لگا دوسرا محمد عالم بھی ادھر فوت ہو گئے۔ تیسرے محمد ناصر حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے اور بندر عباس میں فوت ہو گئے۔ چوتھے محمد اعظم ٹھٹھ میں رہے۔ مخدوم بایزید، اوچ والے مخدوم کے شاگرد طالب علم اور بڑے کامل استاد بن گئے۔ ماں کی طرف سے سید تھے۔ ان کے

بیٹے میاں محمد حافظ طالب علم بنہ کے گاؤں میں جا کر رہنے لگے اور ادھر ہی فوت ہو گئے۔ ان کے بیٹے میاں علی اکبر مشہور ہوئے ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔

(25) مخدوم محمد امین ولد طالب اللہ روپاہ تعلقہ میں والی کے گاؤں میں رہتے تھے۔ ذات کے لاکھو تھے۔ وہ وہاں سے ہجرت کر کے ٹھٹھ آ کر رہنے لگے اور مشہور ہو گئے۔ فاضل خان ان کے والد طالب اللہ کے مرید تھے اس لئے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کرادی اسی طرح ان کو دولت ہاتھ آئی اور فارغ البالی سے زندگی بسر کی۔ ان کا بیٹا محمد معین مخدوم عنایت اللہ کا شاگرد تھا۔ اپنے وقت کا علامہ تھا بہت سے بزرگوں نے اس کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ میاں ابوالقاسم نقشبندی کا مرید ہوا جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ آخری دنوں میں سید عبداللطیف بھٹائی کا مرید ہوا۔ اس میں اور مخدوم حاجی محمد ہاشم کے درمیان ہمیشہ بحث مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں بہت سے حکمران اس سے ملاقات کرنے آتے تھے اور وہ خود بھی ان سے ملاقات کرنے جاتا تھا۔ موسیقی سے آگہی تھی اور سماع پسند تھا۔ اس کی وفات بھی راگ سنتے ہوئی۔ شاعر بھی تھا۔ فارسی میں تخلص تسلیم تھا اور سندھی میں بیراگی۔ اس کی وفات سنہ 1161 ہجری میں ہوئی۔ اس کے لیے صاحب دل لوگوں نے خوب ماتم کیا۔ ان کی وفات کی تاریخیں بہت سے لوگوں نے کہیں۔ محمد محسن نے کہا کہ "قطرہ در بحر واصل شد" اور "معین الدین احمد رفت صد حیف"۔ مخدوم نوت اللہ نے کہا کہ "شفیع تو رسول"۔ محمد پناہ راجا نے کہا کہ "ناجی شد او کہ آل محمد معین اوست" کہتے ہیں کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اپنے مریدوں سے کہا کہ آؤ اب ٹھٹھ چل کر اپنے یار کا آخری دیدار کریں۔ ادھر آکر راگ کی مجلس کی مخدوم بھی حاضر تھا راگ بہت خوب جما۔ عین ذوق اور شوق کے عالم میں مخدوم اٹھ کر اندر گیا اور اسی لمحے اس کی روح پرواز کر گئی۔ شاہ صاحب بھی جنازے کے ساتھ گئے اور تدفین کے بعد واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

(26) مخدوم عنایت اللہ جس کا شاگرد مخدوم معین تھا۔ وہ صاحب کرامت اور حافظ تھا۔ پیری سنی کے باعث نابینا ہو گیا تھا پھر بھی آخری دم تک لوگوں کو فیض پہنچاتا رہا اور وعظ کی مجلس منعقد کرتا تھا۔ اس کے بیٹے محمد سعید واعظ اور مولوی محمد صادق بھی مشہور تھے۔ آخر الذکر مخدوم محمد معین کا شاگرد تھا اور اس کے اور بھی بہت سے شاگرد تھے اور سید عبداللطیف بھٹائی کا مرید تھا۔

(27) مخدوم حاجی محمد ہاشم ولد عبدالغفور سندھی اصل میں ایک دیہاتی تھا اور مخدوم ضیاء الدین کا شاگرد تھا بعد میں ایک جید عالم بن گیا اگرچہ وقت کے علما مخدوم محمد معین اور بعض

دوسروں سے علمی بحث پر مخالف تھا پھر بھی احیاء شریعت پر کار بند تھا مگر دینی اور اسلامی کاموں میں مددگار رہا اور دین کے خلاف باتیں کرنے والوں سے خوب مقابلے کئے۔ اس کے زمانے میں سیکڑوں لوگ مسلمان ہوئے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ اور دوسرے بادشاہوں سے اس کی خط و کتابت جاری رہی اور جو کچھ لکھتا تھا اس پر وہ عمل کرتے تھے اس کی کتابیں مختلف علوم پر لکھی ہوئی ہیں سنہ 1174 ہجری میں وفات ہوئی۔ اس کا بیٹا حاجی عبدالرحمن جوناگڑھ گیا اور وہاں پر فوت ہو گیا اور دوسرا مخدوم عبداللطیف باپ کا جانشین بنا وہ ہر روز عصر کی نماز کے وقت مسجد میں وعظ کرتا تھا اور حدیث کی تعلیم دیتا تھا۔ جمعہ کے روز جامع مسجد میں وعظ کرتا تھا درس بھی جاری رکھا۔

(28) حاجی محمد قائم بھی ایک دیہاتی تھا اور مخدوم رحمت اللہ کا شاگرد تھا اور میاں محمد ہاشم کا عزیز تھا یہ بھی علماء سے بحث کرتا تھا حج بھی کیا دوسری مرتبہ حج کرنے کیلئے تیار ہو کر مکہ مکرمہ جا کر رہا اور وہاں پر احادیث بیان کرنے اور سکھانے لگا۔ وہاں کے علماء میں مشہور ہوا سنہ 1157 ہجری میں فوت ہو گیا یہ سال "فی جنات تجری" سے نکلتا ہے۔ اس کے شاگردوں میں ملا باقر واعظ اور مخدوم نور محمد نصر پور والے ہیں۔

(29) محمد باقر واعظ ولد خلیفہ محمد رضا مخدوم حاجی محمد قائم کے شاگردوں سے تھا۔ اگرچہ مسکین تھا پھر بھی قناعت اور کفایت سے دروازہ بند کر کے گوشہ نشین ہو کر زندگی بسر کرتا تھا اور دنیا کے لوگوں سے واسطہ نہ رکھتا تھا۔ شیخ شکر اللہ نے اس کے لئے میاں نور محمد کلہوڑا کی سرکار سے وظیفہ مقرر کرایا لیکن یہ بھی قبول نہ کیا فقر اختیار کر کے غربت میں اپنی زندگی گزاری۔ میاں غلام محمد طالب العلم بھی مشہور فاضل تھا اور ہمعصروں میں اس جیسا کوئی نہ تھا۔ جوانی میں فوت ہو گیا کوئی اولاد نہ تھی۔

(30) آخوند محمد باقر ولد آخوند عبدالواسع حاجی حمزہ اوپر بیان کئے گئے کی اولاد سے تھا بڑا عالم و فاضل تھا اور درویش صفت تھا بہت سارے لوگوں کو فیض پہنچایا۔ اسی برس کی عمر میں فوت ہو گیا اور ساری عمر مجرد رہا۔

madblib.org

باب ہفتم

ٹھٹہ کا بیان

حصہ تیسرا۔ اولیاء، سالکوں اور دوسرے مشاہیر لوگوں سے متعلق

(1) ملا شیخ اسحاق دراصل اچ شریف کا رہنے والا تھا بعد میں ٹھٹہ آیا۔ سید علی شیرازی کا ہمعصر تھا۔ وفات کے بعد مکلی میں دفن کیا گیا۔ اس کا مزار زیارت گاہ ہے۔ اس کی اولاد میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت پیر کا خلیفہ تھا اور جنات قبضے میں تھے اس کے بعد اس کا بیٹا شیخ محمد صالح مشہور ہوا انکے بعد شیخ نعمت اللہ ہوا۔ اس کے بیٹے خلیفہ اسد اللہ، خلیفہ نعمت اللہ، خلیفہ جان محمد قائم مقام ہوئے۔ ملا محمود راہوتی شیخ اسحاق کے دوستوں اور معتقدوں میں سے تھا۔ کہتے ہیں کہ شیخ اسحاق نے حضرت غوث الثقلین کے حکم سے کچھ لکھ کر اپنی پگڑی میں رکھا جو کوئی اس کو دیکھتا تھا وہ اس کا مرید ہو جاتا تھا جب مریدوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور وہ اس ہجوم سے تنگ آگیا تو وہ کاغذ اپنی پگڑی سے نکال کر کسی دوسرے مرید کی پگڑی میں رکھا اس کے بعد اس کا کوئی نیا مرید نہ ہوا جو پہلے والے مرید تھے وہ حضرت غوث کے خلیفہ ہو گئے۔

(2) خلیفہ ابوالبرکات۔ اصل گجرات میں شاہ حافظ اللہ گجراتی کا مرید تھا۔ کہتے ہیں کہ شاہ حافظ اللہ نے اس خلیفہ اور شیخ یعقوب کو حکم دیا کہ ہمارے دادا کے چچازادوں سے سید عبداللہ مکلی کی پہاڑی پر مدفون ہے اس کا مزار شہید ہو گیا ہے اس کی مرمت کرو۔ وہ دونوں مل کر ٹھٹہ آئے اور اس ولی کی قبر ظاہر کی۔ الغرض خلیفہ ابوالبرکات نے بڑی عزت، برکت اور کرامت سے زندگی گزاری۔ اس کا بیٹا خلیفہ محمد سعید جانشین ہوا۔ یہ بزرگ جب صغیر تھا تب حجرے میں سوتے وقت بھی اس سے ظاہری ذکر کی آواز آتی تھی۔ خلیفہ داؤد اصل صدیقی تھا اور اس کے بزرگ قادری خلیفہ تھے۔ یہ کامل شخص تھا۔ اس کا بیٹا خلیفہ عبدالرشید باپ کی طرح مشہور ہوا۔ پھر خلیفہ زین العابدین کا جانشین ہوا۔ دروازہ بند کر کے گوشہ نشین رہتا تھا اور لوگ دعا کے لیے اس کے دروازے پر آتے تھے اور لوٹ جاتے تھے۔ مناجاتی شعر کہتا اور پڑھتا تھا سنہ 1148 ہجری میں وفات پائی۔

(3) شاہ ابوالقاسم شیخ۔ عبداللہ انصاری کی اولاد سے تھا اور ہرات سے ٹھٹہ آیا۔ بہت بزرگی سے زندگی گزاری ان کے بعد ان کا بیٹا شاہ محمد یعقوب جانشین ہوا۔ پھر اس کا بیٹا محمد یوسف بعد میں میاں نعمت اللہ جانشین ہوا اس کے دو بیٹے تھے۔ شاہ عزت اللہ اور شاہ اسد اللہ۔

شاہ عزت اللہ عالمگیر بادشاہ کی ملازمت میں رہا اور برہانپور میں شادی کی اور اولاد ہوئی ان سے شاہ حسن اللہ اپنے چچا اسد اللہ کے بلانے پر ٹھٹہ میں آیا اور ادھر رہنے لگا شاہ اسد اللہ کی وفات پر وہ شاہ مسعود کے ساتھ جہان آباد گیا اور وہاں سے شاہ غلام محمد کے ساتھ واپس ٹھٹہ آیا اور فقیر بن کر رہا۔ شاہ اسد اللہ عرف شاہ اسماعیل صوفی شاہ عاشق اللہ کا مرید ہوا۔ جو حال ہی میں ہند سے آیا تھا اور شاہ عنایت اللہ صوفی کا ہم صحبت اور معتقد تھا اور وہ صاحب کرامت تھا۔ ایک دن اچانک اس کی حالت بدل گئی ایک دم گدڑی منگا کر خود کو ڈھانپا آخر معلوم ہوا کہ کوتوالی کے چبوترے میں کسی آدمی کو چابک مار رہے تھے اس کے اثر سے اس کے بدن پر چابک کے نشان بن گئے۔ اس نے بہت سے مریضوں کو مرنے سے بچایا اگرچہ حکیم ناامید ہو کر چلے جاتے تھے ہمیشہ استغراق میں رہتا تھا۔ مثنوی مولانا روم پڑھاتا تھا۔ ہر سال اس کے مقبرے پر میلا لگتا تھا۔ اسکی کوئی اولاد نہ تھی۔ شاہ مسعود، جس کا نام اوپر دیا گیا ہے وہ ذات کا دلہاری تھا۔ شاہ اسماعیل صوفی اس کا مرید تھا۔ ظاہری علم حاجی محمد قائم سے پڑھا پھر مثنوی شروع کی۔ شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد اس کے اشارے پر جہان آباد گیا اور شاہ غلام محمد کی خدمت میں رہا پھر ٹھٹہ آیا اور وہاں پر صوفیوں کا بڑا سلسلہ قائم رکھا۔ شاہ عبداللطیف صوفی بھی تصوف میں رہبر کامل تھا۔ شاہ اسماعیل معنوی کے دوستوں میں سے تھا اس کو شہرت پسند نہ تھی۔ ورنہ کئی مرتبہ اس سے کرامات ظاہر ہوئیں۔ ایک دن مخدوم محمد معین اس سے ملاقات کیلئے آیا باتوں باتوں میں راگ کے سروں کا ذکر چل نکلا مخدوم کو کہا کہ مجھے بھی راگ کا شوق ہے کبھی کبھی یہ شغل کرتا ہوں پھر ایک ایسا راگ گایا جس کی آواز اور مضمون کے اثر سے حاضرین مجلس وجد میں آ گئے۔

(4) شیخ محمد یعقوب۔ شاہ حافظ اللہ گجراتی کا مرید تھا اور وہ خلیفہ ابوالبرکات کے ساتھ ٹھٹہ میں آیا اور مرشد کے اشارے پر شاہ عبداللہ کی قبر مکلی میں ڈھونڈلی جس طرح اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ فقہ اور فنا میں وہ بڑے اولیاء میں سے تھا۔ تین نامور اولیا اس کے مرید بنے ایک شیخ عثمان دوسرا اللہ درس تیسرا درس امین محمد اس شیخ کو کوئی اولاد نہ تھی۔ شاہ عبداللہ کے قدموں میں دفن ہوا ہے اور زیارت گاہ عام ہے۔ شیخ عثمان بڑے امیر اور عہدیدار اس کے مرید تھے مگر اس کو فقر کا شوق تھا اور دنیا کو

ترک کیا تھا پیر نے اس کو کمال فیض پر پہنچایا اور ربقادولی کا لقب عطا کیا۔ بہت سی کراماتیں ظاہر کیں۔ اس کا بیٹا میاں ملوک شاہ باپ کی طرح تھا اس کا بیٹا میاں شیریں محمد بھی نامور تھا اور اس کا بیٹا میاں عبدالخالق پھر میاں عبدالواحد، شیخ یعقوب بھی مشہور تھے۔ شیخ یعقوب کا دوسرا دوست اور مرید درس اللہ تھا جو خلیفہ شیخ بایزید کی اولاد سے تھا اور ساکرہ کے گاؤں رسول آباد کا رہنے والا تھا۔ اکثر پہاڑی لوگ جو شیخ بایزید کے مرید تھے وہ اس کے معتقد ہو گئے۔ غوث الثقلین کے اشارے سے ٹھٹھ میں آیا اور خواجوں کو اسلام پر لایا اور خواجوں کی قوم کا محلہ جس کو نور سیہ کہتے تھے اس میں حاجی محمد قائم والی مسجد کے نزدیک آکر رہنے لگا تھا۔ شیخ یعقوب کا تیسرا دوست اور مرید درس امین محمد تھا وہ بھی صاحب کرامت تھا اس کی قبر سکلی کے دروازے کے باہر ہے اور عید کے ہر دن اس پر میلا لگتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ یعقوب اپنے ان تینوں دوستوں کے ساتھ جلسہ پیر والے میدان پر اوپر والی مسجد کے سامنے نسبت کیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد درس اللہ وہاں سے نکل کر مغلواڑہ میں آکر رہا۔ اور اس کی اولاد بعد میں ادھر رہتی آئی۔ اور صاحب کرامت تھا اس کا بیٹا شیخ ابراہیم بھی باپ کی طرح تھا پھر اس کا بیٹا میاں احمد اپنے بزرگوں کا جانشین ہوا پھر اس کا بیٹا خلیفہ بھگر بعد میں اس کا بیٹا خلیفہ چھتا ہوا۔

(5) حاجی محمد حافظ دوبہ۔ اس کے بزرگ دوبہ گاؤں کے رہنے والے تھے جو بکھر کے قریب تھا بڑا بے نظیر درویش تھا اس کا بیٹا شیخ محمد بہت دن تک سفر میں رہا اور بہت سے علوم میں مہارت حاصل کی۔ علم حکمت و طب میں ماہر تھا ان علوم پر کتابیں لکھیں۔ آنکھوں کی بیماری پر ایک عمدہ کتاب لکھی لیکن پوری نہ کر سکا سنہ 1174 ہجری میں فوت ہو گیا اس کا چچازاد بھائی میاں نور محمد جو میاں عبداللہ عرف میاں موریا کا شاگرد تھا۔ مشہور واعظ تھا اور بارہ برس تک میاں ملوک شاہ کی مسجد میں وعظ کرتا رہا اور سنہ 1176 ہجری میں فوت ہوا۔ حاجی محمد حافظ کے چچازاد بھائیوں سے میاں محمد فضل اور میاں محمد صابر اور اس کا بیٹا میاں محمد قاسم کامل فقیر تھے۔ محمد قاسم کی سنہ 1150 ہجری میں وفات ہوئی۔ ملا حاجی محمد طاہر بھی کامل درویش تھا اور سید رحمت اللہ عرف سید مہتو شیرازی شکرالہی کا ہمعصر تھا دونوں کے مرید خادم رہتے آئے اور ان کی اولاد کا سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا ہے۔

(6) مخدوم آدم نقشبندی عرف مخدوم آدو۔ اس دوسرے مخدوم آدم کا ہمعصر تھا جس کا ذکر مخدوموں کے بیان میں آیا ہے۔ جب اس مخدوم کا نام مشہور ہوا تب اس نے خود کو آدو کہلوایا

کیونکہ دونوں ایک ہی شہر میں رہتے تھے اس لئے اس کو خیال آیا کہ کہیں لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہتے ہیں کہ ایک ملا آخوند یوسف جو مسجد کا امام ہوتا تھا مخدوم آدو بھی اسی میں نماز پڑھتا تھا اور اس کے آنے سے پہلے آخوند تکبیر نہ کہتا تھا ایک دن میاں ابو بکر صدر ولد مخدوم آدم نماز پڑھنے آیا تو دیکھا کہ نماز پہلے ہی پڑھی جاچکی ہے۔ ملا کو دھمکایا اور کہا کہ کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتے ہو تمہیں اس مسجد کی امامت سے موقوف کیا جاتا ہے۔ اس بیچارے نے مخدوم آدو سے جا کر شکایت کی اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں تو اپنی جگہ کی دوسری منزل پر جا کر قرآن شریف پڑھ صدر خود بہ خود آئے گا پھر جب تک تیرا مقصد پورا نہ ہو جائے تب تک مصالحت نہ کرنا۔ آخوند یوسف نے ایسا ہی کیا اچانک میاں ابو بکر صدر کو پیٹ میں درد ہو گیا اس نے محسوس کیا کہ جس کو ناراض کیا تھا اس سے ایسا ہوا ہے اس نے آدمی بھیج کر آخوند کو بلوایا لیکن اس نے آنے سے انکار کر دیا تب پالکی میں سوار ہو کر ملا کے در پر آگیا اور درد سے کراہنے لگا، آخوند لا تعلق ہو کر قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا۔ آخر بہت آہ و زاری کے بعد جب چھ مہینے کی تنخواہ پیشگی اور خلعت ملی تب راضی ہوا اور نیچے آکر پانی پر کوئی دعا دم کر کے پلایا تو اس کا درد ختم ہو گیا۔ مخدوم آدو کا بیٹا محمد اشرف اس کا جانشین بنا پھر مخدوم محمد۔ اس کے پورے نام کی ترتیب اس طرح تھی محمد اشرف اولاد آدم، مخدوم محمد اشرف کا داماد، مخدوم محمد صادق نقشبندی تھا۔ وہ بڑا صاحب علم تھا اور شاہ عبداللطیف بھٹائی تارک کا مرید تھا۔ اس کا بیٹا میاں غلام حسین جس کو مخدوم ابوالحسن بھی کہتے تھے وہ حرمین شریفین گیا اس کی وفات کے بعد مخدوم محمد حیات سندھی جو مدینہ منورہ میں مدرس تھا اور بڑا عالم شمار کیا جاتا تھا۔ مخدوم ابراہیم نقشبندی اصل لوہری کا رہنے والا تھا اور بڑا درویش اور صاحب کرامت تھا۔ اس کا بیٹا میاں ابو بکر جس کو نالے چنگا بھی کہتے تھے وہ بھی مشہور تھا کہتے ہیں کہ جب اس نے وفات پائی اور جنازہ لے کر چلے تب شہر سے لے کر مکلی تک ایک عجیب قسم کی آواز والے پرندے اور اتنی تعداد میں اڑتے ہوئے چلے کہ ان کے سایہ سے سورج کی روشنی ڈھک گئی۔ میاں ابو بکر کی جگہ پر اس کا بیٹا گل محمد جانشین بنا۔ میاں ابوالقاسم نقشبندی ولد درس ابراہیم اپنے باپ درس ابراہیم کی مسند پر بیٹھا جو شیخ بہاؤالدین ذکریا کا مرید تھا اور پہلے پھل ٹھوہ آکر رہا۔ میاں ابوالقاسم بھی حال اور قال کا صاحب تھا اور بہت سے لوگوں کو فیض پہنچایا اور بہت سی کرامات دکھائیں۔ اس کا بیٹا میاں احمد جوانی میں فوت ہو گیا۔ میاں کبیر محمد نقشبندی، مخدوم آدو جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے ساتھ خواجہ معصوم شاہ ثانی کے مرید ہوئے جو سرہند میں رہتا تھا۔ اس کے

بعد خواجہ نقشبندی کی خدمت میں رہ کر کمال حاصل کیا پھر ٹھٹہ میں آئے اور دوسروں کو فیض پہنچانے لگے۔ اس مخدوم کے دو بیٹے تھے ایک میاں محمود دوسرا میاں محمد زمان۔ آخری باپ کا جانشین بنا اس کے بعد اس کا بیٹا میاں احمد جانشین بنا اس کے مصاحبوں سے درس عبدالرحیم تھا جو بڑے حال اور چال والا تھا۔ درس عبدالکریم اور مرزا جان بھی بڑے عارف اور سالک تھے اور صاحب کرامت تھے۔ یوسف سستو بھی درویش تھا اور سندھی زبان کا شاعر تھا۔

(7) سید یار محمد اصل ٹکھلوی سید تھا اور بنے گاؤں کا رہنے والا تھا نورائی کے پیرزادوں کی اولاد سے تھا اور شاہ عبداللہ ہندی کا مرید تھا جو خود شاہ کلیم اللہ صاحب کا مرید تھا جس کی کتاب "مشکول" مشہور ہے۔ بڑا کامل شخص تھا اور لوگوں کو فیض پہنچایا سنہ 1177 ہجری میں رمضان مہینے کی 13 تاریخ کو فوت ہو گیا اس کا بھتیجا میر چھٹن اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے خاص مریدوں سے میاں محمد کریم ولد میاں عبداللہ عرف موریا واعظ تھا۔

(8) آقا محمد تاشقندی ایک نہایت ہی قابل شخص تھا۔ مرزا جانی بیگ کے دور حکومت میں ٹھٹہ آیا اور فرنگی قبیلے میں مل گیا اس کا بیٹا محمد رضا بیگ پھر اس کا بیٹا محمد زمان بیگ اور اس کا بیٹا محمد بیگ سب خوشحال رہے۔

(9) شیخ موسیٰ ولد شیخ جمال الدین محدث اصل میں بندر لھر صدیقی میں رہنے والا تھا۔ خوشحال رہتا تھا اس کا بیٹا شیخ عبدالغنی مشہور تاجر تھا اس کا بیٹا شیخ عبدالخالق شاہ جہان بادشاہ کے زمانہ میں ٹھٹہ کا امین اور خزانچی تھا۔ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں کسی سبب سے استعفیٰ دیا۔ گزارہ کیلئے ہزار دام ملتے تھے جن پر کفایت شعاری سے گزارا کرتا تھا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے ایک شیخ محمد امین جس کے دو بیٹے محمد تقی اور محمد میر نواب سیف اللہ خان کے زمانہ میں شاہزادہ صفوی کے ساتھ جہان آباد گئے اور وہاں پر فوت ہو گئے۔ اور محمد انور ٹھٹہ میں رہا اور سنہ 1179 ہجری میں پچاس برس کی عمر میں فوت ہو گیا اور مجرد تھا۔ دوسرا شیخ محمد جواد جس کے چار بیٹے تھے اور بہتر طور پر زندگی گزار گئے، تیسرا محمد نعیم جو حکمرانوں کی ملازمت میں رہا اور سنہ 1145 ہجری میں خدا آباد میں فوت ہو گیا یہ بھی مجرد تھا۔ چوتھا شیخ محمد مکرم یہ بچپن میں فوت ہو گیا۔ پانچواں شیخ عزیز اللہ یہ فقیر دوست تھا اور اکثر اوقات سفر میں رہتا تھا سنہ 1152 ہجری میں فوت ہو گیا اس کی کوئی اولاد نہ تھی یہ سب تحفۃ الکرام کے مصنف کے نانا کے بھائی تھے۔

(10) شیخ عبدالغنی مشہور شخص گزرا ہے اس کا بیٹا مخدوم نور محمد ایک عالم تھا۔ اس کا بیٹا شیخ عبدالغنی ثانی منصبدار تھا اور عالمگیر کی حکومت سے فرخ سیر کی حکومت تک منشی اور شاعر رہا۔ ٹھٹہ کے اکثر شریف لوگ مشاہیر کہ محمد افضل، میر کامران اور دوسرے اس کی صحبت میں آتے اور ادب سے بیٹھتے تھے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ اس کا بھائی شیخ محمد سعید بھی اس کی طرح قابل تھا اور جہان آباد میں رہتا تھا اور ادھر ہی فوت ہو گیا۔

(11) شیخ ابو طالب قریشی صدیقی۔ کامل مرد اور عجیب انسان تھا۔ اس کا بیٹا شیخ ابو الفتح دائی جاگیرات کا امین مقرر تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی مہر والا ایک کاغذ شاہجہان بادشاہ کی نظر سے گزرا مہر جعلی نظر آئی اور کہا کہ کہ ابو الفضل کی مہر ہے تو ایسی جعلی اور ایک مرتبہ کیوں ہوئی اگر کسی دوسرے نے لگائی تو یہ اس کو ملی۔ بڑی عمر والا گزرا ہے اس کا پوتا شیخ محمد زاہد اس کی نشانی تھا۔

(12) داروغہ کبر ترخانی اس زمانے میں بڑا سرکاری ملازم تھا۔ محمد علی دیوان ترخانی اس کا داماد تھا آسودہ حال تھا اس کا بیٹا عبدالواسع اور اس کا بیٹا محمد رضا بھی مشہور تھا اور محمد رضا شاہ عبدالکریم بلڑی والے کا مرید تھا۔ کتاب بیان العارفین، تنبیہ الغافلین جس میں اوپر والے سید کا ذکر آیا ہے اور ملفوظات دیئے گئے ہیں وہ اس کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب سنہ 1038 ہجری میں لکھی گئی ہے۔

(13) ملا حسین ملائی بڑا مدرس تھا شیرازی سیدوں کے محلے میں رہتا تھا۔ لاتعداد مرید تھے جن کو فیض پہنچایا۔ اس کا بیٹا ملا سروری باپ کی طرح لائق تھا بعد میں اس کا بیٹا مولانا محمد حسین جس کو جانباز بھی کہتے تھے بڑا مشہور ہوا اور اچھا شاعر بھی تھا کہتے ہیں کہ ایک خوبصورت لڑکے پہ عاشق ہوا جس نے اس کو جان سے مار دیا۔ مرنے سے تین دن پہلے اس نے یہ بات اپنے شعر میں بیان کی تھی۔

(14) ملا بلاول مشہدی اور اس کا بیٹا ملا طاہر اور اس کا بیٹا ملا الہڈنا بھی بہترین عالم تھے۔ ملا الہڈنا تو شاعر بھی تھا کہتے ہیں کہ جو کچھ گھر میں موجود ہوتا تھا وہ خدا کی راہ میں دے دیتا تھا اور خود توکل پہ رہتا تھا۔ پلے کے علاوہ اور کچھ نہ کھاتا تھا اس لئے پلا قلی کہا جاتا تھا۔ اس کا بیٹا مولانا محمد حسین مشہور عالم تھا اور اس کا بیٹا محمد صادق بھی ایسا ہی عالم تھا اور شیخ عبدالغنی کا شاگرد تھا۔

(15) منشی عبدالرؤف اصل میں بڑھئی تھا علمیت میں کمال حاصل کیا شاہ جہان بادشاہ کے عہد کے آخری دنوں میں اور عالمگیر عہد کے شروع میں حاکموں کے پاس منشی اور انشاپردازی میں

لاثانی تھا۔ ابراہیم لاکھاوئی بھی عالم تھا اور شاہ جہان بادشاہ کے بیٹے دارا شکوہ کا استاد تھا۔ عبدالرحمن سیفی قادری تعویزات کے علم میں لاثانی تھا۔ بادشاہ عالمگیر نے اس کے عجیب و غریب کام آکر دیکھے، ''سنبا'' اور دوسرے کافروں کے تباہ کرنے میں اس کے علم کی مدد حاصل کی۔ اس لیے اس کا لقب سیف الرحمن سنبا کش رکھا گیا۔ اس کا بھتیجا میاں محمد رفیع بھی اس علم میں مہارت رکھتا تھا۔ محمد شریف ولد میاں بیگ محمد بھی علم تعویزات میں استاد تھا۔ لیکن غربت میں گزار کر اس جہان کو چھوڑا اس کا نواسہ قمرالدین اس کا یادگار رہا۔ شیخ بیگ محمد فاضل خان صدر الصدور کا داماد تھا۔ دولتمند اور نہایت صاف دل انسان تھا اس کا بیٹا شیخ محمد رفیع اس کی یادگار تھا۔ ملا یوسف قابل مدرس تھا اس کا بیٹا ملا عبدالرسول فصاحت اور بلاغت کے سبب مشہور ہوا۔ کتاب ''نفائس الافکار فی عرائس الابکار'' اس کی تصنیف ہے جس سے اس کی قابلیت عیاں ہے۔ محمد صالح ایک دوسرا صالح اور فاضل شخص تھا جس نے کتاب ''دستورالسیاق'' لکھی یہ اصل میں سیوستان والے قاضی دتہ کی اولاد سے تھا اور ٹھٹہ میں آکر رہا۔ محمد عارف وکیل شرعی اکثر وقت ہند میں رہا۔ نواب مہابت خان کاظم کے بچپن کا استاد تھا اور اس کے دور میں ٹھٹہ میں آیا۔ ملا محمد فاضل سولہ ٹھٹہ کا رہنے والا تھا قابل تھا اور شاعر تھا۔ آخوند محمد یعقوب پارسی خوان قابل استاد اور مدرس تھا۔ بھدرہا اور پیری میں وفات ہوئی رات دن عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ شیخ موسیٰ نصرپوری نومسلم تھا اور ٹھٹہ کے منصب داروں میں سے تھا۔ سلوک اور معرفت والا شخص تھا۔ شاہ عنایت اللہ صوفی والی جنگ میں شہید ہوا۔

(16) شیخ عبدالرحمن ولد شیخ عبدالہادی مخدوم عثمان اس وقت کے بزرگ کی اولاد تھا اور مخدوم اسماعیل سومرہ کا ہمعصر تھا جو مخدوم عثمان کا دادا تھا۔ مخدوم حسام الدین جو ملتان کے حسام پور شہر کا رہنے والا تھا۔ اس کی اولاد سے تھا۔ اس کے بیٹے شیخ محمد محسن، حاجی محمد اشرف اور عبدالہادی تھے۔ شیخ نظام الدین اور شیخ سراج الدین نور محمد بکھری والے کے نواسے تھے۔ ان کا بھتیجا میاں قمر الدین نادر بادشاہ کے زمانہ میں متصدی تھا اور مشہور گزرا ہے۔

(17) فاضل خان جس کا اصل نام ملا عثمان تھا وہ کھل سمیجو کے گاؤں کا رہنے والا تھا اور مخدوم طالب اللہ کا مرید تھا جو مخدوم محمد معین کا دادا تھا ٹھٹہ میں آکر رہا اور تحصیل علم کے بعد جہان آباد گیا قابل خان میر منشی کے مرنے کے بعد وہ میر منشی اور صدر الصدور مقرر ہوا۔

(18) محمد شفیع ولد مخدوم عبدالرحیم بدین کے عالم اور عارفوں سے تھا اور ٹھٹھ کا مفتی مقرر ہوا بعد میں جہان آباد میں رہنے لگا۔ اس کے دو بیٹے تھے شیخ نعمت اللہ اور شیخ غلام حسین یہ وہاں کے مفتی اور نائب قاضی مقرر ہوئے اس کے ٹھٹھ میں دو اور بیٹے بھی تھے شیخ عطاءاللہ اور شیخ عنایت اللہ۔ یہ دونوں ٹھٹھ کے مفتی بنے۔ شیخ عطاءاللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد کریم باپ کی زندگی میں ہی مفتی بنا۔

(19) شیخ عبدالحمید صاحب کمال شخص تھا جن اس کے تابع تھے اس لئے جناتی کہلاتا تھا۔ اس کا بیٹا شیخ محمد میر جوانی میں گجرات گیا تھا وہاں پر باعزت طور پر زندگی بسر کر کے فوت ہو گیا اس کے دو بیٹے شیخ محمد مرید اور شیخ محمد کریم سنہ 1156 ہجری میں سیر سفر پر نکلے اور سورت بندر تک گئے۔

(20) شیخ محمد زمان مشہور منصبدار گزرا ہے اس کے بیٹے کاظم خان اور قاسم حسن خان بھی مشہور ہوئے۔ کاظم خان بادشاہ کا دیوان تھا اور اس کے نواسے محمد رفیع اور محمد اعظم شاعر تھے۔ قاسم حسن خان بڑا طالب علم اور نیک آدمی گزرا ہے اس کا بیٹا میاں محمد علی نامی اس کا یادگار تھا۔

(21) شیخ محمد مرید اصل میں ہندو تھا پھر مسلمان ہوا۔ سیوستانی قانون گو تھا۔ ٹھٹھ میں عالمگیر بادشاہ کے عہد میں قانون گوئی کے عہدے پر فائز تھا بالکل نیک اور عارف شخص تھا اس کے دو بیٹے تھے ایک شیخ محمد محفوظ جو نواب غلام شاہ خان کے ساتھ بادشاہ تک وکیل بن کر گیا تھا۔ شعر میں استاد تھا اور ”سرگوش“ تخلص تھا۔ اس کا بیٹا شیخ قمرالدین بھی بادشاہی لشکر کا وکیل بنا اور لشکر میں رہا وہ بھی شاعر تھا ”عشرت“ تخلص کرتا تھا۔

(22) مرزا شاہ کام یہ بھی اصل میں ہندو تھا بعد میں مسلمان ہوا بادشاہ کے منصبداروں میں سے تھا اور مشہور شخص تھا اس کا بیٹا محمد سرفراز بھی چالاک آدمی تھا جوانی عشق اور عاشقی میں گزاری سنہ 1169 ہجری میں فوت ہو گیا۔

maablib.org

باب ہشتم

ٹھٹہ کا بیان

حصہ چوتھا شعراء اور کتابوں کے متعلق

اس سے پہلے بعض بزرگوں اور مشاہیر کا بیان دیا گیا ہے اور جو کوئی بھی شاعر، خوشنویس اور کاتب تھا اس کی نشان دہی کی گئی ہے اس باب میں بعض دوسرے لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فصل اول۔ شعراء سے متعلق

(1) محمد مقیم۔ ترخانوں کے دور میں میرزا جانی بیگ کے ساتھ اکبر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کتاب ترنم عشق نظم میں تصنیف کی۔ سوہنی اور مینڈھرے کا قصہ مثنوی میں پیش کیا۔

(2) ملا عبدالرسول۔ اصل میں لاہور کا رہنے والا تھا مشہور فقیہہ اور اچھا شاعر تھا مرزا غازی کو اس کا شعر اور اس کی صحبت بہت پسند تھی۔ اپنے اخراجات پر اس کو اپنے وطن سے بلوا کر اپنے ساتھ رکھا اور خان کا لقب عطا کیا۔

(3) عبدالقیوم۔ خوش طبع اور ظریف شاعر تھا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں میر مظفر خان معموری کے حلقہ کا آدمی شمار کیا جاتا تھا۔

(4) دانشور، جس کا تخلص شہرتی تھا وہ ٹھٹہ کے بڑے شعرا میں سے تھا اور میر عبدالرزاق خان معموری کا ہمعصر تھا۔ جہانگیر کے عہد میں قباد خان حاکم کے وقت تک زندہ تھا اس کا دیوان مشہور تھا۔

(5) ملا محب علی۔ عالم فاضل اور کامل شاعر تھا۔ جہانگیر اور شاہ جہاں بادشاہوں کے عہد میں معتبر اور نامور تھا۔

(6) ملا محمد صوفی۔ مرزا غازی بیگ کے زمانہ کا شاعر تھا اکثر اس کے ساتھ رہتا تھا اور مشاعروں میں شامل ہوتا تھا۔

(7) غیوری عرف شکر۔ اچھا اور صاحب دیوان شاعر تھا۔ میر لطف اللہ شیرازی کے والد بزرگ کی وفات کی تاریخ یہ کہی۔ "سروش گفت نمادہ بشرحتہ بزرگ"

(8) فتح اللہ ولد میاں عبداللہ مغل۔ میر محمد منعم کا ہمعصر تھا تخلص حسینی کرتا تھا۔ حضرت پیر دستگیر کا خلیفہ مقرر ہوا۔ اس کے بنانے اور مہروں پر نقاشی کا کام کرتا تھا۔ صاحب دیوان شاعر تھا اس کا نواسہ محمد فیاض مہر کن مشہور تھا۔

(9) محمد فاضل ولد شیخ علی محمد برجستہ شاعر تھا اور خوشنویس بھی تھا۔

(10) حیرتی مشہور شاعر اور شہرتی شاعر کا ہمعصر تھا۔

(11) ملا سلامی اور ملا عبدالحکیم۔ دونوں بھائی مشہور ظریف شاعر تھے۔ پہلا عجیب و غریب ظرافت والی کہانیاں لکھتا تھا۔ خواجہ عطاء اللہ قاضی محمد، قاضی محمد حسین اور شیخ میرک عبدالوہاب کے ہمعصر تھے۔ ملا عبدالحکیم کا تخلص "عطا" تھا بڑا پرہیزگار شخص تھا۔ تیس برس تک متواتر عبادت میں مشغول رہا رات اور دن ایک ہی وضو میں رہتا تھا۔ اکثر نعت نبوی اور منقبت مرتضوی کہتا تھا۔ بہت سے دیوان اور مثنویاں کہی ہیں۔ اس کی نظمیں لاکھوں اشعار سے کم نہیں ہیں۔ اکثر سبز پوش رہتا تھا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی اکثر شعر کہتی تھی اور اس کا بھتیجا محمد ضیاء بھی اچھا شاعر تھا اور جہان آباد گیا اور مرزا بیدل سے ملاقات کی جس نے اس کو "قیامت" تخلص دیا۔ بعد میں نواب مہابت خان کاظم کے ساتھ ٹھٹھ آیا اور نواب کا خاص مصاحب تھا اور اس کے بیٹھنے کیلئے خاص تکیہ بنوایا۔ اس کا ایک بہترین دیوان ہے۔ ملا عبدالحکیم کا بیٹا مسکین ضیاء کی جگہ پر تکیہ کا قائم مقام بنا۔

(12) محمد میر عرف میاں ہاشو ولد میاں داؤد نے عربی علم کی تحصیل کی۔ محمد ضیاء کے ساتھ طبع آزمائی کرتا تھا نواب اعظم خان کے ساتھ جہان آباد گیا اس مقصد کیلئے کہ محتسب مقرر ہو جائے لیکن جب بکھر پہنچے تب زندگی ختم ہو گئی۔

(13) ملا یار محمد خادم اور محمد رضا ہاشمی یہ دونوں عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں مشہور شاعر گزرے ہیں ان کا شعر ظرافت اور بلاغت سے پر تھا۔

(14) محمد حسین شوقی ولد ملا عبدالرؤف طالب علم ایک قابل شخص تھا اکثر جہان آباد میں رہتا تھا اور محتسب اور صدر تھا۔ اس کا نائب شیخ عبدالباسط تھا۔ محمد ہاشم نصرپوری کا مرید تھا اور میر شاہ شکر الٰہی کا دوست تھا۔ اس کی مثنوی نغمات شوقی تصوف اور سلوک کے مضمون پر مشہور ہے۔ نان وحلوہ والی مثنوی کے تتبع پر ہے جو شیخ بہائی نے لکھی ہے۔ دوسری مثنوی ناز و نیاز کی کہی ہیں اور بھی کئی مثنویاں اور غزلیات کہی ہیں الغرض ہر قسم کا شعر کہا ہے اور قابل نثر نویس بھی تھا۔

(15) عبدالشکور بھی مشہور شاعر تھا جب اس کے والد کی وفات ہوئی اور میت کو قبر میں اتار رہے تھے تو فی البدیہہ یہ تاریخ کہی، "بسم اللہ و علی ملت رسول اللہ"۔ عاقبت محمود خان عیشی بھی منصبدار تھا اور بہترین شاعر تھا اس کا دیوان اور انشا مشہور ہیں۔

(16) آخوند محمد شفیع پارسی خوان مشہور استاد تھا میر عبدالقدوس شیرازی کے دوستوں میں سے تھا عجیب طبع کا شاعر تھا۔ تاریخ نکالنے میں زیادہ قابل تھا۔ سب معززاور دولتمند لوگ اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔

(17) میر محمد استر آبادی رضوی سیدوں میں سے تھے نواب سیف اللہ خان کے عہد میں سنہ 1140 ہجری عتبات عالیہ کی زیارت کر کے واپس ٹھٹہ میں آیا اور وہاں پر رہنے لگا شادی کی، اولاد ہوئی۔ منقبت اور مرثیہ کثیر تعداد میں۔ کہے ہیں۔

(18) محمد محسن ولد نور محمد ابراہیم بن یعقوب۔ پانولی تھا اور رنگین طبع شخص تھا۔ میر لطف علی خان کا شاگرد تھا بہت سے کاملوں کی صحبت اختیار کی اور مشہور شاعر تھا۔ منقبت لکھی اس کی کتاب "عقد دوازدہ گوہر" مشہور ہے۔ حضرت صاحب الزمان کی ولادت کے متعلق کتاب "طراز دانش" لکھی اعلام ماتم یا حملہ حسینی بھی اس کی تصنیف ہے۔ دیوان، قصیدے، اور بہت سارے اشعار کہے ہیں۔ اس کا بیٹا میاں غلام علی جس کا تخلص "مداح" تھا وہ شاعر تو تھا مگر عربی زبان کا بڑا عالم تھا۔

(19) محمد پناہ رجا میر حیدر الدین ابو تراب کامل کا شاگرد تھا۔ اچھا شعر کہتا تھا اور عجیب تاریخیں نکالتا تھا اکثر فقیروں اور درویشوں کی صحبت میں رہتا تھا۔

(20) آقا محمد صالح واثق اصل میں تبریزی تھا سورت بندر میں پیدا ہوا اور ٹھٹہ میں پل کر جوان ہوا مشہور شاعر گزرا ہے آقا محمد کریم صفاہانی کی وفات کے بعد نادر شاہ کے زمانہ میں بہت عرصہ تک رعیت کا وکیل رہا بعد میں گوشہ نشین ہو گیا۔ اچھا خوشنویس تھا اور انشاپردازی میں بے مثال تھا سنہ 1179 ہجری میں وفات کی۔

(21) شیخ عبدالسبحان فائز ولد شیخ مرتضیٰ۔ شیخ مرتضیٰ اور اس کا بھائی شیخ شجاع بادشاہی منصبدار تھے۔ شیخ عبدالسبحان حاضر جواب شاعر تھا اور ظرافت آمیز اشعار کہتا تھا۔ اہل بیت کی محبت میں بہت سی منقبتیں کہیں۔ آخر میاں نور محمد کے دور حکومت میں اہل بیت سے شدید محبت کے باعث مخالفوں نے بہت سی تکلیفیں پہنچائیں جو اس نے سعادت سمجھ کر قبول کیں۔ اس کے مولود بھی مشہور ہیں۔ اس کے بعد اس کا بھائی محمد رفیع بھی شاعر تھا۔

(22) آخوند فیض اللہ طیش مذہبی آدمی تھا خیالی اشعار اچھی طرح جانتا سمجھتا اور سمجھاتا تھا اس کی نظم اور نثر قابل تعریف تھی۔

(23) اسد اللہ تاریخ نمونہ کے مخدوموں سے تھا۔ محمد منعم ترائی کی اولاد تھا اور محمد محسن کا شاگرد تھا۔ اس کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی زندگی کا بڑا عرصہ سورت میں گزارا۔

(24) غلام محمد ولد آخوند محمد احسن فارسی کا بہترین مدرس تھا۔ اس کے بہت سارے شاگرد تھے۔ تاریخ گوئی اور قطع گوئی میں بہت ہوشیار تھا۔

(25) میرزا غلام علی مومن الہ وردی بیگ گازرونی کا پوتا تھا۔ شیخ قمر الدین کی خدمت میں رہتا تھا اور بادشاہ کے لشکر میں وقت گزارتا تھا، اچھا شاعر تھا۔

فصل دوئم۔ کاتبوں اور خوشنویسوں کے متعلق

حافظ رشید۔ جام نظام الدین اور جام فیروز الدین کے زمانہ میں تھا۔ علم، مہارت اور خوشنویسی میں مشہور تھا۔ سید حسن ترخانوں کے دور میں مشہور شخصیت تھا اور اس کا بیٹا سید محمد طاہر بھی ساتوں قلم جانتا تھا۔

مخدوم الیاس بن مخدوم یوسف خط نستعلیق اور نسخ کا اچھا کاتب تھا۔ اور اپنے وقت کا استاد مانا گیا تھا۔ سید علی اور اس جیسے مشہور لوگ اس کے شاگرد تھے۔ سید رحمت اللہ ولد ابو القاسم بیگ نستعلیق خط کا بہترین کاتب تھا۔ شیخ محمد فاضل ولد شیخ محمد شاہ جہان بادشاہ کے وقت میں رہتا تھا خط ثلث کا اچھا کاتب تھا۔ اس کا بیٹا شیخ محمد بھی اپنے باپ کی طرح اچھا کاتب تھا۔ سید علی مشہور خوشنویس تھا اور اس کے بہت سارے شاگرد تھے۔ شیخ محمد علی نستعلیق خط کا بہترین کاتب تھا اور عالمگیر کے حضور میں سرفراز تھا۔ میاں شیخ محمد سید علی مذکورہ بالا کا شاگرد تھا اور ساتوں قلموں کا مشہور کاتب تھا۔ اس کا بیٹا شیخ ابوالفضل اور شیخ محمد پناہ بھی مشہور خوشنویس تھے۔ شیخ محمد پناہ کا بیٹا محمد عالم بھی عمدہ کاتب تھا۔ شیخ عبدالواسع نستعلیق خط میں انتہائی تھا۔ شاہ جہان بادشاہ کے دربار میں مشہور تھا۔ اس کے مزامین اور نشان لکھتا تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے۔ شیخ عبدالسمیع، شیخ عبدالشکور، عبدالغفور، محمد معین، عبدالحق، محمد شریف اور عبدالرؤف۔ سب باپ کی طرح خوشنویس تھے اور باپ کی جگہ پر بادشاہ کے حضور میں مقبول تھے۔ سید نعمت اللہ بھی اچھا کاتب تھا۔ میر محمد بزرگ رضوی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ اپنے باپ کا شاگرد تھا۔ ان کے علاوہ محمد شفیع شاہ بندر والا اور ہدایت اللہ زریں رقم بڑے استادوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ خواجہ محمد شریف، میر شہاب الدین کی اولاد سے تھا اور سید علی کا شاگرد تھا۔ اس کا بیٹا خواجہ میر مرتضیٰ اور میاں حبیب اللہ سید علی کا شاگرد اور اس کا بیٹا تاج محمد اور درویش علی مغل اور اس کا پوتا علی بیگ اور سید میر محمد، محمد پناہ کا شاگرد سب اچھے خوشنویس اور کاتب تھے۔

باب پنجم

ٹھٹہ کا بیان

حصہ پنجم اہل اللہ کے قبرستان

فصل اول۔ اہل اللہ جو شہر میں اور گرد و نواح میں مدفون ہیں

(1) سید کمال شیرازی اور سید طوک مازندرانی، ورس امین، جو شیخ یعقوب کے تین دوستوں سے تھا جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ پیر بدر شہید اولیاء جو جت لوگوں کی رہنے والی جگہ کے نزدیک ہے۔ وہ ارغون کے عہد کا ہے، پیر عباس، درویش اجر کا ہمعصر تھا، پیر شاہی، میرزا عیسیٰ کے عہد میں جب فرنگیوں کا لشکر آیا تھا شہید ہوا، پیر لاکھا اصل کمہار تھا بڑے حال اور قال والا تھا۔

(2) سید شاہ منجو غوث الثقلین کی اولاد سے تھا، سید کمال شیرازی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور سید شاہ عبداللہ حسن جا کا ذکر اب کیا جائے گا یہ تینوں سید شکر اللہ کے ساتھ ٹھٹہ میں آئے، یہ چاروں بزرگ آپس میں سچے اور گہرے دوست تھے، یہ سید ایک مرید کے گھر میں رہتا تھا اور تمام عمر مجرد رہا بہت سی کرامات دکھائیں اور خلق خدا کو فیض اور فائدہ پہنچایا۔ اس کی مزار کے پائنتی میں دو قبریں اس کے ماں اور بیٹے کی ہیں جن کے ساتھ وہ ان کے گھر میں رہتا تھا۔

(3) شاہ مسکین کامل فقیر اور سید تھا۔ جس جگہ پر مدفون ہے پہلے اس جگہ پر اس کا تکیہ تھا۔ فرنگیوں والے فساد کے وقت شہید ہوا تھا، میاں ابوالقاسم نقشبندی کہتا تھا کہ اس بزرگ جیسا کامل شخص کوئی اور نہ تھا۔ سید محمود جو عطاروں کے محلے میں مدفون ہے وہ بھی ایک بڑا ولی تھا۔ پہلے اس کی قبر کی کسی کو خبر نہ تھی جب ایک آدمی نے جگہ بنوانے کے لیے کھدائی کرائی تو اس کی لاش سالم حالت میں ملی اسی رات خواب میں معلوم ہوا کہ اس بزرگ کا نام سید محمود ہے اور اہل اللہ تھا۔

(4) محمد مکائی نیرون کوٹی اناج کی بزار میں مدفون ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ وہی سید محمد مکائی ہے جس کی درگاہ نیرون کوٹ (حیدر آباد) میں ہے جس کا ادھر بھی ظہور ہوا۔ میر لدھا اصل کپاس بیچتا تھا، گدا بزار میں اس کی دکان تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی دکان پر ملتانی مٹی رکھتا تھا اور لوگوں کو دیتا تھا جس کے کھانے سے ہر قسم کا مریض شفایاب ہو جاتا تھا بڑا ولی تھا، اہل اللہ بھی اس کی ملاقات اور

صحبت کے لیے آتے تھے۔ جب فوت ہوا تو اسی کی وصیت کے مطابق اس کو اس دکان میں دفن کیا گیا۔ اتفاق سے اس سال برسات بڑی نابند ہو گئی، اس لیے وقت کے حاکم نے حکم دیا کہ اس کی لاش اس جگہ سے نکال کر پہاڑ پر لے جا کر رکھی جائے۔ لاش نکالنے کی کوشش میں تھے تو اچانک برسات پڑنے لگی۔ سب لوگ خوش ہو گئے اور اس کی لاش نکالنے کی ضرورت نہ پڑی۔

(5) سید ابراہیم مخدوم راجہ قتال کے پوتوں میں سے تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے باپ کو ایک لکڑی کا پیالہ ورثہ میں ملا تھا جب اس کو روٹی یا پانی سے بھرتے تھے تو اس میں سے ہزاروں لوگ کھا کر سیر ہو جاتے تھے۔ مرنے سے پہلے وہ پیالہ اس نے توڑ دیا جب پوچھا گیا کہ اس کو کیوں توڑا بزرگوں کی نشانی تھی جواب دیا کہ اس سے اور تم کو سوا ناموس اور شہرت کے اور کیا حاصل ہوگا۔ اس کی قبر گوشہ نشین کے محلے میں مغرب کی طرف ہے۔

(6) شاہ کریم مست فقیر تھا۔ جو اپنے مکان میں دفن کیا گیا، مغلواڑہ کے شمال کی طرف شمال والے جنگل کی طرف مکان ہوتا تھا سید احمد شیرازی اس کا بڑا مرید تھا آخری وقتوں میں سیر و سیاحت کرتا رہا اور شہید ہوا۔ کہتے ہیں کہ اپنا سر ہتھیلی پر لے کر اپنے مکان پر آ گرا اور وہاں پر دفن کیا گیا اور کہا جاتا ہے کہ رات کو ایک شیر آ کر اپنی دم سے مکان کو جھاڑو دے جاتا تھا۔

(7) پیر چھتا شیخ پتہ کا مرید تھا ٹھٹھ کی مشرق میں مدفون ہے، اس بزرگ کا ظہور بہت سی جگہوں پر ہوا ہے ٹھٹھ کی مغرب کی طرف قند سر کے کنارے پر بھی ہوا۔ پیر الیہ جس کا اصل نام مبارک تھا وہ جام نظام الدین کا داماد تھا۔ اس نے آ کر وہ خانہ توڑا جہاں پر صفہ والی مسجد تعمیر ہوئی، سید مراد شیرازی کا مرید تھا: ۰۰ کو ترک کیا تھا، جس جگہ پر اب دفن کیا گیا ہے وہاں پر ایک کھجور کا درخت تھا اس کی جڑ سے مسواک توڑ رہا تھا کو جس جگہ پر کھودنے لگا اس جگہ پر سونا مدفون نظر آیا، چھوڑ دیا۔ اپنے مرشد کو بتایا اس نے کہا کر جو چیز خدا نے دلائی وہ کیوں نہیں نکالی اس نے کہا کہ جب دنیا ترک کی ہے تب اس سونے کا کیا کروں۔ اس وجہ سے اس کو الیہ کا لقب ملا یعنی لا طمع۔ اپنے مرشد کی زندگی میں فوت ہوا، سید مراد اس کی زیارت کرتا رہتا تھا۔ پیر بابو اس کا اصل نام کوئی اور تھا، فقیر بن کر مکان میں رہتا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ بخاری سیدوں میں سے تھا، کامل انسان تھا، ایک دن سنا کہ سید مراد شیرازی پیر الیہ کی زیارت کرنے گیا ہے اور واپسی پر ادھر سے گذرے گا۔ راستہ میں جا کر اس سے ملنے کے لیے کھڑا ہو گیا اتفاق سے وہاں سے نہ لوٹا پھر بھی وہ واپس نہ گیا پورا ہفتہ وہاں پر کھڑا رہا۔

جب سید حسب عادت اس دن زیارت کے لیے گیا تب اس کے پاس سے گذرا۔ وہاں پر سنا کہ اس فقیر نے پورا ہفتہ اس کی دیدار کی امید پر گذارا ہے۔ تب اس پر نظر کرم کی اور وہ کامل ہو گیا، اور اس کو دیکھ کر کہا کہ تم برابر بابو فقیر ہو یعنی پکار یاشتی ہو۔ سید کے اشارے پر وہ میر اور سنر پر لکلا گمراہے میں گھوم رہا تھا تو بعض آدمیوں نے اس کو شہید کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ سے اپنا سر ہتھیلی پر لے کر اپنے مکان کی طرف بھاگا، جب وہاں پر پہنچا تو کسی آدمی نے اس کو دیکھ کر دوسروں کو بتایا اور وہاں پر دفن کیا گیا۔ اس کی درگاہ پر لوگ آنے لگے۔

(8) پیر دادن بھی ولی تھا، ننگے سر گھنے بالوں سے مکان میں بیٹھا رہتا تھا، سید محمد یوسف رضوی کا ہمعصر تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس سے پہلے کا تھا، اس سید نے اپنی اولاد کو حکم دے رکھا تھا کہ جب کوئی مشکل پیش آئے اور مجھ تک نہ پہنچ سکو تو اس فقیر سے دعا کی مدد مانگنا۔

(9) حاجی شیخ بہاوالدین: شیخ بہاوالدین ذکریا ملتانی کی اولاد سے تھا، اور ارغونوں کے عہد میں حج سے واپس آکر ٹھٹہ میں رہا اور وہاں پر وفات پائی بڑے کمال والا بزرگ تھا، سید علی شیرازی کا مرید تھا، بڑے بڑے بافضیلت اور باشرع لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔

(10) پیر لونگ بھی بڑے مشائخوں سے تھا، مشرق کی طرف ایک کوس کے فاصلے پر مدفون ہے۔ بہت سے سوالی زیارت کے لیے آتے ہیں۔

(11) درویش آچر بھی بڑا درویش گذرا ہے اور پیر لونگ کے قریب بہ لائی گاؤں میں مدفون ہے، اس کے علاوہ ٹھٹہ شہر میں فرخ سیر والی جامع مسجد کے باہر جو شہیدوں کا گنج ہے، اس میں تیرہ سو کے قریب لوگ دفن کیے گئے ہیں جن کو فرنگیوں نے قتل کیا تھا، اور دوسرا شہیدوں کا گنج امیر بیگ کی بزار کے قریب ہے یہ بھی فرنگیوں نے قتل کیے تھے ان میں سے اکثر اہل اللہ ہیں، اور بھی کئی قبریں ہیں جو شہر کے اندر اور گردو نواح میں ہیں جن کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

فصل دوئم۔ مکلی پر اور گردو نواح میں مدفون اولیاء

مکلی اور ساموئی کے بیان میں بہت سے بزرگوں کے مقبروں کا ذکر کیا گیا ہے ا . کی پر دفن کیے گئے بزرگوں کے ذکر کے دوران بھی ایسے اشارے دیے گئے ہیں جو مکلی کے گردو نواح میں مدفون ہیں ان کا بیان نیچے دیا جاتا ہے۔

(1) شیخ نعمت اللہ شیخ بہاوالدین ملتانی کی اولاد تھا اور در حقیقت خدا کی ایک نعمت تھا اور کامل درویش تھا۔ سما حکمرانوں کے دور میں ٹھٹہ آیا اور وہاں پر ہی فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا شیخ جیا بھی بڑا ولی تھا۔ باپ کی قبر کے جنوب کی طرف اس کی قبر ہے۔ اس کو مکلی کا چراغ کہا جاتا ہے ہر مہینے کے پہلے جمعہ کے دن میلا لگتا ہے۔ اور ہر سال اس کی وفات کے دن پر مرید آ کر رات کو جاگتے ہیں اور وجد اور سماع کرتے ہیں۔ میاں لال کی قبر شیخ مشرق کی طرف ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ قلندر شہباز کا بھائی یا چچازاد تھے۔

(2) شیخ مغل چابک۔ بڑا کشف اور کرامت والا بزرگ تھا، میرزا شاہ حسن ارغون نے نصرپور کا ایک رئیس قید کیا تھا اس کے رشتیدار شیخ مغل کے مرید تھے، لیکن اس وقت اس کو بھلا کر شیخ بھرکیہ کا تیار کی منت کی اس نے ان سے گائے مانگی، اور یہ اپنے گاؤں گائے لیکر دریا کا کنارا لے کر آرہے تھے، شیخ مغل صبح کو دریا پر نہانے آتا تھا ان کو دیکھ کر اور حقیقت معلوم کر کے خاموش رہا لیکن دل میں غیرت اور غصہ آیا، جب وہ گائے لے کر شیخ بھرکیہ کے پاس پہنچے تب اس نے ان سے کہا کہ جو طلسم میں نے باندھا تھا، وہ شیخ مغل نے راستہ میں توڑ دیا اس لیے اس قیدی کو موت آئے گی آخر ایسا ہی ہوا۔

(3) شیخ طلحہ بھی شیخ بہاوالدین ملتانی کی اولاد سے تھا اور ولی کامل تھا، ایک دن سید مراد شیرازی اس کو دیکھنے کے لیے آیا، اس سے پوچھا کہ پیری مرشدی کونسی چیز ہے؟ اتفاق سے اس جگہ کے قریب ہی ایک مرا ہوا اور سوجا ہوا بلا پڑا تھا، سید مراد نے اس کو کہا کہ اٹھ جا تو وہ زندہ ہو کر چلنے لگا۔ پھر شیخ کو کہا کہ پیری یہ ہے آپ بتائیں کہ شیخی کیا چیز ہے؟ شیخ نے کہا کہ ایک ہندو کو بزار سے بلا لے۔ لوگ ایک کو لے آئے۔ اس کو کہا کہ منبر پر چڑھ کر دین اسلام کا وعظ کر۔ ہندو ایک دم کھڑا ہو کر وعظ کرنے لگا، جیسا کہ دین کا بڑا عالم ہو، تب سید کو کہا کہ شیخی یہ ہے، یہ حکایت شاہ عبدالکریم بلڑی والے نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ مگر کتاب "تذکرۃ المراد" میں شیخ طلحہ کے عوض شیخ صدرالدین حلیم کا نام لکھا ہے۔

(4) شیخ حسین سومرو سید محمد حسین عرف پیر مراد شیرازی کا خاص مرید تھا، ایک دن سید وضو کر رہے تھے اس کو دیکھ کر مہربان ہوا اور کوزہ میں جو پانی بچا تھا، وہ اس کو پینے کے لیے دیا، پانی پینے سے اس کی حالت عجیب ہو گئی، اور وجد میں آگیا، ورس بھنبھا بھی سید علی شیرازی کے بڑے

مریدوں میں سے تھا، اور مشرق کی طرف اس کا مزار ہے۔ مراد پلیجو، نورائی کا رہنے والا بھی سید علی شیرازی کا مرید تھا اور اس کی درگاہ کے قریب قبر ہے۔ شیخ حماد تیرون کوئی بھی مشہور ولی تھا اور سید علی شیرازی کے مزار کی قریب اس کی قبر ہے۔

(5) پیر آسات سالک مجذوب تھا اور مخدوم عربی پاکنڈی والے کا بھائی تھا، سید میران محمد مہدی جونپوری کا مرید تھا، اس کی اولاد سے محمد حسین نامی ایک فقیر مشہور تھا، اس کے بیٹے احمد اور محمد ٹھٹہ میں تھے، احمد جہان آباد میں غلام محمد صوفی کی خدمت میں رہتا تھا اور فقیروں کا لنگر بانٹتا تھا مخدوم جعفر بھی بڑا باہل اور قال والا فقیر تھا، اور سید علی شیرازی ثانی کا ہمعصر تھا، جمن جتی بھی صاحب کرامت فقیر تھا اور سادور حکومت میں مکانداور فقیر تھا۔

(6) میاں منٹیا فقیر مخدوم نوح کا مرید تھا، اور کامل درویش تھا، اکثر فرخ سیر کی جامع مسجد میں رہتا تھا، اس کی قبر آکھری میں ہے۔ سید علی شیرازی کی زیارت کرنے والے لوگ اس پر بھی آتے ہیں۔ پیر آسات کے قدموں کی طرف مدفون ہے۔ فقیر بہاؤالدین گوڑیا بھی مخدوم نوح کے بڑے مریدوں میں سے ہے اور صاحب کرامت تھا۔ منٹیٰ فقیر کے قریب مدفون ہے۔ سلطان کھمر بھی مخدوم نوح کے مریدوں سے تھا اس پر بھی لوگ سید علی شیرازی کی زیارت کرنے کے بعد آتے ہیں۔

(7) درویش آچر اصل ٹھٹہ کا بھٹیار تھا، پھر سید علی شیرازی ثانی کا مرید ہوا۔ ایک دن سید علی اس کی دکان پر بیٹھا تھا درویش آچر سویا ہوا تھا یہ اس کا جسم داب رہا تھا درویش حلیم کا وہاں سے گذر ہوا کہنے لگا کہ اس جگہ اس راستے اور اس جگہ اس راستے۔ درویش ظاہری طور پر سویا ہوا تھا لیکن اس کا دل بیدار تھا۔ وہ سر اٹھا کر کہنے لگا ادھر بہت سارے ہیں اور وہ ہستیوں سے کم ہیں اور کم میں سے کم ہیں۔ درویش حلیم نے اس بات سے یہ اشارہ سمجھا کہ حضرت پیغمبر ﷺ کی خدمت میں باادب ہو کر ایسی خدمت بجالاتے ہو اور ادھر اس کی اولاد کی یہ خدمت کرتے ہو۔ میں نے جواب میں یہ کہا کہ کچھ ایسے ہیں جو اپنے لیے اوروں سے زیادہ فائدہ چاہتے ہیں یہ بہت ہیں، اور چند ایسے ہیں جو اپنے سے دوسروں کے لیے زیادہ فائدہ چاہتے ہیں وہ بہت سے لوگوں میں چند ایسے ہیں جو دوسروں کے فائدہ میں خود کو نقصان لانا چاہتے ہیں اور ایسے لوگ اقلیت میں ہیں، شہر کے شریف لوگ اس بات پر ناراض ہوئے کہ ان کے بچے فقیر کے مرید ہوتے ہیں، اس لیے اس کو شہر سے نکال دیا۔ وہ گجرات کی

طرف چلا گیا سید علی اس کی تلاش میں گیا اور جا کر ملا۔ وہ قریب الرگ تھا۔ اور سید کو امانت دے کر فوت ہو گیا۔ یہ سید آخر میں مخدوم نوح کا مرید ہوا، لیکن اس کو جو فیض حاصل ہوا، وہ اس درویش سے حاصل ہوا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس درویش کی لاش چوری چھپے مکلی لائی گئی تھی۔

(8) میاں احمد اور میاں محمد اصل بغداد کے تھے، اہل کرامت شخص تھے، میر کوں کی قبروں کے مشرق میں مدفون ہیں سید احمد غوث کامل درویش فتحی ٹکر پر مدفون ہے، کہتے ہیں کہ عاشورہ محرم کی رات شہیدوں کی ارواح اس جگہ پر آتی تھیں، اور بہت سے لوگوں نے دیکھیں تھیں۔ میاں ابو بکر بھی کامل شخص تھا اور میراں محمد مہدی جونپوری اصل سید عبدالکریم بلڑی والے کا مرید تھا۔ عیدگاہ کے جنوب میں مدفون ہے۔ سید ابراہیم بڑا حال اور قال والا شخص تھا، ہمیشہ گدڑی پوش رہتا تھا اور کلان کوٹ میں تیار رہتا تھا جن اس کے تابع تھے۔ کلان کوٹ کے قلعے کی فصیل کے دامن میں اس کی قبر ہے۔ درویش سید حلیم درویش داؤد کا ہمعصر تھا۔ جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا اور اس کے پہلو میں رکھا ہوا ہے۔

(9) سید عبداللہ حسنی: پیر دستگیر کی اولاد سے تھا سید منبہ، سید کمال اور سید قاضی شکر اللہ کے بڑے دوستوں سے تھا، شاہ بیگ کے عہد میں گجرات سے ٹھٹہ میں آیا اور پہاڑ کے کونہ میں چھپ کر رہتا تھا مجرد تھا۔ پوری عمر خدا کی یاد میں بسر کی، ادھر ہی مدفون ہے لیکن کافی عرصہ گذرنے کے باعث اس کی قبر مٹ گئی تھی۔ کافی عرصہ بعد شاہ حافظ اللہ گجراتی، شیخ یعقوب اور خلیفہ ابوالبرکات کو اشارہ ہوا۔ ان لوگوں نے تلاش کر کے یہ قبر ظاہر کی اس کے بعد ایک بڑی زیارت گاہ بن گئی۔

(10) درویش بھر کیا لنگ: مکلی کے دامن میں اس کا مکان تھا فقار چی تھا، شہر کے لوگ اس کے پاس جاتے تھے قبرستان کی اکثر قبریں اس نے بنائیں، پتھروں سے چونا اور گچ بنا کر بڑے بڑے منارے اور مقبرے بناتا تھا، اور رات کو ان پر چراغاں کرتا تھا، وہ چراغ دیکھ کر سمندر پر جہاز ران بندروں پر آتے تھے اور اس کے آگے نذرانہ پیش کرتے تھے۔ اتنی دولت اکٹھی کی جو میرزا باقی کو اس پر رشک آیا۔ جو کوئی اس کے پاس جاتا تھا، اس کو تکلیف پہنچاتا تھا، کہتے ہیں کہ سید علی شیرازی کو بھی اس کے سبب تکلیف پہنچائی تھی، یہ بات سن کر مخدوم نوح کو بہت زیادہ رنج ہوا، اور اس رنج کا یہ نتیجہ نکلا کہ جلد ہی میرزا باقی کو خفیہ طور پر قتل کیا گیا۔

(11) درویش داؤد: جس کو داؤد درس کہتے تھے وہ بڑی کرامت والا بزرگ تھا کلان کوٹ میں پانی کا ایک جوہڑ تھا، جو اس فقیر کے نام سے منسوب تھا اس میں وہ اپنے دوستوں اور مریدوں سے پانی میں تیرتے کھیلتا تھا، ایک بھاگتا تھا تو دوسرا تیر کر اس کو پکڑتا تھا اور وہ غوطہ لگا کر بھاگتا تھا جس طرح بچے کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جس آدمی کو یہ فقیر باری آنے پر پکڑتا تھا اس کو پانی میں غوطہ لگواتا تھا اور وہ بڑی معرفت اور حقیقت والا ہو جاتا تھا اور واصل باللہ ہو جاتا تھا، مرنے کے بعد اسی جگہ دفن کیا گیا۔ سید مراد شیرازی کا ہمعصر تھا۔ بہت سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ برسات کے موسم میں تو ادھر خاص میلا لگتا ہے۔

(12) شیخ چتو دیولی: اس کا اصل نام حسین بن راجبار تھا، اور اپلن کی قوم سے تھا، اس کی والدہ سلطانی بنت مراد تھی یہ بہت بڑا ولی گذرا ہے۔ اس جیسے بزرگ سندھ میں کم ہی ہونگے۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ شروع میں یہ پہاڑ کے ایک غار میں چھپا رہتا تھا، جس طرح ایک ہیرا یا لعل کان میں چھپا رہتا ہے۔ شیخ بہاؤالدین ملتانی والا اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں سے گذرا۔ دل کے نور سے معلوم ہوا کہ اس پہاڑ میں ایک بڑا گوہر ہے۔ ڈھونڈھ کر غار سے نکالا اور اس کو اپنا مرید بنایا اور ظاہر کیا اس شیخ نے سنہ 606 ہجری میں وفات پائی۔ اس کی درگاہ بڑی زیارت گاہ ہے۔ اور وقت بہ وقت سجادہ نشین ہوتے آئے ہیں شیخ ساجن کے بعد شیخ صابو سجادہ نشین ہوا۔ ہر سال بارہ ربیع الاول سجادہ نشین اسی بزرگ کی دستار چمن کی درگاہ سے منارہ تک جاتا ہے اور دیکھنے میں نورانی لگتا ہے۔

(13) شیخ جمیل: جس کا اصل نام سید وجیہ الدین تھا، وہ امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے تھا، لہار کا کام کرتا تھا، اس کی درگاہ بڑی زیارت گاہ ہے۔ سجادہ نشین ہوتے آئے، پہلا شیخ مومن تھا۔ پھر شیخ براق ہوا۔ ملا خلیفہ اصل محمد طور شہر کا تھا جب وہ شہر برباد ہوا تو آکر ساکرہ میں رہا۔ شیخ بہاؤالدین ملتانی کا خلیفہ تھا، کامل شخص تھا، درس الہ الدین سومرہ سید علی شیرازی ملتانی کا ہمعصر تھا۔ ایک دوسرے سے سندھی بیتوں میں سوال جواب کرتے تھے۔ اصل شیخ بہاؤالدین ملتانی کا مرید تھا، بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں، اس کا مقبرہ شیخ اور پیر پٹے کے درمیان میں ہے۔ شیخ عبدالوہاب عباسی خلیفوں سے تھا، اور محمد طور کا رہنے والا تھا، میرزا باقی کے دنوں میں وہ ٹھٹہ کے گرد و نواح والے کسی گاؤں میں آکر رہا، جنگل کے جانور اور پرندے اس کی تابعدار تھے۔ لوگوں کا اس کے پاس ہجوم رہتا تھا، میرزا باقی کو اس پہ شک گذرا اور محمد خلیل کے ہاتھوں اس کو شہید کرایا گیا۔

(14) شیخ ابو تراب جس کو حاجی ترابی کہتے ہیں، وہ بنو عباس کے خلیفوں کے کارندوں میں سے ایک تھا اور سندھ میں کسی جگہ پر حاکم تھا سیہ بھی شہید کیا گیا تھا۔ ٹھٹہ سے چار کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں میں رہتا تھا اس کا مقبرہ بھی اس جگہ پر ہے، اس کی وفات کا سنہ 171 ہجری ہے۔

شیخ سند قندرانی، لال جوان، پیر داون، جتول حبشی، چھتا مشائخ اور پیر کپور یہ سب شہید ہیں جو ان والے شیخ ابو تراب کے نزدیک مدفون ہیں اور لوگ ان کی زیارت کرتے ہیں، شیخ جھاریا ایک الگ پہاڑی پر مدفون ہے جو اس کے نام پر موسوم ہے پیر کریم ساکرہ میں مدفون ہے۔ کہتے ہیں کہ گیدڑ اس کے مرید ہیں، اور مجاوروں کے حکم پر آکر حاضر ہوتے ہیں۔ لال انس ساموئی کے شمال میں دریا کے کنارے پہاڑی پر مدفون ہے۔ دریا درس بھی قدیم بزرگوں سے ہے، ملا سوچ دریا بندر لاہری کے قریب مدفون ہے۔ جس جگہ دیول بندر ہے، اس کی اولاد بھی ملا کہلاتی تھی، جو لوگ دھاراج بندر میں رہتے تھے۔ سید محمود بڑا بزرگ تھا اور لاہری بندر کے جنوب میں مدفون ہے۔ بلو خان لودی صاحب کرامت بزرگ تھا۔ لاہری بندر کے قریب مدفون ہے، شیخ نور الدین دریائی سمندر کے کنارے دھاراج بندر کے قریب مدفون ہے۔

فصل سوم- مجذوب اور دیوانے سالک فقیر

(1) دتایا فقیر مجذوب عارف اور کامل شخص تھا اس کا کچھ ذکر مخدوم حمزہ واعظ کے بیان میں آیا ہے، وہ کہتا تھا کہ شریعت طریقت کے موئی زہار ہیں یعنی جب آدمی کی شرمگاہ پر بال نکلتے ہیں تب اس کو بالغ سمجھا جاتا ہے۔

(2) مٹھا فقیر مجذوب اور غیب کا جاننے والا اور مخفی باتیں ظاہر کرنے والا تھا، کہتے ہیں کہ جب ملا محمد جہانگیری نے مفلسی کی حالت میں بادشاہ کے حضور میں جانے کا ارادہ کیا تب مکلی کے قبرستان والے بزرگوں سے الوداع کہنے آیا۔ واپس آنے پر دیکھا کہ مٹھا فقیر اور دوسرے مجذوب ایک مردار پر کھڑے ہیں اور اس کے پیٹ سے کچھ نکال کر کھا رہے ہیں، جب مٹھا فقیر نے ملا محمد کو دیکھا تب مردار کے پیٹ سے ہاتھ بھر کر کیڑے اپنے منہ میں ڈال دیے اور اس کو بھی کہا کہ کھاؤ اس کا فقیر پر اعتقاد تھا اور اس کے نصیب زوروں پر تھے اس لیے کسی کراہت کے بغیر وہ کیڑے کھانے لگا تب دوسرے مست فقیر نے یہ حال دیکھ کر اس سے کہا، کہ اے منخے دونوں جہاں کھوا

رہے ہوئے یہ کہہ کر اس نے ہاتھ اور منہ میں جو کیڑے تھے وہ نکال دیے لیکن جو کھا چکا تھا ان کی برکت سے بڑا رتبہ حاصل کر چکا تھا۔

(3) وٹا فقیر: بھی اوپر والے مٹھا فقیر کا ہمعصر تھا وہ کسی سے بات نہ کرتا تھا، جو سوالی آتے تھے وہ اس کے بیٹھنے اور چلنے سے شگون جیسے جواب پا لیتے تھے، جو کچھ دیکھتے تھے وہ حاصل کرتے تھے، ایک دن کسی گاؤں میں اس کو بھاگتا ہوا دیکھا گیا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کیوں بھاگتا ہے، اتفاق سے اس دن نومڑیوں کے لشکر نے اس گاؤں پر حملہ کر دیا اور لوگوں کو مار کر گھر لوٹ لے گئے۔

(4) موٹا فقیر مجذوب: اپنے وقت میں مشہور تھا، ایک مرتبہ ٹھٹہ کا حاکم نومڑیا قوم کو سبق سکھانے کے لیے پہاڑ کی طرف گیا، حقیقت معلوم کرنے کے لیے اس فقیر کو پہاڑ کے کنارے پر تلاش کر رہے تھے۔ اور خسرو خان کی جھیل پر جا کر پایا، دیکھا کہ ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا ہے اور درخت کو چابک مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ درخت بتا تجھ پر حملہ ہے طاقت ہے کہ نہیں ہا ہا چانک وہ شاخ ٹوٹ گئی اور وہ آ کر زمین پر گرا ان لوگوں کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اس درخت میں یہ شاخ بڑی تھی، اس پر سواری کر کے توڑ دیا۔ اس سے حاکم نے اچھا شگن لیا اور جلدی سوار ہو کر آگے چلے جب دشمن کے گاؤں پہنچے تو وہاں ان کا سردار اچانک مر گیا تھا اور کسی میں اس کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی، جو کچھ بھی ان لوگوں کو کہا گیا وہ سب ان لوگوں نے مان لیا، اسی طرح کسی کو بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی تو اس مجذوب کی گفتگو سے مطلب اخذ کرتا تھا۔

(5) کامل فقیر مجذوب: اس کے بڑے لبار تھے یہ اکثر وقت بیابان میں گذارتا تھا۔ اتفاق سے کبھی کبھار کسی گاؤں میں آیا تو ایک دن یا رات رہ کر چلا جاتا تھا، وہاں کے لوگ اس کی اچھی طرح آؤ بھگت کرتے تھے، اگر کوئی اس کو اپنے گاؤں چلنے کے لیے کہتا تھا تو قبول نہیں کرتا تھا۔ جہاں اس کا دل چاہتا تھا وہاں چلا جاتا تھا، اگر کوئی سوال کرتا تھا تو اس کے جواب میں سندھی بیت پڑھتا، جو تقدیر کے مطابق صحیح ہوتا تھا۔

(6) حبیب شاہ: اصل ذاہری تھا، شروع میں وہ دیوانہ نہ ہوا تھا جب والدین نے اس کی شادی کرائی تھی ایک رات بیوی کے ساتھ رہ کر پھر اچانک گم ہو گیا، بارہ برس کے بعد ظاہر ہوا اور دیوانگی کی حالت میں ننگے پاؤں اور سر اس کو گھر لے آئے۔ اکثر پیر منبر کی درگاہ پر جاتا تھا لوگوں کے دل کا حال جانتا تھا، اور پوچھے بغیر ان کو جواب دیتا تھا، کبھی کبھی کسی آدمی سے کوئی چیز مانگی تو وہ اس کو

دے دیتا تھا۔ ایک دن میر حیدرالدین کامل کے ساتھ روٹی کھا رہا تھا مچھلی کا سالن اور روٹی ان کے سامنے تھی، روٹی شوربے سے کھانے لگا جب میر نے مچھلی کو ہاتھ لگایا تو کھانے نہ دی اور منع کیا جب اس نے کسی طرف منہ کیا تو میر نے مچھلی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا، اس نے جلدی اس کے منہ سے نکال لیا اور سارا سالن پھینک دیا وہاں پر ایک بلا کھڑا تھا وہ یہ مچھلی کھا گیا اور تڑپ کر مر گیا۔ دوسری دفع میر محمد عطا امیر خانی کے گھر بن بلائے آیا اور چادر اوڑھ کر سو گیا تین دن اور تین راتیں پڑا تھا اور کروٹ بھی نہ بدلائی تھی۔ شاہ عبداللطیف تارک بھٹائی اسی جگہ کی اوپر کی منزل پر رہتا تھا، فقیر کے سونے کا سن کر نیچے آیا اور سرہانے بیٹھ کر کہنے لگا کہ اے دیوانے یہ نیند تو کہاں سے سیکھا ہے؟ جو کچھ تم کو نیند میں ہے وہ ہم کو جاگتے میں بھی نہیں ملتا۔ جب نادر شاہ کے مغل آ کر شہر میں داخل ہوئے تب وہ گم ہو گیا پتا نہیں چلتا تھا کہ کہاں گیا۔

(7) لونگ فقیر مجذوب: اصل پنجے کے گاؤں کا تھا۔ جب یہ ماں کے شکم میں تھا تب اس کے ماں باپ حج کرنے گئے تھے۔ اتفاق سے اس کی ماں دو مہینوں کے حمل کے دوران فوت ہو گئی۔ اس کو دفن کیا گیا دو برس کے بعد کوئی آدمی اس کی قبر کے پاس سے گذرا تو اس کی قبر سے ایک بچہ باہر آتے اور جاتے دیکھا چھپ کر کھڑا ہو گیا جب دو تین بار یہ حال دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا جس پر معلوم ہوا کہ وہ حاملہ عورت فوت ہو گئی تھی اور وہ بچہ قبر میں پیدا ہوا تھا اور انگلیوں سے دودھ پی کر بڑا ہو گیا تھا آخر اس کا باپ اس کو گھر لے آیا۔ جب بڑا ہوا تب دیوانہ ہو گیا اور کرامات دکھاتا رہا۔

(8) ٹھٹہ شہر اور گرد و نواح کے چند مجذوب فقیر یہ ہیں: صابو فقیر۔ اصل رنگریز تھا۔ لوگوں کے گھر آ کر ان کو بلا کر چلا جاتا تھا۔ جن سالک۔ بالکل مست تھا۔ زمین پر جو کچھ پڑا دیکھتا تھا وہ کھا جاتا تھا۔ لوگ کئی قسموں کے طعام اس کے آگے رکھتے تھے مگر وہ اکثر نہ کھاتا تھا، اگر کسی کا طعام کھاتا تھا تو وہ اپنی مراد پاتا تھا۔ شاکر فقیر مخدوم زادوں سے تھا۔ مست تھا اور خاموش رہتا تھا، اگر کسی کو غصہ میں آ کر کچھ کہہ دیتا تو اس کے مطابق ہو جاتا تھا۔ سلوک اور عنایت دونوں مجذوب تھے اور کرامات دکھاتے تھے اور لوگوں کے مطلب بر آتے تھے۔ عبدالقدوس خیلانی مخدوموں سے تھا۔ ہمیشہ خاموش رہتا تھا اور لوگوں کے لیٹرن صاف کر کے اتار دیتا تھا۔ اگرچہ شہر سے باہر نہیں جاتا تھا پھر بھی لوگ اس کو کئی جگہوں پر دیکھتے تھے۔ بعض حاجیوں نے تو اس کو حج کرتے ہوئے دیکھا بلکہ وہ کہتے تھے

کہ وہ روزانہ فجر کی نماز بیت اللہ میں پڑھتا تھا۔ سید قاسم سالک قرح والی جامع مسجد کے محراب کے پیچھے رہتا تھا، کرامات دکھاتا تھا۔ سنیاسی مجذوب ہمیشہ ننگا گھومتا تھا، جو کچھ بولتا تھا وہ کسی کو سمجھ میں نہ آتا تھا، بہت سے لوگوں کی مشکلات میں حل کیں، نادر شاہ کے مغلوں کے آنے کے وقت گم ہو گیا۔ نور شاہ اصل ہندی تھا۔ بہت عقلمند تھا لیکن دیوانوں کی طرح رہتا تھا، اکثر بھیک مانگتا رہتا تھا، جذبہ بھی آتا تھا اور کرامات بھی دکھاتا تھا، کبھی کبھی مخفی راز افشا کر دیتا تھا۔ بولا کیدا بھی مست فقیر تھا اور کرامات ظاہر کرتا تھا، ایک دن کسی ماہی گیر نے اس کو گالیاں دیں اس پر ناراض ہو کر کہا کہ اب اگر کچھ کہو گے تو سر کٹواؤ گے اس دن کے بعد اس نے کچھ بکا اس کی تو سر کاٹ دیا گیا، پھنا مجذوب سالک اکثر تجارت رہتا تھا، کبھی کبھار کرامت جیسے کام کر دیتا تھا۔

maablib.org

باب دوم

سندھ کے مشہور امیر، امرا اور عالم و فاضل

فصل اول - سما جام کے عہد حکومت کے لوگ

قدیم سندھ کے جدا جدا شہروں میں جو نامور بزرگ گذرے ہیں ان کا بیان اوپر دیا جا چکا ہے، اب جدا جدا حکومتوں کے دور میں جو مشہور امیر لوگ گذرے ہیں جن کا تذکرہ سندھ کی قدیم تاریخوں میں آیا ہے، ان کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے کچھ لوگوں کے نام شاید اوپر بھی آ چکے ہوں، سب سے پہلے اس باب میں سما جام دور حکومت کے امیر اور مشہور لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) دلشاد: یہ جام نظام الدین کا وزیر تھا اصل ان کے گھر میں پیدا شدہ غلام تھا، لیکن عقل علم اور بہادری کے سبب وزیر کے درجے پر پہنچا، جام نے پہلے اس کو بکھر میں مقرر کیا جہاں پر اعلیٰ انتظامی صلاحیت کی بدولت اس کا تسلط مضبوط کیا، سنہ 912 ہجری میں جام نندے کے دور حکومت کے آخر میں ٹھٹھ سے نکل کر اچ پر فوج کشی کی اور اس طرف وفات پائی۔

(2) دریاخان: پہلے اس کا نام قبولیا تھا اور جام نظام الدین کے دیوان لکھدیر یا لکھبیر کا غلام تھا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ اصل سید زادہ تھا جو قید ہو گیا تھا اور اس کو غلام بنا کر فروخت کیا گیا اور لکھدیر نے اس کو خرید کیا۔ ایک مرتبہ جام نظام الدین شکار پر گیا تھا، دن بہت گرم تھا، سخت پیاس لگی، پانی طلب کیا، قبولیا ان دنوں دیوان لکھدیر کا آبدار تھا۔ اس نے پانی کا ایک پیالا لا کر پیش کیا لیکن اس میں جان بوجھ کر ایک تنکا ڈال کر دیا اس لیے کہ شدید پیاس میں بے صبری کے باعث زیادہ اور جلدی پانی نہ پی جائے تھوڑا تھوڑا کر کے پیتا رہے۔ جب جام کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تب اس کی عقلمندی پسند آئی اور اسی وقت پیسے دے کر اس کو لکھدیر سے خرید لیا اور دریاخان نام رکھا۔ جلد ہی بڑے رتبے پر پہنچا اور دلشاد بھی آگے نکل گیا اور مدار المہام اور امیر الامرا مقرر ہوا اور مبارک خان کا خطاب ملا۔ جب میرزا سید محمد جونپوری ٹھٹھ میں آیا تب عالموں کے کہنے پر جام کا اس پر اعتقاد نہ ہوا لیکن دریاخان جا کر اس کا مرید ہوا اور اسی کی دعا سے بڑے درجے پر فائز ہوا، اس قدر کہ جام نے اس کو

نظام نہ سمجھا مگر اپنا بیٹا سمجھ کر بلاتا تھا۔ اور جب جام مرنے لگا تو اپنے بیٹے کا بازو اس کے ہاتھ میں دیا اور سفارش کی سنہ 927 ہجری میں شاہ بیگ کے لشکر نے اس کو مارا۔ مکلی میں دفن کیا گیا ہے، اس کا بیٹا علاؤالدین بھی عالموں اور امیروں میں شمار کیا جاتا تھا اور وہ بھی شاہ بیگ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دوسرے بیٹے محمود خان اور ستن خان اپنی جاگیر میں رہتے تھے جو تلٹی اور کاہان میں تھی۔

(3) سارنگ خان: یہ بھی جام نظام الدین اور جام فیروز کے نامور امیروں سے تھا، بہادری جرائت اور دانشمندی کے بہت سے کام کیے۔

فصل دوم۔ ارغون اور ترخان دورِ حکومت کے لوگ

(1) سلطان محمود خان بن میر فاضل کوکلتاش بن عادل خواجہ اصفہانی: امیر تیمور نے اس طرف فوج کشی کی تھی، عادل خواجہ کا والد احمد خواجہ میر حسن بصری کے ہاتھ آیا جو تیموری لشکر کا سردار تھا اور ذوالنون مصری کا والد تھا اس نے اس کو بیٹے کی طرح پال پوس کر بڑا کیا، سلطان محمود خان چودہ برس کی عمر میں میرزا شاہ بیگ کے پاس آیا جو اس کو زیادہ پسند کرتا تھا، اور اس کے ساتھ سندھ میں آیا اور اس کو بکھر میں حاکم مقرر کیا گیا۔ بہت سی لڑائیوں میں بہادری دکھائی، آخر کار میرزا شاہ حسن کے بعد بکھر کا مالک بنا۔ اور سنہ 965 ہجری میں شاہ طہماسپ صفوی سے خان کا خطاب ملا اور اکبر بادشاہ نے اچ کی ریاست اس کے حوالے کی۔ سنہ 969 ہجری میں شاہ طہماسپ نے خان خانان کا خطاب عطا کیا، سنہ 981 ہجری میں مبارک خان نے ماتھیلو کا قلعہ فتح کیا اور اسی سال اس کی بیٹی سے اکبر بادشاہ نے شادی کی۔ آخر جلندر کے مرض میں فوت ہوا اس کی وفات کا سال "در بہشت آسودہ" سے نکلتا ہے یعنی سنہ 982 ہجری۔

(2) امیر شاہ قاسم بیگ، لاری سمرقندی: بیگلار کے نسل سے تھا، اور امام زین العابدین کی پشت سے تھا، زمانے کی گردش کے باعث ترکستان میں آیا اور ارغون گھرانے سے تعلق پیدا ہوا۔ شاہ حسن ارغون کے زمانہ میں سمرقند سے سندھ میں آیا۔ جیجون کا پرگنہ جاگیر کے طور پر ملا۔ عمرکوٹ کے رانا کی بھانجی سے شادی کی اور سنہ 947 ہجری میں ایک بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام ابوالقاسم رکھا، اور خود ہمایوں بادشاہ کی پہلی لڑائی میں سنہ 952 ہجری میں مارا گیا۔ تورکی کے گاؤں میں اس کی قبر ہے، اس کا بیٹا ابوالقاسم خان زمان، باپ کے مرنے کے وقت تین برس کا تھا، اپنی ماں کے پاس رہتا تھا

اتفاق سے جونیجوں نے ان کے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ اس میں اس کو منہ پر زخم آیا، اس حال میں میرزا شاہ حسن کے پاس لے آئے، جس نے اس کی پرورش اور تعلیم دلائی اور کا چھے کا رکھ انعام میں دی۔ وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا گیا، ارغونوں کے قتل کے بعد میرزا باقی سے بھاگ کر خان بابا کے پاس رہا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ جو بیگلار نامہ میں درج ہیں، آخر کار میرزا باقی کے پاس آیا بعد میں میرزا جانی کے پاس رہا اس کے ساتھ اکبر بادشاہ کے پاس گیا، بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ میرزا جانی نے اس کے متعلق کہا کہ باون برس، پھر پوچھا کہ کہاں پیدا ہوئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ عمرکوٹ میں تب اکبر بادشاہ نے کہا کہ میں اور یہ سید ایک جگہ پیدا ہوئے ہیں، پھر بادشاہ نے اس کو ایک عمدہ گھوڑا اور ہاتھی انعام میں دے کر خسرو خان کے ساتھ سندھ کی طرف میرزا غازی کی طرف روانہ کیا، اس گھوڑے کا نام مرگھ یعنی ہرن تھا اور اس کے کام بھی عربی گھوڑے کی طرح نمایاں تھے۔ اس گھوڑے کے مرنے پر مقبرا بنوایا گیا جس کو مرگھ منارہ کہتے ہیں، شاہ گڑھ والا قلعہ جو ساکرہ کے کنارے پر ہے وہ بھی اس سید کا بنوایا ہوا ہے۔ ابوالقاسم خان زمان کا بیٹا میر ابوالقاسم سلطان تھا، جس کا ذکر سندھ کی تواریخ میں ہے، اس کی شجاعت اور سخاوت مشہور تھی شعر گوئی اور شعر فہمی میں ہوشیار تھا، اس کا تخلص بلگیر تھا سنہ 969 ہجری میں پیدا ہوا تھا، دوسرے ایک شاعر ادراکی نے بیگلر نامی چنیسر نامہ لکھا تھا، جو اس کے نام منسوب کیا گیا ہے منتخب التواریخ اور تواریخ طاہری میں خود میر ابوالقاسم کی تصنیف بتائی گئی ہے جو غلط ہے۔ اس کا بھائی میر قاسم سلطان بھی مشہور امیر تھا۔

(3) میر فرخ ارغون: میرزا شاہ بیگ اور شاہ حسن کے مشہور امیروں سے تھا، اپنی بہادری کے سبب مشہور ہوا، ٹھٹہ والی جامع مسجد اس کے نام سے مشہور ہوئی جس کو دوبارہ شاہ جہاں بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ میر محمد یونس ارغون پہلے ہمایوں بادشاہ کی ملازمت میں تھا میرزا شاہ حسن کے امیروں میں شمار کیا جاتا تھا، پھر سلطان محمود خان سے منسلک ہوا اور آخر میں گوشہ نشین ہو کر سنہ 985 ہجری میں فوت ہو گیا، مرنے سے دو دن پہلے اپنی وفات کا سال یہ مصرع کہا: "برستم از قید این و آن ای دل شاہ حسین بکھری" میرزا شاہ حسن بکھری کے امیروں سے تھا، عالم اور شاعر تھا، تاریخ نکالنے کے فن میں ماہر تھا۔ کتاب "روضۃ السلاطین" اس کی تصنیف تھا۔ میر علیک ارغون۔ شاہ بیگ اور شاہ حسن کے ہوشیار اور بہادر امیروں میں سے تھا، میرزا شاہ حسن نے اس کو ہمایوں بادشاہ

کی طرف زمانہ سازی کے لیے بھیجا تھا، لیکن وہ وہاں سے بے رخصت لوٹ آیا اور کہا کہ میں نے محسوس کیا کہ جلد ہی اس کے خلاف سازش اور فساد ہوگا، اس وقت کسی کو بھی یہ گمان نہ تھا۔ لیکن جلد ہی شیر خان والا فساد شروع ہو گیا اور ہمایوں ملک چھوڑ کر بھاگا۔ غضنفر بیگ ارغون۔ امیر تھا جس کو میرزا باقی نے ٹھٹہ سے نکال دیا تھا اور وہ کچھ میں پھرتا رہا، میرزا جانی کے زمانہ میں خسرو خان کی سفارش سے لوٹ آیا اور خان خانان والی جنگ میں سیوہن میں بڑا کام کر کے سر کرنے کے بعد مارا گیا۔

(4) میرزا شاہ بیگ عادل خان ترخان: بھائیوں کے نفاق کی وجہ سے میرزا باقی کی حکومت سے نکل کر اکبر بادشاہ کے پاس جا کر رہا اور جہانگیر کے دورِ حکومت میں والی قندھار مقرر ہوا۔ لیکن جب قزلباشوں پر غلبہ نہ حاصل کر سکا تو توقف کیا گیا اور میرزا غازی بیگ اس جگہ پر مقرر ہوا، علم پسند آدمی تھا۔ میر طاہر نے تاریخ طاہری اس کے لیے لکھی، ملا بہود۔ میر عیسیٰ ترخان کے امیروں سے تھا میرزا باقی کی ایک بیٹی سے شادی کی اور اس سے میر علی بیٹا پیدا ہوا، خود میرزا باقی کے عہد کے دوران خان بابا کی جنگ میں مارا گیا اور یہ اس کا بیٹا اس کی جگہ پر علی سلطان کے لقب سے رہا۔

(5) قاضی خمیسہ: یہ ایک عام آدمی تھا، قاضی کے لقب کے لائق نہ تھا، لیکن قاضیوں کی نسل سے تھا، خوش نصیب تھا جو میرزا باقی کی دوستی میں بااثر بنا اور اس کی حکومت میں اپنی بھائی میرزا صالح کی جاگیروں پر قبضہ کیا اور سارے ملک کا مدار المہام اور وکیل بنا۔ ہزاروں گھوڑے اور لشکر اس کے زیر کمان تھا کہتے ہیں کہ ایک ٹھٹہ کے بزرگ سید علی شیرازی اور شیخ عبدالوہاب پورانی اور دوسرے اکابرین کسی ضروری کام سے اس کی پاس آئے، لیکن وہ ان سے حقارت سے پیش آیا اور ان کو ٹلا کہہ کر مخاطب کیا۔ قاضی نعمت اللہ جو ان بزرگوں کے ساتھ آیا تھا اس نے ٹلا لفظ کے معنی دریافت کیے لیکن کوئی جواب نہ دے سکا۔ زمین پر اول گول بھر ہلچھ ار لکیریں نکال کر ان سے پوچھا کہ پہلے تم ان شکلوں کے معنی بتاؤ۔ لیکن ان لوگوں نے کہا کہ ان لکیروں کی معنی ہمیں نہیں آتے۔ آخر وہ بیزار اور رنجیدہ ہو کر چلے آئے پھر دوبارہ اس کا منہ نہ دیکھا۔

(6) خواجہ خلیل: اصل غریب آدمی تھا، لیکن میرزا باقی نے مدد کی تھی اور بچایا تھا اس لیے بڑے درجہ پر پہنچا اور نہر بردار بنا۔ مکلی میں اس کی رانک ہے، جو اس نے تعمیر کرائی اور تاکید کی کہ مزدوروں اور کاریگروں میں سے کسی کا حق نہ مارنا یا کم کرنا اور اس کی باہر میری قبر بنانا اور ایسا ہی ہوا۔

(7) خسرو خان چرکس: جس کو چرکس خان بھی کہتے تھے وہ چنگیز خان کی اولاد سے تھا۔ میرزا عیسیٰ ترخان نے اس کا ذاتی جوہر دیکھ کر اس کو پرگنوں کا عملدار مقرر کیا۔ میرزا باقی اور میرزا جانی کسی دور حکومت میں طاقتور اور دولتمند امیر بنا تنی نشانیاں چھوڑیں جو کے بادشاہ یا امیر نے نہ چھوڑی تھیں اور اس نے 360 جامع مسجدیں اور راتھیں، پلیں، کنویں اور تالاب ٹھٹہ شہر اور گردو نواح میں بنوائے ان پر بہت رقم خرچ کی خدا نے اس شخص کو اتنی توفیق دی جس کا سبب یہ ہے کہ ایک دن اپنے گھر کی دوسری منزل پر کھڑا تھا کہ اس کی نظر ایک پڑوسن پر پڑی جو غسل کر رہی تھی۔ اس پر اپنی آنکھیں نکالنے کا ارادہ کیا لیکن عالموں نے منع کیا اور اس کی کفارہ کے طور پر اس نے زیادہ خیرات کرنا چاہی اس کے مرنے کے بعد کسی کشف والے صاحب نے اس کو خواب میں دیکھا اور حال پوچھا اس نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی دنیا میں دیکھا اور کیا وہ میرے کام نہ آیا صرف ایک بات میری بخشش کا سبب بنی وہ یہ ایک دن میں لکھ رہا تھا تو ایک مکھی آکر میرے قلم پر بیٹھ کر سیاہی چوسنے لگی۔ مجھے اس پر رحم آگیا تھوڑا وقت توقف کیا جب تک سیاہی چوس کر سیر ہو گئی اور اڑ گئی تب پھر لکھنے لگا۔ میرزا غازی بیگ کے زمانہ میں اس کی اولاد نے اس کے صدقے سرکشی کی اس لیے میرزا نے اس کو موقوف کیا اور اس جگہ پر ہندو خان کو مقرر کیا، اس کے بعد جلد ہی میرزا غازی فوت ہو گیا۔ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا ملک تیموری امیروں کے ہاتھ آیا اور خسرو خان ٹھٹہ سے نکل کر لاہری بندر کی طرف گیا اور وہاں سے ہرمز کی طرف چلا گیا، اس کے نام کا تاریخ خسرو دہلوی کا یہ مصرع تھا: "خسرو از تو پناہ می طلبد" اس کا بیٹا بھائی خان تھا جس کا پورا نام لطف اللہ تھا۔ میرزا غازی کے ساتھ قندھار میں تھا اور افغانوں سے لڑائی میں بہادری دکھائی، اس کا بیٹا فتح اللہ اپنے دادا کی حکومت میں سرکار چاچکان کا صوبیدار تھا خسرو خان کے نواسے یعنی شیخ کالہ کی اولاد جو شیخ بہاؤالدین ملتانی کے پوتے تھے وہ ٹھٹہ میں اس کی حویلی میں رہتے تھے۔

(8) ملا محمد علی: میرزا جانی بیگ کا دیوان تھا اور مغل سرکار کا دلدادہ تھا، ٹھٹہ میں ایک محلہ اس کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے بیٹوں سے محمد قاسم: شاہ جہاں بادشاہ کے وزیر جعفر خان کا منشی تھا۔ اس کا بیٹا محمد حکیم باپ کے مرنے کے بعد اس کا جانشین بنا اور دوسرا بیٹا محمد عارف شہزادے محمد کام بخش کا منشی تھا، اس کے بیٹے دہلی میں تھے مگر ان کے پوتے ٹھٹہ میں آئے ملا کدا علی بھائی خان میرزا جانی کے امیروں سے تھا اور محمد عسکیل کا بیٹا تھا میرزا غازی کے ساتھ زہر سے مار دیا گیا تھا اور ٹھٹہ کا

بھائی خان والا محلہ اس کے نام سے مشہور ہے، محمد امان ترخان میرزا جانی بیگ کے امیروں سے تھا، عام آدمی اس کو ملک امان کہتے تھے اور شہر کا چوراہا ملک امان اس کے نام سے منسوب تھا، امیر بیگ ارغونوں کی نسل سے تھا اور میرزا جانی بیگ کے لشکر کا بخشی تھا اور اس کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا، امیر بیگ والی بزار اس کے نام سے ہے، میر احمد بیگ اصل فرنگی تھا، میرزا جانی کا خاص نوکر تھا اور اس کو سلطان کا لقب عطا کیا اور وکیل مقرر کیا۔ بعد میں وہ قندھار کے صوبہ پر مقرر رہا اور اس کو اعتماد خان کا لقب ملا۔ اس کا بیٹا منعم بیگ اور اس کا پوتا میر شرفی ٹھٹہ کے مشہور لوگ تھے، میر پٹھے کی درگاہ پر جو سیڑھی ٹھٹہ کہی جاتی ہے وہ میر شرفو کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کے بیٹے میر منا اور میر چھتن ٹھٹہ کے مشہور لوگ تھے۔ ایک بڑے محلے میں رہتے تھے بعد میں اس محلہ میں پھر امیر خانی رہنے لگے۔

(9) شیخ مرکیہ ولد ابو سعید پورانی اور میر محمود کا باپ اصل عرب کے سید بادشاہوں کی نسل سے تھا، اس کی ماں شیخ جلال الدین تورانی کی بیٹی تھی، بڑا عالم اور پرہیزگار تھا، سندھ میں کئی برس شیخ الاسلام بن کر رہا خوشنویس بھی تھا۔ سنہ 962 ہجری کے محرم مہینے میں فوت ہو گیا۔ ابو سعید پورانی کے پوتے، میر بایزید کے بیٹے اور شیخ میرک کے بھتیجے شیخ میر محمد اور شیخ عبدالوہاب ساعہد حکومت میں مشہور تھے اور سنہ 970 ہجری میں فوت ہو گئے۔ شیخ میرک کے بیٹے عبدالباقی اور عبدالرحمان جو میرکان کے نام سے مشہور تھے وہ نہایت مشہور عالم اور فاضل تھے، پہلے نے سنہ 983 ہجری میں وفات کی اور دوسرے کی شہادت سنہ 991 ہجری میں رمضان کی عید کے دن ہوئی۔ ان کے فتوے ٹھٹہ اور بکھر میں مشہور ہیں۔ شاہ طیب کا پوتا شاہ محمود کا بیٹا شاہ قطب الدین خراسان کے بڑے سید گھرانے سے تھا، جو سندھ میں بکھر کے قلعہ میں آ کر رہے، شاہ قطب الدین سنہ 977 ہجری میں فوت ہو گیا، وہ ہمیشہ جمعہ کے دن وعظ کرتا تھا، اس کی وفات کا سال بھی لفظ "وعظ" سے نکلتا ہے۔

(10) مخدوم محمد فخر پوتا: بڑا عالم تھا، شیخ الاسلام کا دوست تھا اور اس کے مرنے کے بعد کاہن گاؤں میں رہنے لگا اور خواجہ خضر سے ملاقات کرتا تھا، اس کے شاگرد بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ وہ اصل ہرات سے سندھ میں آیا تھا، مولوی عبدالعزیز ہراتی ابہری دو بیٹیوں کے ساتھ ہرات سے سندھ میں آیا اور کاہان میں آ کر رہا اور تدریس کا کام شروع کیا۔ مخدوم میاں۔ بڑا عالم تھا یعقوب کا بیٹا تھا۔ میرزا شاہ حسن کا استاد تھا، اور بھی دوسرے لوگوں نے اس سے علم کی تحصیل کی سنہ 949 ہجری میں ٹھٹہ میں فوت ہو گیا اس کی تاریخ "وارث الانبیا" ہے۔ مولوی ضیاء الدین ولد

مخدوم صدرالدین راھوئی، بڑا عالم و فاضل تھا۔ شروع میں مدرس تھا بعد میں گوشہ نشین ہو کر عبادت میں عمر گذار دی۔ قاضی شیخ احمد اوچہ ولد شیخ یعقوب۔ بڑا عالم تھا، اچ اور ملتان سے بکھر میں آیا اور وہاں سے ٹھٹہ گیا اور وہاں پر قاضی مقرر ہوا۔ میرزا عیسیٰ ترخان کے زمانہ میں فوت ہو گیا۔ مولوی مصلح الدین لاری عالم اور عاقل تھا، اس نے میرزا شاہ حسن کو بھی پڑھایا تھا، سنہ 961 ہجری میں حج پر گیا تھا، کتاب "شرح شمایل نبوی"، "حاشیہ تفسیر بیضاوی" اور "شرح فارسی منطق" اور دوسری کئی کتابیں لکھیں۔ شیخ عبداللہ پرہیزگار ولد مولوی سعد سندھی۔ بیلا گاؤں میں مدرس تھا، تفسیر اور حدیث کے علم کا بڑا عالم تھا۔ سنہ 947 ہجری میں گجرات گیا اور قاضی عبداللہ کے ساتھ رہا قاضی قاضن کے ساتھ مدینہ میں رہا اور کافی کتابیں لکھیں۔

(11) قاضی دتہ سیوہانی: قاضی صدرالدین کی پانچویں پشت سے تھا، وہ اپنے والد قاضی شرف الدین کا شاگرد تھا جس کو مخدوم راہو کہتے تھے۔ علم حدیث مخدوم بلال تلٹی والے سے حاصل کیا اور دوسرے علوم مخدوم تحریوتا اور عبدالعزیز ہراتی سے حاصل کئے۔ اٹھارہ تفسیر پڑھے، علم جعفر اور دوسرے مخفی علوم جانتا تھا، ترکی زبان بھی جانتا تھا، بہت ذہین تھا، اس کو بہت سی کتابیں یاد تھیں۔ میرزا شاہ حسن اکثر اس کے پاس آتا تھا، اور اس کی تکریم کرتا تھا۔ قاضی قاضن ولد قاضی زین الدین ولد سعد سیوہن میں رہتا تھا اس کا بڑا دادا قاضی ابوالخیر بکھر میں رہتا تھا یہ قاضی حافظ تھا۔ حدیث، تفسیر، اصول فقہ اور تصوف کا عالم تھا۔ سید محمد جونپوری جس کو میران مہدی کہتے تھے، اس کا مرید ہوا، میرزا شاہ بیگ اور میرزا شاہ حسن اس پر بہت مہربان تھے بکھر میں قاضی مقرر ہوا جب بوڑھا ہوا تب اپنی جگہ پر اپنے بھائی قاضی نصراللہ کو بٹھا کر خود گوشہ نشین ہو گیا اور سنہ 958 ہجری میں فوت ہوا۔

(12) مخدوم رکن الدین جس کو مخدوم مٹوح بھی کہتے تھے، وہ مخدوم بلال کے خلیفوں میں سے تھا۔ بڑا عالم اور پرہیزگار شخص تھا، اس نے شرح گیلانی اور دوسری کتاب لکھی، تفسیر اور حدیث کے علم میں قابل تھا اور بہت سوں کو سکھایا۔ سنہ 949 ہجری میں ٹھٹہ میں وفات پائی۔ محمد یوسف طیوبیہ۔ بڑا عالم اور فاضل قرآن کا قاری اور صاحب کرامات تھا، سنہ 938 ہجری میں فوت ہو گیا۔

(13) قاضی عبداللہ ولد قاضی ابراہیم بڑا عالم اور فاضل شخص تھا، مخدوم عبدالعزیز ہراتی ابہری کا شاگرد تھا، پہلے بیلا کے گاؤں میں رہتا تھا، پھر جب میرزا شاہ بیگ نے سندھ فتح کیا تب باغبان میں آ کر رہا، اور پھر سنہ 934 ہجری میں گجرات کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ گیا اور اُدھر وفات کی۔ اس کے بیٹے شیخ صالح، شیخ رحمت اللہ اور شیخ حمید تھے، جو سب عالم اور فاضل تھے۔ سید حیدر، سن گاؤں میں رہتا تھا، تین برس کی عمر میں مولوی عمر بلیہ اور مخدوم بلال کا شاگرد ہوا۔ بڑے رتبہ اور کرامت کا صاحب ہوا، سنہ 937 ہجری میں وفات پائی۔ مخدوم عربی ہالکنڈی ولد داؤد بڑا عالم اور سالک تھا، اس کے بہت سارے شاگرد تھے جن سے مخدوم نوح ہالا والا ایک تھا، شاہ جہانگیر ہاشمی شاہ طیب ہراتی کی اولاد سے تھا، میرزا شاہ حسن کے عہد میں خراسان سے سندھ میں آیا، بڑا شاعر تھا کتاب "مظہر الآثار تحفۃ الاحرار" کے جواب میں لکھا۔ اس کے دیوان "دیوان ہاشمی" بھی مشہور ہے، سنہ 946 ہجری میں فوت ہو گیا، حج پر جا رہا تھا لیکن کیچ مکران میں فوت ہو گیا۔ میر شاہ مسعود مولانا فخری اور حیدر رکلو نجو اس وقت کے مشہور شاعر تھے آخر الذکر کا "دیوان حیدری" مشہور ہے۔

(14) سید علی شیرازی انجوی: جس کے آبا کا بیان اوپر سیدوں میں آیا ہے، یہ سید نہایت سخی تھا، سال میں ایک دفعہ قاضیوں اور مفتیوں اور دوسروں کی دعوت کرتا تھا، سماع کی رسم سندھ میں پہلے پہل اس نے جاری کی۔ بہت سے لوگ ایک دوسرے کی کمر پکڑ کر گاتے تھے اور ان کی آواز ایک کوس کے فاصلے پر سنی جاتی تھی، سنہ 961 ہجری میں اس نے وفات کی۔ جو سال لفظ "فات اتحاتم" سے نکلتا ہے یعنی حاتم مر گیا۔ اس کا بیٹا سید جلال الدین بھی مشہور تھا۔

(15) مولوی عبدالخالق گیلانی سنہ 992 ہجری میں قندھار سے بکھر میں آیا اور میر معصوم بکھری کے گھر میں پڑھاتا تھا، پھر ٹھٹہ گیا، میر کلاں اور شیخ میرک اس کے دوست تھے اور اس کے ہاں پڑھے۔ قاضی محمود بھی ان کا شاگرد تھا۔ مولوی عبدالرحمان، مولوی کریم الدین، مولوی یوسف، مخدوم فضل اللہ، قاضی شیخ اور قاضی کاشانی یہ سب بزرگ اسی زمانے کے تھے۔

مندرجہ ذیل لوگ خاص سلطان محمود خان کی حکومت کے تھے۔

(16) میر سید صفائی ولد سید مرتضیٰ حسین ترمذی۔ بڑا عالم تھا اور قطب الدین محمد ولد شاہ طیف ہراتی بکھر کا شیخ الاسلام مقرر ہو کر آیا، سنہ 991 ہجری کے مہینے ذوالقعد میں فوت ہوا، اس کا ذکر اوپر بکھر میں آیا ہے۔ شیخ میر غورمانی۔ علاء الدولہ سمنانی شیخ رکن الدین کی اولاد سے تھے اور شیخ

عبدالوہاب پورانی کی بہن سے شادی کی، علم موسیقی میں ماہر تھا۔ سلطان محمود کی حکومت میں ٹھٹھ سے بکھر میں آیا اور پھر ہندستان گیا اور سنہ 980ہجری میں اُدھر وفات پائی۔ مولوی عبداللہ منفی ملتان سے بکھر آیا، بڑا عالم اور فاضل تھا۔ سنہ 917ہجری میں فوت ہو گیا۔ قاضی داؤد اصل سیوی کے قریب فتح پور میں رہتا تھا، پھر بکھر میں آیا اور قاضی مقرر ہوا۔ بڑا دیندار اور امین اور فقیر تھا، سنہ 981ہجری میں شوال کے مہینے میں فوت ہو گیا۔ میر محمود پورانی پہلی ہرمز بندر کے راستے ٹھٹھ میں آیا اور شیخ بایزید پورانی کی بیٹی سے شادی کی پھر آ کر بکھر میں رہا۔ کسی کے پاس نہ جاتا تھا، فقط عید کے روز سلطان محمود خان سے جا کر ملتا تھا، سنہ 917ہجری میں وفات پائی۔ میر یونس ارغون پہلے ہمایوں بادشاہ اور محمد زمان میرزا کے پاس تھا، پھر میرزا شاہ حسن اور سلطان محمود خان کے پاس رہنے لگا، ترکی اور فارسی زبان کا اچھا شاعر تھا، سنہ 985ہجری میں فوت ہو گیا۔ مولوی یار محمد ہرات سے آیا انشاء کے علم میں ہوشیار تھا اور اچھا شاعر تھا، سلطان محمود نے اس کو وکیل کر کے بادشاہ کی طرف روانہ کیا سیت پور میں فوت ہو گیا۔ مخدوم قاضی عثمان بڑا عالم، فاضل اور پرہیزگار تھا سنہ 1002ہجری میں فوت ہو گیا۔ مخدوم عباس ہنگورا اصل پاٹ کا رہنے والا تھا۔ پھر سنہ 947ہجری میں، ہنگورجا میں آ کر رہا۔ تفسیر حدیث اور فقہ میں قابل تھا۔ حدیث پڑھتے وقت ہمیشہ روتا تھا۔ سنہ 998ہجری کے شعبان کے مہینے کی چودھویں تاریخ چھیانوے برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔ مولوی ابراہیم ولد مولوی جمال الدین منفی بڑا عالم تھا سنہ 989ہجری میں فوت ہو گیا۔ مولوی قاسم دیوان مخدوم میراں کا شاگرد تھا اور دوسرے بڑے بڑے بزرگ اس کے شاگرد تھے۔ جب سلطان محمود سیوی کا حاکم مقرر ہوا تب اس کو اپنے ساتھ لے آیا۔ اس کے پاس قرآن پڑھتا تھا اور بکھر میں اس کے ہاں بہت سی کتابیں پڑھیں۔ سنہ 977ہجری میں فوت ہوا۔

(17) عرب گاہی: میرزا شاہ حسن کی حکومت کے آخری دنوں میں جب بیماری کے سبب وہ کام کرنے کے قابل نہ رہا تب چند بدکردار لوگ رعیت کو تکلیف پہنچانے لگے۔ سنہ 960ہجری میں میرزا نے عرب گاہی کو ٹھٹھ کا حاکم مقرر کیا اور خود کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کی سیر کرتا رہا۔ اس نے ارغونوں اور ترخانوں کو بہت ستایا، اسی طرح نصرت آباد کو شنبہ اور رفیق غلاموں کے حوالے کیا، آخر مغلوں نے میرزا عیسیٰ ترخان کی سربراہی میں فساد برپا کیا اور ان تینوں آدمیوں کو قتل کر دیا اور شاہ حسن کی بیوی کو قید کر دیا۔

باب یازدہم

سندھ میں دہلی کے تیموری مغل بادشاہوں کے امیر اور نواب

(1) مرزا غازی بیگ کے مرنے کے بعد سنہ 1021 ہجری میں جب خسرو خان ہندو خان کو بھگا کر خود مختار ہو گیا تب دہلی کے بادشاہ نے میر عبدالرزاق کو بھیجا کہ خسرو خان کو بید خل کرے۔ اس نے آکر ایسے ہی کیا۔

(2) مرزا رستم بن سلطان حسین۔ مرزا شاہ اسماعیل صفوی کی اولاد سے تھا اور قندھار کا حاکم تھا جب ازبکوں نے خراسان پر غلبہ پالیا تب وہ وہاں سے بھاگ کر سنہ 1002 ہجری میں اکبر بادشاہ کے پاس آیا۔ پھر جہانگیر بادشاہ نے اس کو پانچ ہزار عہدہ پر مقرر کرکے ٹھٹھ کا حاکم مقرر کیا اور میر عبدالرزاق کو حکم ملا کہ ٹھٹھ کا شہر اس کو بطور جاگیر حوالے کرے اور دو لاکھ روپے انعام بھی دیا جائے۔ لیکن وہاں پر پہنچنے سے پہلے صورت حال تبدیل ہو گئی اور وہ موقوف ہو گیا اور راجا سنگدین کے حوالے کیا گیا۔ اور حکم کیا گیا کہ جب تک فریادیوں کی دادرسی نہ ہو جائے تب تک منہ نہ دکھائے۔ آخر دو برس کے بعد بادشاہ اس سے راضی ہوا اور پہلے وہ الہ آباد کا صوبیدار ہوا اور بعد میں پٹنہ اور بہار کا۔ آخر شاہ جہاں بادشاہ کی حکومت میں گوشہ نشین ہو گیا اور آگرہ میں رہنے لگا اور وفات کی۔ اچھا شاعر تھا اس کا تخلص "فدا" تھا۔ اس کا بھائی مظفر حسین بھی قندھار کا حاکم تھا۔ پھر بھاگ کر اکبر بادشاہ کے پاس آیا اور وہ بھی شاعر تھا۔ مرزا رستم کا بیٹا مرزا مراد شاہ جہاں کے امیروں میں سے تھا۔ اور التفات خان کا خطاب ملا تھا وہ بھی شاعر تھا۔

(3) مرزا مصطفیٰ خان ٹھٹھ کا نواب بن کر آیا لیکن جلد ہی فوت ہو گیا اور اس کی جگہ پر میر بایزید بخاری جہانگیر بادشاہ کی حکومت میں سنہ 1028 ہجری میں سندھ کا صوبیدار مقرر ہو کر دو ہزاری منصب سے ٹھٹھ میں آیا۔ ڈیڑھ ہزار کی نفری اس کے ساتھ تھی اس سے پہلے بکھر کا فوجدار رہا تھا اس کے بعد:

(4) نواب شریف الملک آیا جن کو شریف خان بھی کہتے تھے اور کانا ہونے کے سبب یک چشم بھی کہا جاتا تھا اس کی حکومت میں سنہ 1035 ہجری میں شہزادہ شاہ جہاں باپ سے ناراض ہو کر

عراق اور عجم کی طرف جانے کی غرض سے چند خاص آدمیوں کے ساتھ ٹھٹہ میں آیا اور کافی عرصہ رہنے کا ارادہ کیا لیکن شریف الملک نے مقابلہ کیا۔ شہزادہ نے شہر پر ہر طرف سے حملہ کیا لیکن شکست کھائی آخر بیر بدر کے قریب مکلی کے بل پر سخت جنگ چھڑی بہت سے لوگ شہید ہوئے جن کی ہڈیاں برسوں تک نظر آتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب شہزادے کی بیگم حاملہ تھی اس نے انار کھانے کی خواہش ظاہر کی شہزادہ اپنے ہاتھ سے اس کی طرف انار بھیجنے کیلئے خط لکھ کر روانہ کیا اور اس نے ایک فرنگی توپچی کو روانہ کیا جس نے بیگم کے خیمہ جا کر توپ چلائی اور کہا کہ ادھر ایسے انار ہوتے ہیں۔ توپ کی آواز پر ڈر سے بیگم کا حمل ساقط ہو گیا۔ شریف الملک نے دور بین سے دیکھ کر خود بھی ایک توپ کو آگ لگائی اور اس کا خیال تھا کہ خود شہزادہ بھی توپ سے مرے گا۔ لیکن اتفاق سے وہ اس وقت باہر نکل گیا تھا اور توپ کو آگ لگاتے وقت جس آنکھ سے نشانہ باندھا تھا وہ آگ سے جھلس کر نکل گئی اور کانا ہو گیا۔ پھر جب شہزادہ خود بادشاہ بنا تب اس دشمنی کی اس کو اور اس کے دوستوں کو بھی سزا ملی۔

(5) مرزا عیسیٰ ترخان بڑے مرزا عیسیٰ کا پوتا مرزا غازی خان کا چچازاد بھائی تھا اور مرزا غازی کی حکومت کی شروعات میں جو فساد ہوا تھا اس میں ابوالقاسم سلطان کا دوست تھا اور مرزا سے بھاگ کر سمیجو لوگوں کے پاس جا کر چھپا۔ جب ابوالقاسم گرفتار ہو گیا اور لوہے کی گرم سلائی سے اس کو اندھا کیا گیا تب وہ ڈر کر بادشاہ کے پاس بھاگ گیا اور وہاں جا کر ملازمت کی آخر سنہ 1037 ہجری میں چار ہزاری منصب پا کر ٹھٹہ کا نواب بن کر آیا پھر کرنال کے قلعے کی حفاظت کیلئے مقرر کیا گیا اور شاہ جہان بادشاہ کے دور حکومت تک وہاں رہا پھر فوت ہو گیا اس کی رانک مکلی میں مشہور ہے۔ اسی رانک کیلئے وہاں سے پتھر روانہ کرتا رہا اور اس کی تعمیر میں اٹھارہ برس لگ گئے اور نورائی دیھ کی آمدنی سے وہ بنتی رہی اور دوسری قبروں کا خرچہ بھی اسی سے ہوتا رہا۔ رانک کی تعمیر کے دوران مرزا عیسیٰ نے وفات پائی اور عمارت کا کام بند کیا گیا ورنہ مرزا کا ارادہ تھا کہ اس کے ارد گرد اپنے بیٹھنے کیلئے جگہیں تعمیر کراتا۔

(6) اس کے بعد نواب امیر خان میر ابوالبقا ولد نواب قاسم خان النمکین ہروی بن ملا میر سبزواری آیا جب شاہ جہان بادشاہ تخت نشین ہوا تب شریف خان اور نگر الہ کے جام کو دشمنی اور گستاخی کی سزا دینے کیلئے اور دھراجہ کے رانا نگامرہ کی قوم اور حمل جت اور دوسرے لوگ جنہوں نے اس کی خدمت کی تھی ان کے انعام کیلئے اس نے نواب کو ٹھٹہ کی طرف روانہ کیا جو سنہ 1037 ہجری

میں ٹھٹہ میں آیا۔ پہلے والے منصبداروں کو موقوف کیا گئی کو گرفتار کیا گئی پر جرمانہ کیا۔ نگراہ والے جام کو قتل کرایا۔ حمل جت اور دھارا جن کے رانا کو سرفراز کیا امیر پور کا شہر تعمیر کرایا جو اس کے نام سے منسوب ہوا۔ جب نواب بننے سے پہلے یہاں سے گزرا تھا تو یہ خشک اور ویران جگہ تھی اور چرواہے رہتے تھے۔ ان لوگوں نے اس کی اچھی خاطر مدارت کی تھی جس پر وہ راضی ہو گیا تھا۔ اس لئے اس ویران جگہ کو اپنی نوابی کے دور میں ان کے نام مقرر کیا تھا اور ان کے کہنے پر وہاں گاؤں تعمیر کرائے۔ بھورا، بہرام پور، دورک اور پلیجا اس جگہ پر ہیں۔ اس نواب کی کافی اولاد ہوئی اور ہند اور سندھ میں بڑی مقبولیت پائی ایک مندر کو مسمار کر کے مسجد تعمیر کرائی جو بھائی خان محلہ میں عبدالغنی چوک میں ملک امان کے بیچ میں تھی اس کی راتنک مکلی میں ہے۔ اس کے بیٹوں سے ضیاء الدین خان سیوستان کا فوجدار تھا اور دوسرے دو شمس الدین اور ملتفت خان تھے۔ اس کے پوتوں میں میر ابوالمکارم تھا۔ شعر میں اس کا تخلص "شہود" تھا اور اپنے وقت کا بڑا ولی تھا۔ دوسرا امیر عبدالرزاق جو بڑا عالم اور فاضل تھا وہ ہکلا تھا بات کرتے وقت بعض لفظوں پر اس کی ہکلاہٹ شروع ہو جاتی تھی لیکن وہ ایسا ہوشیار تھا کہ ان لفظوں کو چھوڑ کر دوسرے لفظ بولتا تھا۔

(7) اس کے بعد نواب مظفر خان آیا جو جہانگیری امیر تھا۔ اس کا نام میر عبدالرزاق معموری تھا جو لودھی خان بعد میں ترخانوں کی ردکی ہوئی جاگیروں کا امین تھا اور خسرو خان کے بعد ٹھٹہ کا امین تھا۔ اس کی نشانی گوڑی بازار والی مسجد ہے۔

(8) پھر سید ابراہیم ولد میر بایزید بخاری حاکم ہوا۔

(9) سنہ 1057 ہجری میں نواب مغل خان آیا۔ وہ شاہ جہانی امیر تھا۔ چھ برس نواب رہا سنہ 1059 ہجری میں بھکر اور سیوستان کی سرکار اس کے حوالے تھی۔ اس سے پہلے ملتان کا صوبہ سندھ کی جاگیر تھا۔

(10) سنہ 1063 ہجری میں نواب ظفر خان ٹھٹہ کا ناظم اور نواب بن کر آیا چھ برس رہا اس کی نشانی مشکین باغ تھا جو پھر اجڑ گیا۔ اس کی موجودگی میں شاہزادہ سپہر شکوہ ولد دارا شکوہ ہفت ہزاری منصب سے ٹھٹہ کا صوبیدار ہو کر آیا اور نواب اس کا نائب تھا۔

(11) سنہ 1069 ہجری میں اورنگزیب کے عہد میں قباد خان آیا۔ اس وقت اتفاق سے سندھ میں سخت قحط پڑا تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ خود بھی آگیا تھا۔ جس کی آمد نے قحط کو بڑھا دیا کیوں کہ اس

کے ساتھ بہت سارا لشکر تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ قلعے میں رہے۔ لیکن جب قلعہ دیکھا تب پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ بتایا گیا یہ سرکاری قلعہ ہے تب بہت غصہ ہوا اور باہر نکل کر آگیا اور حکم دیا کہ اس کو آگ لگا کر جلادو ایسا ہی کیا گیا پہلے کھاٹ بلدہ کو جلایا جلا ہوا کھاٹ اس کی نشانی ہے۔

(12) قباد خان کے بعد سنہ 1071 ہجری میں نواب لشکر خان آیا اور چار برس تک رہا۔

(13) پھر نواب غضنفر خان 1075 ہجری میں آیا اور تین سال تک رہا۔

(14) پھر نواب سید عزت خان آیا جس کو عزت بیر بھی کہتے تھے پہلے وہ بھکر کا فوجدار بھی رہ چکا تھا ٹھٹہ میں سنہ 1078 ہجری میں آیا تھا اور دو برس تک رہا۔

(15) پھر نواب ابو نصرت خان آیا جو عالمگیر بادشاہ کا ماموں اور بڑا پرہیزگار امیر تھا۔ شاعر بھی تھا۔ سنہ 1082 ہجری میں آیا اور دو برس تک رہا۔

(16) اس کی جگہ پر نواب سعادت خان آیا اور دو برس رہا۔

(17) نواب سید عزت خان دوسری مرتبہ سنہ 1084 ہجری میں آیا اور چھ برس تک رہا۔

(18) پھر نواب خانزادہ خان سنہ 1090 ہجری میں آیا پانچ برس تک رہا اچھا شاعر تھا۔

(19) پھر نواب سردار خان 1095 ہجری میں آیا اور تین برس تک رہا۔ اس زمانہ میں ملک میں وبا پھیل گئی بہت سے شہر ویران ہو گئے اور قحط بھی پڑا۔

(20) پھر نواب حفیظ اللہ خان 1099 ہجری میں آیا یہ اصل میں کسی راجہ کا بیٹا تھا، جو مسلمان ہوا تھا اس کے ساتھ کئی ہزار راجپوت بھی آئے تھے۔ جو اپنے اصلی مذہب پر قائم تھے۔ جب کھاٹ بلدہ کے پاس آیا تب دیکھا کہ قلعے تک پہنچنے کیلئے بڑے گوشت کے قصابوں کے بڑے بازار سے گزرنا پڑے گا اور یہ راجپوتوں کو ناگوار گزرے گا، اس لئے ٹھٹہ کے قاضی، قاضی حسین کو پیغام روانہ کیا کہ میرے ساتھ ہندو اور راجپوت بھی کافی تعداد میں ہیں اس لئے بازار سے قصابوں کو ہٹادو لیکن قاضی نے دیکھا کہ اس طرح کرنے سے شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوگی اور شرعی حکم، حاکم کے حکم پر فوقیت رکھتا ہے اس لئے رات کو ہی حکم جاری کیا کہ بازار کے دونوں طرف ایسے اور بھی قصاب نئی دکانیں کھول کر بیٹھیں۔ جب نواب ناظم کو یہ خبر ہوئی تب کچھ کہہ نہ سکا اور ہمیشہ والی رسم کے مطابق بازار سے گزرا۔ وہ ٹھٹہ میں دو برس تک رہا لیکن اس کے ہندو فوجیوں نے مسلمانوں کو

بہت تکلیفیں دیں۔ جس کے متعلق بعض امیروں نے بادشاہ سے شکایت کی اس بنا پر بادشاہ نے اس کو موقوف کر دیا اور وہ وہاں سے نکل کر تغلق آباد والے قلعے میں جا کر رہا جو اجڑا ہوا تھا لیکن اس کی پھر مرمت کی گئی۔ جب دوسرا ناظم آیا تب یہ حضور میں گیا۔

(21) نواب زبردست خان سنہ 1101 ہجری میں نواب مرید خان کی موجودگی میں ٹھٹہ میں آیا لیکن جلد ہی فوت ہو گیا اس کی جگہ پر نصرت خان دوبارہ مقرر ہو کر آیا جو دو سال اور چند مہینے رہا۔

(22) نواب حفظ اللہ خان ولد سعد اللہ خان جو شاہ جہان کا وزیر تھا سنہ 1102 ہجری میں ٹھٹہ اور سیوہن کی حکومت کے لئے آیا۔ بڑا خیر خیرات کرنے والا امیر تھا۔ حضرت ﷺ کے عرس کے موقع پر بڑے پیمانے پر کھانا کھلاتا تھا شروع میں یا آخر میں خود لوگوں کے ہاتھ دھلاتا تھا۔ جب شہزادہ محمد معز الدین میاں دین محمد سرائی کو لینے کیلئے آرہا تھا تب اس نے نواب کو سیوہن کے قریب دریا پر پل باندھنے کیلئے حکم دیا اس نے شیخ عبدالغنی کو حکم دیا لیکن جب اس سے یہ کام نہ ہو سکا تب نواب نے خود یہ کام کیا۔ سورج کی گرمی میں کھڑے ہونے کے سبب بیمار ہو گیا اور سنہ 1112 ہجری میں سیوہن میں ہی فوت ہو گیا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اس کی تاریخ وفات میں یہ آیت نکالی۔ ''فھم جنات الماوی نزلا بما کانو یعلمون''۔ ٹھٹہ والا نیا قلعہ اس نواب نے تعمیر کرانا شروع کیا تھا اور اس کے نامکمل ہونے کا سبب یہ تھا کہ وہ بادشاہ کے حکم سے تعمیر کرا رہا تھا لیکن جب اس نے محسوس کیا ٹھٹہ کیلئے شہر پناہ ضروری ہے وہ قلعہ تو صرف اس کا گھر بنے گا تب اس کی تعمیر بند کروی یہ نواب اچھا شاعر بھی تھا۔

(23) نواب سعید خان جس کو خانزاد خان سعید خانی چنگیز خانی کہتے تھے۔ وہ سنہ 1113 ہجری میں ٹھٹہ اور سیوہن کا ناظم بن کر آیا۔ وہ خود سیوہن میں رہا اور اپنے بیٹے ارشد خان کو ٹھٹہ روانہ کیا۔

(24) نواب میر امین الدین خان حسین ولد سید ابوالقاسم ''شہود'' تخلص بن میر ابوالبقا امیر خان سنہ 1114 ہجری میں ٹھٹہ کا ناظم مقرر ہوا۔ بڑا امیر تھا اور اکثر اوقات کتابیں پڑھنے اور عالموں کی صحبت میں وقت گزارتا تھا۔ کتاب ''رشحات الفنون'' جس میں چودہ علموں کا ذکر ہے اور ''معلومۃ الآفاق'' دونوں اس کی تصنیفیں ہیں۔

(25) پھر نواب یوسف خان ترخ سنہ 1115 ہجری ٹھٹہ کا صوبیدار ہو کر آیا اور ایک سال بعد واپس طلب کیا گیا۔

(26) پھر نواب احمد یار خان برلاس سنہ 1115 ہجری میں ٹھٹہ آیا وہ اصل میں لاہور کے قریب رہتا تھا۔ اس کا باپ الہیار خان لاہور اور ملتان کا حاکم تھا اور چالیس برس تک غزنی میں فوجدار رہا۔ تین سال ٹھٹہ میں رہا اس کے وقت میں سنہ 1118 ہجری کی 23 تاریخ ذوالقعد میں عالمگیر بادشاہ نے وفات کی اور اس کا بیٹا بہادر شاہ سنہ 1119 ہجری کے محرم مہینے کی پہلی تاریخ تخت نشین ہوا اس کی یادگار کے طور پر عالیجان کا پل تعمیر کروایا گیا جو قلعہ کے مشرقی دروازہ کے پاس تھا۔

(27) نواب سعید خان بہادر ولد سعید خان اوپر والا جس کو عطر خان بھی کہتے تھے۔ وہ سنہ 1119 ہجری میں بہادر شاہ کے حکم سے ٹھٹہ میں آیا اور ایک برس اور چند مہینے مشکل سے رہا۔

(28) پھر نواب مہین خان سنہ 1121 ہجری میں آیا اور دو برس مشکل سے رہا۔

(29) نواب شاکر اللہ خان سنہ 1123 ہجری میں آیا لیکن اس سال میں نواب مہین خان پھر دوبارہ آیا اور اس دوران سنہ 1124 ہجری میں بہادر شاہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا معزالدین تخت پر بیٹھا اور جہاندار خطاب ملا۔

(30) اسی سال میں نواب خواجہ محمد خلیل خان ناظم بن کر آیا اس سال کے نو مہینوں میں بارہ والے سیدوں کی مدد سے معزالدین تخت سے معزول ہو گیا اور فرخ سیر تخت نشین ہوا۔

(31) نواب عطر خان ولد سعید خان جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے دوبارہ ٹھٹہ میں آیا۔ یہ جوان تھا لیکن ناتجربہ کار تھا۔ سارا کام محمد یعقوب کشمیری کے حوالے کیا گیا۔ اس لیے جلد ہی گڑبڑ ہونے لگی۔ میر لطف اللہ خان سے جھگڑا شروع ہوا لیکن وہ طاقتور تھا اور حضور تک رسائی تھی حکم کے مطابق اس سے لڑائی کی۔ جس میں نواب عطر خان مارا گیا۔

(32) میر لطف علی خان جس کا نام میر محمد شفیع تھا وہ میر محمد یوسف مہدی رضوی بکھری کے پوتوں سے تھا۔ عطر خان کے بعد سنہ 1125 ہجری میں نواب مقرر ہوا اور سنہ 1127 ہجری میں اس کو شجاعت علی خان کا خطاب ملا۔ اچھی طرح حکومت کی اس جیسا اور کوئی کم آیا ہوگا۔ شاعر بھی تھا۔ تخلص "ہمت" تھا۔ آخر سنہ 1144 ہجری میں وفات پائی۔ یہ سال "ادخلہ فی الجنات" سے نکلتا ہے اور یہ تاریخ محمد محسن شاعر نے نکالی جو اس کا ہم صحبت تھا۔ اس کے بیٹے غضنفر علی اور میر ذوالفقار علی مشہور ہوئے۔ یہ کثیر الاولاد تھا اس کے بیٹے اور پوتے تقریباً پچاس کے قریب تھے۔

(33)نواب اعظم خان ولد صالح خان بن فدائی خان سنہ 1128 ہجری میں ٹھٹھ میں آیا۔وہ کوکلتاش خان جہاں بہادر، جس کو میر بابا کہتے تھے، اس کا پوتا تھا۔ تھوڑے عرصہ کیلئے خواجہ محمد خلیل خان اس کا نائب ہو کر رہا۔ بعد میں وہ خود آیا اور چار برس تک رہا۔ اتفاق سے اس کی حکومت میں رعایا پر قحط اور وبا کی مصیبت آئی۔ شاہ عنایت اللہ صوفی جھوک والے کی شہادت بھی اس کے دور میں ہوئی۔ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ خدایار خان عباسی جھوک کا محاصرہ کرنے آیا آخر سنہ 1130 ہجری کے صفر مہینے کی نو تاریخ کو یہ سید شہید ہوا اور اس کے دوسرے برس فرخ سیر مارا گیا اور محمد شاہ بادشاہ تخت نشین ہوا اور نواب اعظم خان موقوف ہوا۔

(34)نواب مہابت خان ولد منعم خان۔ جس کو خان خانان کا خطاب دیا گیا تھا اور بہادر شاہ کا وزیر تھا وہ سنہ 1132 ہجری میں مقرر ہو کر آیا۔ بہت اچھا اور کم آزار آدمی تھا۔ فقیروں سے محبت رکھتا تھا۔ شاعروں کو عزت دیتا تھا اور خود بھی شاعر تھا۔ اس کا تخلص "ہمائم" تھا۔ اتفاق سے سنہ 1135 ہجری میں وہاں پر فوت ہو گیا۔ اس کی لاش لاہور کے راستے لے کر گئے اور اس کی جگہ پر اس کا چھوٹا بیٹا مقرر کیا گیا۔

(35)اس کا نام سلطان محمود خان تھا چونکہ وہ چھوٹا تھا اس لیے اس کی والدہ نے رضی محمد خان کو روانہ کیا تاکہ اس کی جگہ پر کام کی نگرانی کرے وہ سنہ 1136 ہجری آیا اور ایک برس تک رہا لیکن اس کو قلعے میں رہنے کی جگہ نہ ملی۔

(36)نواب سیف اللہ خان اس کے بعد مقرر ہو کر آیا اور عبدالسمیع خان جو شاہ عبدالغفور ہالا کنڈی سانوریہ قوم کا بھائی تھا وہ پہلے اس کا نائب ہو کر رہا۔ سلطان محمود خان بر وقت چلا گیا اور رضی محمد خان نائبی کی امید پر کچھ عرصہ رہ کر واپس لوٹ گیا۔ نواب سیف اللہ خان سنہ 1137 ہجری میں آیا۔ یہ اچھا نواب تھا اس کی حکومت میں ٹھٹھ پر رونق ہو گیا۔ اس کے ساتھ بڑے بڑے لوگ آئے۔ شیعہ مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔ نشہ آور چیزوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دولتمند نشہ باز نے اس کو بھنگ کے متعلق کہا کہ سائیں! آپ نے ہماری محبوبہ کو روک کر ہم سے الگ کر دیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تمہاری محبوبہ بازاری ہونے لگی ہے اور گھومنے والی ہو گئی ہے اس کو جبراً پردہ نشین کیا ہے۔ سنہ 1143 ہجری میں بیمار ہو کر مر گیا اور مکلی میں امامیہ میدان میں دفن کیا گیا۔ اس کی تاریخ اس کی قبر پر اس طرح لکھی گئی ہے "وست وی بادا من آل عبادت" ۔اس کے بعد کچھ وقت اس کا بیٹا صادق علی خان رہا اور جب دوسرا نواب مقرر ہو کر آیا تو وہ چلا گیا۔

(37)نواب دلیر دل خان سنہ 1143 ہجری کے آخر میں آیا اور دو سال تک رہا۔ یہ اچھا امیر تھا۔ اسی دوران ٹھٹہ کا صوبہ جاگیری انعام کے طور پر امیر خان کو ملا اور اجارے پر رہا۔ دلیر دل خان کے بیٹے ہمت دلیر کو یہ خوف لگا کہ کہیں کوئی دوسرا یہ صوبہ اجارے پر نہ حاصل کرلے اور اس کے باپ کو حساب کتاب کے معاملے میں تکلیف پہنچے اس لیے امیر خان سے مقاطعہ میں لے لیا۔ اور سنہ 1145 ہجری میں ٹھٹہ میں آیا اور چار برس تک رہا۔ اچھا انتظام چلایا بعد میں موقوف ہو گیا۔

(38)نواب صادق علی خان ولد نواب سیف اللہ خان سنہ 1149 ہجری میں امیر خان کا مقاطعہ دار بن کر اس کی طرف سے آیا۔ پہلا سال جیسے تیسے کر کے گزارا دوسرے سال نقصان ہوا۔ اس وقت میاں نور محمد کلہوڑا عباسی بادشاہ کے دربار میں ایک معروف شخص تھا اور اس کو خدایار خان کا خطاب حاصل تھا۔ اس کو صادق علی خان نے ٹھیکہ دیا جس کو پہلے نقصان پہنچا تھا۔ خدایار خان کے وکیل شیخ غلام محمد ولد شیخ عزیز اللہ نے فی الحال کام اپنے ذمے لے لیا۔ اس وقت کے بعد ٹھٹہ میں دہلی کے بادشاہوں کے نواب آنا بند ہو گئے اور بھکر سیوہن اور ٹھٹہ کی حکومت عباسی کلہوڑوں کو ملی اور میاں نور محمد کلہوڑا یعنی نواب خدایار خان اس گھرانے کا پہلا حکمران ہوا۔ کلہوڑا خاندان کے اصل نسل اور حاکموں کے نام اور ان کی حکومت کا بیان تاریخ سے معلوم ہوگا اور پھر کسی طرح ان سے حکومت نکل کر تالپر بلوچوں کو ملی یہ احوال بھی سندھ کی تاریخ سے معلوم ہوگا۔

باب بارھواں

کلہوڑا اور ٹالپر دور حکومت کی چند مشہور شخصیتیں

کلہوڑا اور ٹالپر حاکموں کا بیان سندھ کی تاریخ میں دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ جو مشہور لوگ ان کے وقت میں تھے یا جن کا ان سے واسطہ رہا یا جن کے نام تاریخ میں یا سرکاری دفتروں میں موجود ہیں مختصر طور پر الف ب کی ترتیب سے دیئے جاتے ہیں تاکہ کوئی خاص نام نکالنا آسان ہو جائے۔

(1) آغا ابراہیم شاہ اور آغا اسماعیل شاہ۔ آغا یا میر ابراہیم شاہ، سید عبدالہادی شاہ کا بیٹا تھا جو اصل اصفہان کا رہنے والا تھا۔ جب بہادر نے ایران پر حملہ کیا تب وہ وہاں سے نکل کر سنہ 1150 ہجری میں ہندوستان میں آیا اور مدراس میں وہاں کے راجا کا خاص شاہی حکیم مقرر ہوا۔ اس وقت سندھ کا حاکم میاں نور محمد کلہوڑا تھا جس کی اس راجا سے دوستی تھی اس کے کہنے پر راجا نے سید کو میاں کی طرف روانہ کیا جس نے اس کو بڑی تعظیم دی جلد ہی راجا مر گیا اور سید ادھر ہی رہ گیا اور میاں کا بڑا امیر اور شاہی حکیم بن گیا۔ میاں نور محمد کے فوت ہونے کے بعد میاں سرفراز کے دنوں میں عبدالہادی شاہ کا بیٹا میر ابراہیم شاہ آکر باپ کے ساتھ رہا بیس برس کی جدائی کے بعد دونوں آپس میں ملے جب سنہ 1193 ہجری میں میر عبدالہادی شاہ نے وفات کی تب میر ابراہیم شاہ باپ کی جگہ پر مقرر ہوا اور کلہوڑا حاکموں سے پہلے والی عزت پاتا رہا۔ کبھی وکیل بن کر خراسان اور کابل کے بادشاہوں کے پاس بھی جاتا تھا۔ جب کلہوڑا حکمرانوں کے بعد ٹالپر سندھ کے حکمران بنے اس وقت بھی میر ابراہیم شاہ جس کو آغا کہتے تھے وہ ان کے پاس وہی عزت پانے لگا سندھ پر قبضہ کرنے میں اس نے میر فتح علی خان کی کافی مدد کی۔ اس کا بڑا بیٹا آغا اسماعیل شاہ میروں کی طرف سے بارہ برس تک کابل میں امیر کے پاس اول میں رہا۔ آغا ابراہیم شاہ کے آٹھ بیٹے تھے، جن سے چار تو شکارپور کے نواب بن کر رہے۔ آغا زین العابدین شاہ دو برس تک پھر کراچی کا بھی چھ برس تک نواب رہا تھا۔ آغا تقی شاہ تیس برس تک، آغا ابراہیم شاہ چار برس تک اور آغا کاظم پاشا تیرہ برس تک۔ کاظم شاہ ٹالپور اور افغانوں کے درمیان جو جنگ لگی تھی اس میں مارا گیا اور اس کے ساتھ خیرپور کے لشکر کا سردار گولا شاہ بھی مارا گیا تھا۔ یہ آغا صاحبان حیدرآباد کے قریب پھلیلی پر اپنے ٹنڈو میں رہتے تھے جس کو آغا کا ٹنڈو یا آغا اسماعیل شاہ کا ٹنڈا کہتے ہیں۔ اس کی اولاد اب تک یہاں رہتی ہے۔

(2) آغا خان اصل میں ایران کے سید گھرانے سے تھا۔ تاریخ میں مشہور حسن صباح اس خاندان کا داعی تھا اور خلیفہ تھا جس نے ایران میں اسماعیلیہ فرقہ پیدا ہونے کے بعد اپنا فرقہ پیدا کیا۔ جس کو حشیشین کہتے تھے۔ ان لوگوں نے بادشاہوں کو دہشت زدہ کر دیا۔ یہ فرقہ اہل تحیت سے تھا جو اسماعیلی فرقہ کی ایک شاخ تھی جس کو نصیرہ کہتے تھے یہ بارہ اماموں سے پہلے چھ اماموں کو مانتے تھے۔ اور ان کے پھر تینتالیس دوسرے امام اور چوالیسواں آغا خان تھا۔ جس کا اصل نام حسن علی شاہ تھا جو ایران سے سنہ 1842ء میں سندھ میں آیا تھا لیکن اس سے بہت پہلے یعنی 1430ء میں اس فرقہ کا ایک بزرگ پیر صدر الدین نامی سندھ اور گجرات میں آیا تھا اور ہند کے برہمنوں اور پنڈتوں کی مدد سے ویدانت کے اصولوں پر ایک مذہب قائم کیا جو ویدانت کی موافقت میں تھا۔ ہندو لوہانے اس کے مرید ہوئے اور اس کا مذہب قبول کیا۔ ان کو خواجوں کا نام ملا۔ وشنو والے نو او تار بھی اس نے شمار کیے اور دسواں اوتار حضرت علی شمار کیا اور پھر اس کی اولاد چھٹے امام تک جب ایران میں اس مذہب کے خلاف ہلچل شروع ہو گئی تب آغا حسن علی شاہ سندھ میں آیا اور اس کے دوسرے برس یعنی 1843ء انگریزوں نے سندھ فتح کیا۔ وہ پہلے بمبئی آیا بعد میں کراچی۔ تالپور عہد میں وہ جھرک میں آیا تھا اور انگریز سرکار کو میروں کے خلاف بہت مدد کی۔ میر شیر محمد خان جھرک میں آغا خان پر حملہ کر کے اس کی ملکیت لے گیا جو پھر سر چارلس نیپئر نے واپس دلا دی۔ اس کے بعد انگریز سرکار آغا خان اور اس کے جانشینوں کو بہت عزت دیتی آئی۔ سرکار نے آغا خان کو ہز ہائینس کا لقب دیا۔ آغا خان نے ایران کے ایک شاہ کی بیٹی سے شادی کی تھی جس سے اولاد ہوئی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا آغا علی شاہ اس کی جگہ پر بیٹھا۔ اب آغا محمد شاہ خواجوں کا پیر ہے اور سر کا خطاب حاصل کیا ہے خواجوں کے متعلق مذہبی فرقوں میں ذکر کیا جائے گا۔

(3) آخوند بچل۔ میر نصیر خان تالپور کے خاص درباریوں میں سے تھا اور دفتری کام کا ماہر تھا۔ میر نور محمد خان کی وفات کے بعد جب میر نصیر خان گدی پر بیٹھا تب میر نصیر خان کے بیٹوں میر حسین علی خان اور میر شہداد خان کے درمیان ملکیت پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ دوسرے میروں سے کچھ ایک کی طرف کچھ دوسرے کے طرفدار ہو گئے اور اس جھگڑے نے بڑھ کر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ تب لاچار ہو کر میر نصیر خان نے آخوند بچل کو وکیل بنا کر کرنل آؤٹ رام کی طرف روانہ کیا جو سندھ میں انگریز سرکار کا ریذیڈنٹ تھا اس لیے کہ آکر ان کا فیصلہ کرے۔ اس کے مطابق کرنل آیا اور

امین بن کر فیصلہ کیا اور دونوں بھائیوں میں صلح کروائی۔ پھر جب انگریز سرکار میر نصیر خان اور دوسرے میروں سے عہد نامہ کر رہی تھی اس وقت ان میروں سے عہد نامہ پر دستخط کرانے کیلئے کرنل آئوٹ رام آیا۔ میر ٹال مٹول کرنے لگے اور دستخط نہیں کر رہے تھے اور دوسرے میر اور ان کے خاص صلاح کار عہد نامے کے خلاف تھے اور میر نصیر خان کو دستخط کرنے سے روک رہے تھے لیکن نواب محمد خان لغاری اور آخوند بچل نے میر کو یہ مشورہ دیا کہ عہد نامہ پر دستخط کرے اور انگریزوں سے دشمنی مول نہ لے۔ لیکن میر نصیر خان نے دوسرے میروں کے کہنے میں آکر دستخط نہیں کئے اور انگریزوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

(4) اللہ بخش جھنجھین۔ کلہوڑا دور کے امیروں سے ایک تھا اور تالپوروں کے خلاف تھا جب میاں سرفراز نے میر بہرام اور اس کے بیٹے صوبدار کو قتل کروایا تب میر فتح خان نے میاں پر حملہ کیا لیکن میاں بھاگ گیا پھر بعض کلہوڑا امیروں نے میاں کے بھائی محمود خان کو گدی پر بٹھایا لیکن جب میر فتح خان اور میر بجار خان نے حیدرآباد پر حملہ کیا تب کلہوڑا امیر ڈر کے مارے ان کا ساتھ چھوڑ کر میروں کے طرفدار ہو گئے۔ راجا لیکھی اور اللہ بخش جھنجھین بھی ان کے ساتھ ہو گئے لیکن بعد میں بدل گئے اور میروں کے خلاف کلہوڑوں کی مدد کی پھر جب ان کے بیچ میں لانیاری کی جنگ چھڑی تب اللہ بخش بھی راجا لیکھی، فیروز پٹائی، محمد حسن کھساڑ اور سہراب جتوئی کے ساتھ کلہوڑوں کی طرف سے لڑے لیکن ان کو شکست ہوئی تب اللہ بخش اور چند دوسرے سردار میر بجار کی طاقت دیکھ کر کلہوڑوں کو چھوڑ کر اس کی طرف ہو گئے پھر میر بجار نے جنگ جیت کر میاں عبدالنبی کو بلا کر گدی پر بٹھایا۔ اس نے اللہ بخش جھنجھین کو اس کی گزشتہ نمک حرامی کے سبب قید کرایا۔ لیکن اس کا بیٹا غلام حسن میروں کے خلاف تھا اور ہالانی کی جنگ میں کلہوڑوں کی طرف سے میروں کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا اور میروں نے سندھ فتح کیا۔

(5) احمد خان لغاری (نواب) میر نصیر خان کے خاص امیروں میں سے تھا اور میروں کا بڑا صلاح کار تھا میر نصیر کی وفات کے بعد جب اس کے بیٹوں کے مابین تکرار شروع ہوئی تب وہ میر حسن علی خان کی طرف تھا اور میر شہداد کے خلاف تھا اور اس کے مشوروں پر میر صوبدار خان بھی میر حسن علی کا طرفدار بنا پھر جب میروں نے کرنل آئوٹ رام پر دریا کے کنارے پر حملہ کیا تب بھی یہ نواب ان کا صلاح کار تھا اور لشکر لے آیا اور میر شہداد کو بھی تاکید کی کہ اپنا لشکر لے کر ان کے ساتھ شامل ہو جائے جس پر وہ میر بھی آکر ان میں شامل ہوا۔

(6) امبرت رائی ۔ میر عبداللہ خان کا معتبر منشی تھا جب مدد خان سردار نے حملہ کیا تھا تب ان کے بیچ میں پیغام لانے اور لے جانے والا تھا۔

(7) آکوت راہ (منشی) ۔ میر صوبدار خان کا منشی تھا سنہ 1843ء جب میروں میں جھگڑا ہو گیا اور سر چارلس نیپئر سندھ میں آیا تب میر صوبدار نے اس منشی کے ذریعے ایک پیغام اور تحائف دے کر سر چارلس نیپئر کی طرف روانہ کیا اس لئے کہ وہ بھی میر علی مراد کی طرح سندھ کا حاکم بن جائے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔

(8) بانھ یا باگو فقیر کلہوڑا حکمرانوں کے دنوں میں ایک امیر تھا اس کے باپ کا نام مرزا فقیر تھا جو ایک بہادر شخص تھا اور اس کو سلطان جنگ کا لقب ملا تھا۔ جب میاں صادق علی خان کلہوڑا سندھ کا حکمران تھا اور میر عبداللہ تالپور اس کا وزیر تھا تب میاں عبدالنبی کلہوڑا بھاگ کر خان قلات سے لشکر کی مدد لے کر سندھ پر حملہ کرنے آگیا اور مشرق کی طرف جودھ پور کے راجا نے حملہ کر دیا تب میر عبداللہ خان نے میاں کی طرف سے سپہ سالار بن کر ان سے مقابلہ کیا۔ مرزا فقیر سلطان جنگ اور اس کا بیٹا باغا فقیر نظامانی، جمالی اور لغاری لوگوں کا لشکر جمع کر کے ان سے لڑے اور راجپوتوں کو شکست دی۔ اس کے بعد پھر چانگ کے بل پر میاں عبدالنبی سے جنگ کی جس میں بھی یہ باپ بیٹے خوب لڑے اور قلات کے لشکر کو شکست ملی۔ پھر جب مدد خان پٹھان نے حملہ کیا اور میر عبداللہ اور میر فتح خان لڑائی میں شامل رائے نہ ہوئے تو میر فتح خان ناراض ہو کر عمر کوٹ چلا گیا اس وقت باغا فقیر بھی اس کے ساتھ چلا گیا جو اس کے لشکر کا سالار تھا۔ پھر جب میر عبداللہ کے بعد میر فتح علی خان میاں عبدالنبی سے لڑنے کیلئے میدان میں آیا تب میر فتح خان اس میں شامل ہو گیا اور باغا فقیر ان کے لشکر کا سردار تھا اور جلد ہی 1196 ہجری میں ہالانی جنگ چھڑی جس میں باغا فقیر نے بڑی بہادری دکھائی اور آخر بلوچوں کو فتح ہوئی۔ دوسرے برس میں میاں عبدالنبی ڈیروں کی طرف بھاگ گیا لیکن نومڑیوں یا نمردیوں نے پہلے میاں عبدالنبی کی جو مدد کی تھی اس لئے ان کو سزا دینے کے لئے باغا فقیر دو سو کشتیوں پر سوار ہو کر جارہا تھا تو یہ لوگ ڈر گئے اور اطاعت مان لی۔ فقیر نے ان لوگوں کو میر سے معافی دلا دی۔ پھر جب تیمور شاہ بادشاہ نے عبدالنبی کی عرض پر اس کے لئے لشکر روانہ کیا تب میر فتح علی خان نے اس سے لڑنے کی ٹھانی اور باغا فقیر اس کے ساتھ تھا اور اس کو شکست دی۔

(9) بلاول فقیر نانج۔ میاں نور محمد کلہوڑا کے امیروں میں سے تھا۔ نادر شاہ کے سندھ میں آنے کے بعد سنہ 1160 ہجری کے بعد دھاراجہ کے رانا کے اشارے پر پہاڑی لوگوں نے فساد برپا کیا اور ٹھٹہ پر حملے کئے اس وقت میاں کی طرف سے ٹھٹہ کا حاکم سو فقیر تھا۔ میاں نے اس کو برطرف کر کے بلاول فقیر نانج کو ٹھٹہ کا حاکم مقرر کیا اس نے بڑا لشکر لے کر رانا کے قلعے پر حملہ کیا رانا اپنا شہر بعض لوگوں کے حوالے کر کے خود دریا عبور کر کے بھاگ گیا۔ بلاول فقیر نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور میاں نور محمد کے بیٹے خداداد خان کے حوالے کیا، ٹھٹہ میں فساد کا سن کر اس کو انتظام سنبھالنے کیلئے روانہ کیا گیا تھا اور جلد ہی پھر شیخ شکر اللہ بہار جو کھیو کے ہاتھوں رانا کو ختم کرا دیا گیا۔

(10) بختاور خان (ملک) شہزادہ محمد معز الدین کے سندھ میں آنے کے وقت ملک بختاور خان جو اصل لاڑکانہ کا تھا اور سیوی کا حاکم تھا شکار پور والا حصہ بھی اس وقت سیوی کے ساتھ تھا۔ میاں یار محمد کلہوڑا نے شکار پور پر حملہ کیا اور اس کو قبضے میں کیا۔ بختاور خان بھاگ کر ملتان میں شاہزادہ کے پاس گیا شاہزادہ نے اس کے علاقہ میں جانا چاہا لیکن اس نے ٹال مٹول کی اس پر شاہزادے نے اس سے لڑ کر اسے مروا دیا اور پھر اس کے بھائی ملک الہ بخش کو سیوی کا حاکم مقرر کیا۔

(11) بولا خان جاکھرا نومڑیا۔ میاں نور محمد کلہوڑا کے دنوں میں پہاڑی لوگوں کا سردار تھا اور میاں کے پاس اس کی کافی عزت تھی سنہ 1160 ہجری میں جب دھاراجہ کے رانا نے فساد کیا اور لشکر لے کر ٹھٹہ پر حملہ کیا تب بولا خان نے سمردی جاکھرا سو فقیر اور شیخ شکر اللہ کے ساتھ شامل ہو کر بڑا لشکر بنا کر اس سے مقابلہ کیا تین دن تک لڑائی جاری رہی آخر ان کو بھگا دیا بعد میں رانا کو شیخ شکر اللہ نے دغا سے صلح کرنے کیلئے بلا کر قتل کرا دیا۔

(12) بہادر خان کھوکھر۔ میر مراد علی خان کا ایک بڑا بلوچ سردار تھا ایک مرتبہ زیادہ شراب پینے سے نشہ میں آ گیا اس وجہ سے میر صاحب نے اس کو موقوف کر دیا ان دنوں میں شراب استعمال نہیں کی جاتی تھی اور دوا کے طور پر بھی استعمال نہیں کرتے تھے یہ بلوچ میر صاحب کی طرف سے بہت سی جنگوں میں لڑا تھا اور بہت بہادر تھا۔

(13) ناجا فقیر۔ کلہوڑا دور میں جتنے ان کے امیر ہوتے تھے وہ ان کے مرید ہونے کے ناتے فقیر کہلاتے تھے میر شہداد اور دوسرے تالپور جو ان کے مرید تھے وہ بھی فقیر کہلاتے تھے ان میں سے ناجا نام کے بہت سے امیر کلہوڑا حکمرانوں کے پاس ہوتے تھے جو فقیر کہلاتے تھے ان میں

ایک تاجا فقیر او ٹھوال تھا جو میاں دین محمد کلہوڑا کا امیر تھا جب دہلی کے بادشاہ کا بیٹا معز الدین خود سندھ میں آیا اور کلہوڑوں سے جنگ کی گاج ندی کے پاس کھور گاؤں کے قریب سخت جنگ چھڑی جس میں میاں دین محمد گرفتار ہو گیا۔ میاں کا بھائی یار محمد فوج کا سردار اور تاجا او ٹھوال اور اس کے رشتے دار جاڑو اور بختیار بہادر سردار تھے جو سب مارے گئے۔ دوسرا تاجا سامٹیا تھا جو میر عبداللہ کے زمانہ میں میاں عبدالنبی کا خاص صلاح کار تھا جب عبدالنبی بادشاہ سے مدد خان کو مدد کرنے کیلئے لے کر آیا اور اس کو پیسے پہنچانے سکا تب مدد خان نے میاں کے خاص امیروں تاجا سامٹیا اور کئی دوسروں کو قید کیا اور تکلیفیں دیں تا کہ وہ بتائیں کہ خزانہ کدھر رکھا ہے پھر جب میر فتح علی خان نے میاں عبدالنبی پر حملہ کیا تب میاں عبدالنبی نے محمد حسن کھاوڑ کو سپہ سالار بنا کر لڑنے کیلئے روانہ کیا اور اس کی مدد کیلئے تاجا سامٹیا، دھنگانو جتوئی، پیروز کلیری، غلام حسن جھنجھیں نو مڑیو، کھوسہ لشکریوں کو روانہ کیا یہ سب ہالانی میں آکر لڑے اور شکست کھائی۔ تیسرا تاجا جتوئی تھا جو مہراب جتوئی کا بیٹا تھا اور دھنگانا جتوئی کا رشتے دار تھا یہ اور دوسرے جو اس جنگ میں شامل تھے وہ پشیمان ہو کر میر کے پاس آئے اور معافی مانگی میر نے تاجا کو معاف کر کے اس کے باپ مہراب کی جگہ پر مقرر کیا اور تاجا کی جگہ پر دھنگانا کو مقرر کیا۔ چوتھا تاجا جو راجا نیکھی تھا جو راجا نیکھی کا بیٹا تھا اور مشہور سردار تھا بہت زیادہ شرارتی، چالاک اور دغا باز شمار کیا جاتا تھا اور ہمیشہ کلہوڑوں کا طرفدار اور تالپوروں کے خلاف تھا۔ جب میر فتح علی خان نے میاں سرفراز پر حملہ کیا اور وہ بھاگ گیا اس وقت اس کی جگہ پر اس کے بھائی میاں محمود خان کو گدی پر بٹھایا گیا اور مہراب جتوئی اس کو وزیر بنا دیا گیا تھا تب راجا نیکھی اور اللہ بخش جھنجھیں اور دوسرے میاں سرفراز کو چھوڑ کر میر کی طرف آئے اور حیدرآباد کے قلعے پر قبضہ کیا لیکن راجا نیکھی دل میں دغا رکھتا آیا جب میر بہادر آیا تب ڈر کے مارے بیمار ہو گیا اور مر گیا بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نے زہر کھا کر خودکشی کی تھی اس کا بیٹا تاجا بھی اس کی طرح تھا اس کے بعد اس کی جگہ پر رہا اور ایسا بااثر تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر میاں غلام نبی کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جب میر بہادر عمر کوٹ کی طرف چلا گیا تب تاجا نے میاں کو ساتھ لے کر میر پر حملہ کیا لیکن میر نے اس کو بری شکست دی اگرچہ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے سردار شامل تھے مثلاً اللہ بخش جھنجھی، پیروز پہانی، محمد حسن کھاوڑ اور مہراب جتوئی۔ لانیاری والی جنگ میں بھی جب ان کو شکست ملی تب تاجا نے میاں غلام نبی کو تلوار سے مار دیا۔ اس کے خیال میں دلی طور پر یہ کام میر کے فائدے میں اس نے کیا تھا اور پھر وہ شاہ گڑھ کی طرف بھاگ گیا جب میر

بجار نے میاں عبدالنبی کو گدی پر بٹھایا اور دوسرے سرداروں نے جا کر میر سے معافی مانگی تب تاجا لیکھی اور اللہ بخش جھنجھین کو میر نے گرفتار کرا کے جیل بھیج دیا۔ تاجا نے میاں کے بھائی کو مروا دیا تھا، اس لئے میاں تاجا کو بھی مروانا چاہتا تھا لیکن میر نے اس پر رحم کھا کر معافی دلا دی اس کے باوجود بھی تاجا کے دل سے دغا نہ گئی بعد میں پھر میر کے خلاف ہو گیا جب عبدالنبی بھاگ گیا اور مدد خان کو اپنے ساتھ لایا اور میر عبداللہ خان سے لڑنا چاہتا تھا۔ تب مدد خان خرچہ نہ ملنے کے سبب تاجا لیکھی کے بیٹے بلاول اور دوسروں کو قید کر کے تکلیفیں دینے لگا۔ تاجا کے ساتھ اس کا بھائی الہ داد لیکھی بھی شامل تھا۔ یہ دونوں بھائی ہالانی والی لڑائی میں مارے گئے یہ جنگ سنہ 1196 ہجری 1782ء میں لڑی گئی تھی۔ تاجا لیکھی کا بیٹا بلاول لیکھی بھی میاں عبدالنبی کا امیر تھا اور باپ کے ساتھ جنگوں میں لڑا۔ اور وہ ہالانی والی جنگ میں بھی شامل تھا لیکن سمندر کے راستے بھاگ کر ہالار جبل عبور کر کے نکل گیا۔

(14) ثابت علی شاہ۔ سید ثابت علی شاہ میر کرم علی خان کے زمانہ میں سندھ کا مشہور شاعر گزرا ہے یہ اصل میں ملتان کا رہنے والا تھا 1153 ہجری میں وہاں پیدا ہوا تھا وہ مدار علی شاہ کا بیٹا اور نور محمد شاہ کا پوتا تھا، نواب اعظم خان کے ہمراہ سندھ میں آیا اور جب وہ لوٹ گیا تب یہ سید سیوہن میں رہ گیا اور قلندر شہباز کی درگاہ پر جا کر رہتا تھا۔ پھر اس کا والد مدار علی شاہ اور اس کا بھائی بھی آ گئے اور اس کے ساتھ رہنے لگے۔ عربی اور فارسی میں ہوشیار تھا فارسی اور سندھی شعر کہنے لگا خصوصاً مرثیہ اور منقبت۔ کلہوڑا حکمران اس کو لوازمات پہنچاتے تھے اور کلہوڑوں کے بعد جب میر آئے تو وہ بھی اس پر وہی نوازش کرتے رہے۔ میر کرم علی خان کے پاس یہ مشہور تھا۔ سنی ملاؤں سے جھگڑے کئے سنہ 1325 ہجری میں 27 جمادی الثانی میں وفات کی اور سیوہن میں دفن کیا گیا اس کے دو بیٹے تھے ایک امداد علی شاہ اور دوسرا احسان علی شاہ۔ امداد علی شاہ کی اولاد اب تک ہے۔ حیدرآباد میں میروں کے مقبروں کے پاس رہتے ہیں۔

(15) پرتاپ راءِ (منشی)۔ یہ میر صوبدار خان کا خاص منشی تھا۔ جب سنہ 1826ء میں یہ میر اپنے چچاؤں سے ملکیت کے سلسلے میں فساد کرنے اور لشکر جمع کرنے لگا تب اس کے خرچ کیلئے اس نے منشی پرتاپ رائے کی معرفت زیور بیچ کر خرچے کا بندوبست کیا۔ یہ منشی اور ہوش محمد حبشی میر کے صلاح کار تھے۔ میر مراد علی خان نے اس پر فوج کشی کی اس وجہ سے بہت سے لوگ میر کو چھوڑ گئے اس پر وہ بے بس ہو کر معافی مانگنے آیا۔ یہ منشی گھرجی مل کا بیٹا تھا اور کلیانداس کا پوتا تھا اور شہداد پور کے

قریب جھونپڑیوں میں رہتا تھا آخر میں بعض جلالانی بلوچوں نے اس کو مار دیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ تخت رام اور گردھرداس۔ گردھرداس کا بیٹا گگن داس تھا۔

(16) جیندل شاہ (سید)۔ میر نصیر خان کے دنوں میں یہ سید حیدرآباد شہر کا کوتوال تھا۔ جب انگریزوں کا لشکر دریا کے راستے کابل کی طرف جارہا تھا اور افسر کوٹڑی سے حیدرآباد شہر گھومنے آئے تب اس سید نے ان کے آرام کیلئے اچھا انتظام کیا تھا۔

(17) حاجی احمد خدمتگار۔ یہ میر فتح علی خان کا امیر تھا اور سنہ 1197 ہجری میں جب نگر الہ کے ہندو جام نے فساد برپا کیا تب میر کے حکم سے بڑا لشکر لے کر گیا، اور اس کے ساتھ قیصر نظامانی کو بھی روانہ کیا گیا تھا۔ جام کو شکست دے کر بہت سے لوگوں کو مار کر لوٹ آیا۔ دوسرے سال اس کو حیدرآباد کے قلعہ کو حاصل کرنے کیلئے روانہ کیا اس جگہ میاں عبدالنبی کلہوڑا کی والدہ اور دوسرے قبیلوں کے لوگ رہتے تھے۔ حاجی احمد بڑا لشکر لے کر حیدرآباد پر حملہ کرنے کیلئے آیا اور قلعے کا محاصرہ کر دیا۔ میاں عبدالنبی کی طرف سے غلام حیدر مرنانی اور شاہلین شیدی حیدرآباد کے قلعے کی حفاظت پر مامور تھے حاجی احمد کے آنے کا سن کر غلام حیدر نے بارود کو آگ لگادی اس کے دھماکے سے قلعہ کی ایک فصیل گر گئی حاجی احمد وہاں سے لشکر لے کر اندر چلا گیا اور نہایت آسانی سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور کلہوڑوں کے کنبہ کو شاہلین کی نگرانی میں جودھپور روانہ کیا اودھر عبدالنبی کا بیٹا رہتا تھا۔

(18) حبیب فقیر نانگ۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا کا ایک امیر تھا۔ سنہ 1184 ہجری میں میاں نے اس کو ٹھٹھ کا حاکم مقرر کیا تھا وہ دو تین برس وہاں رہا۔ اس کے بعد مراد فقیر نظامانی حاکم مقرر کیا گیا۔

(19) خوشی رام (منشی) ۔ یہ میر مراد علی خان کا منشی تھا سب سرکاری یا خانگی خطوط وہ لکھتا تھا۔ ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔ یہ ان دنوں میں بڑی تنخواہ تھی۔ انگریزوں سے مراسلت کرنے میں وہ کارآمد ثابت ہوا۔

(20) خیر محمد ٹھوڑا (نواب) ۔ یہ میر مراد علی خان کا امیر تھا۔ جو بہادر خان کھوکھر کے ساتھ ہمیشہ دربار میں حاضر رہتا تھا۔ میر صاحب کے خانگی امور کا مختیار کار ہوتا تھا۔

(21) شاہلین (شیدی) کلہوڑوں کا امیر تھا اور میاں عبدالنبی کے وقت میں جب کلہوڑوں کے قبیلے حیدرآباد کے قلعے میں رہتے تھے تب یہ غلام حیدر مرنانی کے ساتھ قلعہ کا محافظ تھا

اور جب میر فتح علی کے لشکر نے آکر حیدر آباد قلعہ پر قبضہ کیا اس وقت شالیین کلہوڑا قبیلوں کو لے کر جودھ پور چلا گیا اوھر میاں کا پیار رہتا تھا۔

(22) طاہر (خدمت گار)۔ یہ میر غلام علی خان کا امیر اور لشکر کا سردار تھا۔ سنہ 1803ع میں جب میر تھارا خان میرپور والے نے کسی معمولی بات پر تکرار شروع کی اور لشکر جمع کر کے لڑنے کیلئے تیار ہوا تب طاہر خدمتگار کو میر نے لشکر دے کر روانہ کیا جس نے جا کر میر تھارے خان کو شکست دی اور اس کو گرفتار کر کے لے آیا یہ لڑائی ٹنڈا کے گاؤں کے قریب ہوئی تھی اور بہت سے لوگ مارے گئے اور میر تھارا خان بھی زخمی ہو گیا۔ جب حیدر آباد میں تندرست ہوا تب عزت آبرو سے تحائف دے کر روانہ کیا گیا۔ پھر جب میر غلام علی خان کا ایک اچ کے رہنے والے سید کی شکایت پر بہاول پور کے نواب صادق خان سے جھگڑا ہوا تب طاہر خدمتگار کو میر نے لشکر دے کر روانہ کیا نواب نے شکست کھا کر صلح کی اور اپنے ملک کا ایک حصہ اور اپنا بیٹا اول دیا اس کو لے کر طاہر حیدر آباد میں آیا۔ حیدر آباد شہر میں قلعے کے قریب جو طاہر بازار ہے وہ اسی شخص کے نام پر منسوب ہے۔

(23) غازی خان وودائی۔ سنہ 1111 ہجری میں جب میاں یار محمد نے سندھ پر حملہ کیا اور شکار پور فتح کیا اور ملک بختاور خان کو بھگا دیا اور وہ بادشاہ معزالدین کے پاس گیا تب بادشاہ خود لشکر لے کر آیا اور بکھر میں منزل انداز ہوا اور سیوی کا علاقہ جو بختاور خان کی حکمرانی میں تھا وہ غازی خان وودائی کو دیا لیکن بختاور خان کے جنگ میں فوت ہونے کی وجہ سے اس کے بیٹے ملک الہٰ بخش کو سیوی میں مقرر کیا گیا اور غازی خان کو برطرف کیا گیا۔

(24) فرید جگت۔ میاں نصیر محمد کلہوڑا کے وقت میں میاں کا خاص آدمی تھا اور اس کے بہت کام آیا اس جگت کے ذریعے میاں نے موری کا مکان لے لیا اور پھر اوھر موروکا شہر آباد کیا اور اس وقت میں فیروز وزیر ارنے میاں کے حکم سے ساحلی علاقے پر قبضہ کیا اور وہاں پر ایک شہر تعمیر کرایا جس کا نام تو شہر ور کھا وہ اب تک اس کے نام سے موسوم ہے۔

(25) فقیرا خدمتگار۔ میر غلام علی خان تالپور کا امیر تھا۔ اس کے زمانہ حکومت میں کچھ میں بڑا قحط پڑا کچھ کے لوگ اپنے بچے سندھ میں آکر بیچ کر اناج لیتے تھے میر صاحب نے بہت سارا اناج لے کر غریبوں میں تقسیم کیا۔ اور اس کے حکم سے فقیرا خدمتگار نے بلوچ سرداروں اور دوسرے لوگوں سے بھی بچے جو فروخت کیے تھے واپس لے کر ان کی قیمت خزانہ سے ادا کی اور بچے

رائی کی طرف واپس لوٹادیے تاکہ ان کے والدین کو پہنچائے۔ میر کرم علی خان کے دنوں میں سنہ 1230 ہجری میں فقیر اکا بیٹا علی بخش میروں میں مقبول تھا اور حیدرآباد شہر کا کوتوال تھا۔ جب بادشاہ شجاع الملک حیدرآباد میں آیا تب اس کے انتظام کیلئے اس کو تعینات کیا گیا تھا۔

(26) نوجا فقیر۔ میاں نصیر محمد کلہوڑا کا خاص مرید اور خدمتگار تھا۔ جب اس کے والد میاں شاہل محمد کے مارے جانے کے بعد وہ پنھوروں کے ملک میں آیا اور کھاری کا شہر تعمیر کرایا اور ہتڑی کا گاؤں اور دیہہ اس نوجا فقیر کو دیئے اور کاچھے کی زمین دوسرے فقیر عنایت شاہ کو دی ان میروں کی مدد سے میاں بکھر کے حاکم میر یعقوب خان سے لڑا اور فاتح ہوا اور ملک میں توسیع کی۔

(27) قیصر خان گمسی۔ یہ گنجابہ یا گندا واہ کا زمیندار اور سردار تھا اور بہت طاقتور تھا۔ سنہ 1142 ہجری میں میاں نور محمد کلہوڑا نے مراد کلیری جس کو گنجا کہتے تھے اس کو سیوی کا حاکم مقرر کیا جس نے گرد و نواح کے سرداروں سے لڑ کر ان کو مطیع کیا اور میاں کا تابعدار بنایا ان میں سے ایک قیصر خان گمسی تھا دوسرے شوروں کا سردار، میر ارند، کاچھی کا سردار، میر ابلیدی لہنو ماچھی اور بھاگ ناڑی کے زمیندار تھے۔

(28) قیصر فقیر نظامانی۔ میر فتح علی خان کا ایک امیر تھا جب عبدالنبی کلہوڑا بھاگ کر خان قلات کے پاس مدد کیلئے گیا تب قیصر نظامانی کو میر نے وکیل بنا کر ادھر روانہ کیا اور میر صاحب کی خواہش کے مطابق مصالحت کی گئی۔ ٹنڈو قیصر حیدرآباد کے نزدیک ہے جو قیصر نظامانی نے آباد کیا تھا۔ اب تک اس کی اولاد وہاں پر رہتی ہے۔

(29) گدومل (دیوان) ۔ دیوان گدومل بیلے مل کا بیٹا تھا۔ اس کا دادا اڈیومل شاہوانی تھا جو اصل سیتپور یا حاجی پور کا رہنے والا تھا اور کھتری تھا۔ وہ سندھ میں آیا اور سکھر میں میاں آدم شاہ کلہوڑا کے پاس آکر نوکر ہوا۔ پھر شکار پور گیا اور وہاں پر ایک بڑے مالدار گھرانے میں شادی کی اور اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے ان کی زیادہ اولاد ہوئی جو اب تک حیدرآباد میں رہتے ہیں اور گدوانی کہلاتے ہیں۔ درحقیقت گدوانی گدومل کے بھائیوں کی اولاد ہے اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ گدومل کلہوڑوں کا دیوان تھا۔ بڑا دربار ی اور صلاح کار تھا۔ جب کلہوڑوں کے بعد تالپور آئے تب ان کے پاس بھی وہی عزت حاصل کی ان کی طرف سے دہلی کے شہنشاہ کے دربار میں وکیل بن کر جاتا تھا۔ لیکن میر غلام علی خان کو اس پر دھوکے بازی کا شبہ ہوا اس کے اشارے پر بعض لوگوں نے اس کو لاٹھیوں سے مار دیا۔ گدو کا ٹنڈو یا گدو کا بندر اور حیدرآباد کی گدوانی گلی اس کے نام سے منسوب ہیں۔

(30) گل محمد (خلیفہ) ۔ یہ پرانا بالا کے ساوئی ملاؤں سے تھا اور سنہ 1226 ہجری میں پیدا ہوا تھا اچھا تعلیم یافتہ آدمی تھا اور صوفی فقیروں کی صحبت میں رہتا تھا۔ نگری والے پیر کا خلیفہ تھا اور قادری طریقہ سے منسلک تھا۔ کھیبر گاؤں میں اس کے مرید تھے۔ میر صاحبان کی حکومت کی آخر میں اور انگریزوں کی حکومت کی شروعات میں تھا۔ سندھی زبان کے لکھنے پڑھنے کا یہ ابتدائی دور تھا۔ اس نے فارسی بحروں پر سندھی زبان میں ایک دیوان مرتب کیا جس کو دیوان گل کہتے ہیں۔ آخری دنوں میں وہ حج پر گیا وہاں پر سنہ 1273 ہجری میں فوت ہو گیا اس کی عمر چھیالیس برس تھی۔

(31) محمد حسین کھاوڑ۔ یہ میاں غلام نبی کلہوڑا کا خاص امیر تھا۔ یہ اور چند دوسرے سردار مثلاً تاجا لیکھی، الہٰ بخش جھنجھین، پیروز چانڈیو، اور مہراب جتوئی میاں کی طرف سے میر بجار سے لڑائی میں شریک تھے اور ان کو شکست ہوئی۔ پھر جب لانیاری والی جنگ میں بھی میاں کو شکست ہوئی تب محمد حسن اور دوسرے منحرف ہو کر میر کے ساتھ مل گئے بعد میں پھر میاں کی طرف لوٹے۔ جب مدد خان اس کی مدد کیلئے آیا اور پیسے جلد طلب کرنے لگا تب محمد حسن میاں اور مدد خان دونوں کے لیے کار آمد ثابت ہوا۔ ہالانی والی جنگ میں میاں عبدالنبی کی طرف سے لڑتے ہوئے محمد حسن مارا گیا اور میاں نے شکست کھائی سندھ میر فتح علی خان نے فتح کیا۔

(32) محمد صدیق وئیس۔ میاں غلام شاہ کا امیر تھا اور لشکر کا سردار تھا سنہ 1173 ہجری میں جب میاں شاہ گڑھ کی طرف گیا تھا اور کنگرالہ کے جام ڈیسر نے حملہ کیا تب محمد صدیق نے بعض دوسرے امیروں سے مل کر اس کا مقابلہ کیا اور شکست دی اور جام کچھ کی طرف بھاگ گیا اور اس کا بیٹا ہردار جی کو نظر بند کر کے رکھا گیا۔

(33) مراد فقیر نظامانی۔ میاں غلام شاہ کلہوڑا کے وقت میں ٹھٹہ کا حاکم تھا چار برس تک یعنی سنہ 1188 ہجری تک اودھر رہا وہ حبیب فقیر تاجی کی جگہ پر مقرر کیا گیا تھا۔

(34) مرزا خان پنی۔ یہ سیوی حاکم تھا سنہ 1108 ہجری میں میاں نصیر محمد کے دنوں میں جب بکھر کے مغلوں نے اس سے لڑائی کی تب یہ اور میر بنوہار نے اس سے مقابلہ کیا اور میاں نصیر محمد کو قید کر کے بادشاہ اورنگ زیب کی طرف لے گئے لیکن یہ وہاں سے بھاگ آیا بعد میں میاں کے بیٹے میاں دین محمد کے دنوں میں بادشاہ کے حکم سے وہ کلہوڑوں سے لڑا لیکن کامیاب نہ ہو سکا تب اس کو موقوف کر کے بادشاہ نے امیر شیخ جہان کو مقرر کیا جو میر بنوہار کے ساتھ مل کر کلہوڑوں پر حملہ

آور ہوا ان کا سردار فیروز وزیر ار تھا۔ کلہوڑوں نے اس کو شکست دی اور بکھر کے حاکم الہیار کو بھگا کر نکال دیا۔

(35) مرزا خسرو بیگ اور دوسرے مرزا۔ مرزا خسرو اصل گرجستان کا تھا۔ ایرانیوں اور روسیوں کی جنگ میں اس کا والد مارا گیا اور سات برس کی عمر میں اس کو قیدی بنا دیا گیا اور ایران کے سپہ سالار حاجی محمد ابراہیم نے اس کو پال پوس کر بڑا کیا۔ جب فتح علی شاہ اس وقت کے بادشاہ کی حکومت میں سپہ سالار قید ہوا تب بادشاہ کے وزیر کی اجازت سے ملا محمد اسماعیل میر کرم علی کا وکیل اس کو اپنے ساتھ سندھ لایا اس وقت وہ پندرہ برس کا تھا۔ میر کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اس کو بیٹا بنا لیا اور اپنے وزیر اور امیر کی طرح اس کو رکھا۔ سنہ 1827ء میں میر کرم علی خان کی وفات کے بعد گوشہ نشین بن کر رہا مگر پھر بھی میر اسی طرح اس کی عزت کرتے تھے۔ انگریزوں سے عہد نامہ کرتے وقت وہ وکیل تھا۔ میانی والی جنگ میں وہ بھی دوسرے میروں کی طرح قید ہوا لیکن بعد میں اس کو میروں کے حرموں کی حفاظت کیلئے حیدرآباد میں چھوڑ دیا اس نے 1860ء میں وفات پائی۔ مرزا خسرو بیگ کے چار بیٹے تھے جن میں اکثر بڑے عہدوں پر فائز رہے ان کی اولاد چلی آ رہی ہے وہ ٹنڈے ٹھوڑو میں رہتے ہیں۔ مرزا فریدون بیگ اور مرزا قربان علی بیگ بھی گرجی تھے یہ بھی جنگ میں گرفتار ہو کر ادھر آئے تھے اور مرزا خسرو بیگ کے ساتھ رہتے آئے ہیں ان کی اولاد ابھی موجود ہے۔ میرزا محمد باقر بیگ بھی اس طرح گرجستان سے سندھ میں آیا۔ یہ میر مراد علی خان کا خاص درباری تھا اس کی اولاد بھی ہے۔ مرزا خسرو بیگ کی اولاد نواب محمد خان ٹھوڑے کے ٹنڈے میں رہتی آئی ہے اور میرزا محمد باقر بیگ کی ماتجو میں۔

(36) مرزا فقیر۔ یہ کلہوڑوں کا ایک بڑا امیر اور بہادر شخص تھا اور سلطان جنگ کا خطاب یافتہ تھا میر فتح علی خان اور میر عبداللہ خان نے جب میاں صادق خان کلہوڑا کو گدی پر بٹھایا تب جودھ پور کے راجا سے جو جنگ ہوئی اس میں مرزا فقیر اور اس کا بیٹا باغا فقیر نظامانی، جمالی اور لغاری لوگوں کا لشکر راجپوتوں سے خوب لڑا اور ان کو شکست دی۔ جب میاں عبدالنبی بروہی لشکر کو اپنی مدد کے لئے لے آیا تب چالک بیلی کے قریب جو جنگ چھڑی اس میں بھی خوب لڑے بعد میں جب وہ مدد خان کو لے کر آیا تب بھی میروں کے ساتھ اس سے لڑائی کی الغرض میروں کے سندھ فتح کرنے تک مرزا فقیر اور اس کا بیٹا باغا فقیر میروں کے ساتھ شامل رہے۔

(37) مسو فقیر ساٹیا۔ یہ کلہوڑو کا ایک امیر تھا اور میاں نور محمد کے دنوں میں بہت بہادری دکھائی اس کا باپ سلطان ساٹیا بھی نامور امیر تھا اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اس کی جگہ پر رہا سنہ 1157 ہجری میں گگراند کے جام سے میاں نور محمد نے جو لڑائی کی اس میں اس نے بہادری دکھائی تھی۔

(38) مقصود افقیر۔ یہ بھی کلہوڑا دور میں میاں دین محمد اور نور محمد کا امیر تھا یہ اور اس کا بھائی بہار شاہ دونوں جنگوں میں لڑے تھے مقصود افقیر دہلی کے بادشاہ کے لشکر سے لڑا جس میں میاں دین محمد قید ہو گیا تھا تب مقصود افقیر میاں غلام شاہ کے ساتھ رہا۔ لیکن بعد میں عطر خان کے ساتھ شامل ہو گیا اور سنہ 1173 ہجری میں جب عطر خان اور مقصود افقیر لشکر لے کر او باوڑو آئے تب میاں غلام شاہ نے ان کو شکست دی اور شاہ پور کے نئے شہر میں آکر منزل انداز ہوا اور وہاں رہنے لگا۔ آخر جب مقصود افقیر فوت ہو گیا تب سنہ 1178 ہجری میں عطر خان نے میاں غلام شاہ سے آکر معافی مانگی۔

(39) موسیٰ ارمنی۔ یہ شخص اصل میں ارمینا کا تھا اور میر صوبدار خان کے پاس نوکر تھا اور اس کا خاص خدمتگار تھا جب انگریزوں نے سندھ میں دخل دینا شروع کیا تب میر صوبدار خان دوسرے میروں سے الگ ہو گیا۔ اس وقت منشی آتو ترائی کے ساتھ موسیٰ ارمنی کو بھی سر چارلس نیپئر کی طرف پیغام لانے لے جانے کے کام میں شامل کیا گیا تھا۔

(40) مہراب جتوئی۔ سنہ 1189 ہجری میں جب میاں سرفراز کے بھاگ جانے پر میر فتح علی خان نے اس کے بھائی محمود خان کو گدی پر بٹھایا تب مہراب جتوئی کو اس کا وزیر مقرر کر دیا گیا تھا۔ خدا آباد ان دنوں سندھ کی تخت گاہ تھا۔ مہراب جتوئی اپنی قوم کا سردار تھا۔ اور طاقتور تھا۔ کنڈیارا تعلقہ والا محراب پور اس نے تعمیر کروایا تھا پھر جب میر بجار خان آیا تب مہراب جتوئی نانا جاکھی اور دوسروں کے ساتھ مل کر میاں غلام نبی کی طرف سے میروں سے لڑائی کی اور لانیاری والی جنگ میں اس کو شکست نصیب ہوئی یہ پھر بدل کر میر کا طرفدار بنا اس طرح بعض دوسرے سرداروں نے بھی وفاداریاں تبدیل کیں۔ لیکن جب میاں عبدالنبی، خان قلات کی مدد سے لڑنے آیا تب مہراب اور دوسرے اس کے لشکر میں شامل ہو گئے اور چالک کے بل والی جنگ میں لڑے اور میر عبداللہ خان نے ان کو شکست دی اور مہراب اس جنگ میں مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا جا فقیر اس کا رشتے دار دھگانہ جتوئی ہالانی والی جنگ کے بعد جب میر فتح علی خان نے سندھ پر قبضہ کیا تب پشیمان ہو کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

(41)ناؤن مل سیٹھ۔ یہ سیٹھ ہوتچند کا بیٹا تھا بھوجامل کا پوتا تھا اس لیے اس کی اولاد آج تک بھوجوانی کہلاتی ہے۔ اس کے بڑے اصل میں خدا آباد کے نزدیک رہتے تھے۔ کلہوڑا دور میں یہ سیٹھ آکر کراچی میں رہا اور سمندر کے راستے دوسرے ملکوں سے تجارت کرتا تھا۔ کراچی ان دنوں خان قلات کے قبضہ میں تھا اور ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ماہیگیروں کے گھر ہوتے تھے۔ جب تالپور حکمرانوں نے کراچی پر قبضہ کیا اس وقت بھی یہ سیٹھ کراچی میں رہتا تھا۔ میر نصیر خان کے دنوں میں جب انگریز سرکار نے اپنا لشکر شاہ شجاع کی مدد کیلئے سمندر کے ذریعے لے جانا چاہا تو میروں نے ان کو منع کیا اس وقت سیٹھ ناؤن مل نے ان کی مدد کی اور جب منوڑا کا کوٹ مسمار کر کے طاقت کے ذریعے کراچی میں اتر کر دریا کے راستے سے لشکر لے کر آرہے تھے تب ان کو راہداری کی اجازت ملنے میں دشواریاں پیش آئیں اس سلسلے میں سیٹھ نے ان کی مدد کی جب انگریزوں نے سندھ فتح کیا تب سیٹھ کو بڑی عزت ملی اور جاگیر بھی ملی اور اس کو سی ایس آئی کا خطاب دیا گیا۔ جیسا میر شیر محمد خان کو دیا گیا تھا۔ جو ان سے دبی کی جنگ میں بہادری سے لڑا تھا۔

(42)نواب ولی محمد خان لغاری۔ یہ نواب بڑے میروں کے زمانے میں ان کا بڑا وزیر اور صلاح کار تھا اور تالپوروں کے بعد دوسرے درجہ پر اس کی عزت تھی۔ یہ لغاری بلوچوں کا سردار تھا اور بڑے اثر و رسوخ والا تھا۔ میروں کو سندھ پر قبضہ کرنے میں بہت مدد کی انگریزوں سے میروں کی دوستی کو قائم رکھتا آیا۔ سنہ 1832ء میں بڑی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بعد میر صاحبان کے صلاح کار میر اسماعیل شاہ اور مرزا خسرو بیگ رہے۔

یہ نواب غلام محمد خان کا بیٹا تھا جو تیسری پشت میں منگھن کا بیٹا تھا اور لغاریوں کا بڑا سردار تھا۔ نواب ولی محمد خان اور پھر اس کا بیٹا نواب احمد خان میروں میں شامل رہے۔ جب میروں نے میجر آؤٹ رام پر حملہ کیا تب نواب احمد خان بھی ان کے ساتھ تھا۔ اب تک ان کی اولاد موجود ہے اور تاجپور میں رہتے ہیں۔ نواب محمد خان ٹھوڑھا بھی ان لغاری نوابوں کا رشتے دار تھا۔ ٹھوڑا کا دادا جام جنید تھا جس طرح لغاریوں کا منگھن تھا جام جنید کی نواسی منگھن کے گھر تھی نواب محمد خان کی چچی خیر محمد خان اور نواب ولی محمد خان کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں۔ نواب محمد خان الٰہ بخش خان کا بیٹا تھا اور خیر محمد خان کا بھائی تھا۔ نواب محمد خان کو بیٹا نہیں تھا۔ خیر محمد خان کا بیٹا دوست علی خان تھا۔ جو خود میانی کی جنگ میں میروں کے ساتھ لڑائی میں شامل تھا۔ نواب ولی محمد خان کی بیٹی دوست علی خان

کے گھر میں تھی ان کی اولاد بھی لغاری نوابوں کے ساتھ تاچپور میں رہتی آئی ہے۔ دونوں بڑے جاگیردار ہیں ان کا احوال اور شجرہ سندھ کی تاریخ میں دیا گیا ہے۔ تھوڑے کا ٹنڈا اسی نواب محمد تھوڑو کا کہا جاتا ہے جو حیدرآباد کے نزدیک پھلیلی کے کنارے پر ہے۔

(43) ہوش محمد حبشی۔ یہ حبشی غلام تھا اور میر صوبدار خان کا خاص خدمتگار تھا بہت ہمت اور جرات والا شخص تھا۔ جب میر صوبدار خان نے اپنے چچاؤں سے روٹھ کر فساد کیا تب ہوش محمد اور مُنشی پرتاب رائے نے میر کی بہت مدد کی اور اس کے زیور بیچ کر بہت رقم حاصل کی اور لشکر تیار کیا گیا لیکن میر مراد علی نے اس کو شکست دی اور میر صوبدار کو نظربند کر کے لے آیا پھر سنہ 1259 ہجری 1843ء میں میانی کی جنگ کے بعد جب میر شیر محمد خان نے انگریزوں کے خلاف دبی میں جنگ کی تب یہ ہوش محمد بھی اس میر سے شامل ہو کر لڑا اور مارا گیا اور میر خود کو بچا کر بھاگ گیا اس کا بیٹا کریم داد اس کا بیٹا پھلل اور اس کا بیٹا ہوش محمد اور اس کی دوسری اولاد اب تک ٹنڈو تھوڑو میں رہتی ہے۔

(44) مختیار خان لغاری۔ میر نصیر خان کا امیر تھا اور اس کا مشیر بھی تھا۔ جب انگریزوں سے میروں کی ان بن ہوئی تب اس نے میر کو انگریزوں کے خلاف مشورہ دیا اس وجہ سے کرنل آؤٹرام پر حملہ کیا گیا اور بعد میں میانی کی جنگ میں بھی یہ مختیار خان اور اس کا رشتے دار گل محمد خان لڑے اور شکست کھائی۔

(45) یوسف خان خدمتگار۔ میر نصیر خان کا خاص خدمت گار تھا اور جب میروں کی انگریزوں سے دشمنی شروع ہوگئی تو وہ مرزا خسرو بیگ اور غلام علی نظامانی کے ساتھ وکیل بن کر سر چارلس نیپیئر کے پاس مصالحت کے لیے گئے لیکن کوئی صورت نہ بن سکی جب میانی کی جنگ میں میروں کو شکست نصیب ہوئی اور میر قید ہوگئے تب یہ ان کے کنبے کے ساتھ حیدرآباد کے قلعے سے نکل کر پھلیلی کے کنارے ٹنڈے آغا کے قریب آکر رہے جس جگہ یوسف خود رہتا تھا جس کو ٹنڈو یوسف کہتے ہیں میروں کے کنبہ کی نقل مکانی کرتے وقت خزانے لانے لے جانے میں اس کو بڑی دولت ہاتھ لگی اور نہایت دولتمند ہوگیا تھا لیکن جلد ہی وہ دولت ختم ہوگئی اور اس کی اولاد غریب اور مسکین ہوگئی۔

باب تیرھواں

سندھ کے چند قدیم شہر اوران کا تاریخی احوال

سندھ کے قدیم شہروں کا احوال اوپر دیا گیا ہے ان میں جو مشہور اور بزرگ لوگ تھے ان سے متعلق بھی لکھا جا چکا ہے ادھر چند ایسے شہروں کا ذکر کیا جائے گا جو سندھ کی تاریخ میں آئے ہیں۔ ان شہروں کے نام الف۔ب کی ترتیب سے دیئے جائیں گے تاکہ ضرورت کے وقت آسانی سے تلاش کیے جائیں۔

اباوڑا

سنہ 908 ہجری 1502ء میں مرزا شاہ حسن کے دنوں میں اباوڑا علاقے کے ڈہر اور ماچھی لوگوں نے ماتھیلے اور مہر لوگوں کو بہت تکلیفیں پہنچائیں اس لئے میر فاضل کوکتاش کے چھوٹے بیٹے بابا احمد نے ان پر لشکر لے کر حملہ کر دیا ان کو مارا قید کیا اور بہت مال اسباب چھین کر واپس آیا۔ ان لوگوں نے ایک لڑکی سے بھی بابا احمد کی شادی کروائی۔ سنہ 1172 ہجری 1759ء میں میاں عطر خان اور میاں غلام شاہ کلہوڑا کے درمیان اباوڑی کے پاس جنگ چھڑی عطر خان کے ساتھ احمد شاہ درانی کا افغانی لشکر تھا۔ جنگ میں بہادر خان مارا گیا اور اس کا لشکر بھاگ گیا لیکن بعد میں صلح کر کے ملک تقسیم کیا گیا۔ جب مدد خان سردار میاں عبدالنبی کی مدد کیلئے آیا تھا تب لوہری سے اباوڑہ میں منزل انداز ہوا اور میر عبداللہ اور میر فتح خان سے مصالحت کی باتیں کیں لیکن ناامید ہو کر چلا گیا۔

اُچ

سندھ کی قدیم تاریخ میں اکثر اچ اور ملتان کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے کیونکہ یہ دونوں قلعہ ایک دوسرے کے قریب تھے۔ ہندو راجاؤں کے دنوں میں یہ شہر سات بڑے قلعوں والے شہروں سے ایک تھا اور وہاں پر ایک علیحدہ حاکم رہتا تھا۔ سنہ 416 ہجری 1025ء میں سلطان محمود غزنوی نے اچ اور ملتان میں خلیفہ قادر باللہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم جو عربوں کی فتح کے بعد وہاں پر رہتے آئے تھے ان کو بھگا دیا سنہ 625 ہجری 1228ء میں سلطان شمس الدین التمش کے وزیر نظام الملک

محمد بن اسعد اچ کا قلعہ فتح کر کے بکھر کی طرف روانہ ہوا۔ سنہ 643 ہجری 1245ء میں مسعود شاہ ولد فیروز الدین نے جب سنا کہ مغلوں نے اچ کا محاصرہ کیا ہے تب اس نے وہاں جا کر ان کو بھگایا اور قلعہ آزاد کرایا۔ سنہ 649 ہجری میں ناصر الدین التمش نے اچ اور ملتان پر حملہ کیا اور سنجر کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ سنہ 656 ہجری میں مغلوں نے دوبارہ اچ اور ملتان پر حملہ کیا تب بھی ناصر خان نے ان کو بھگا دیا۔ سنہ 693 ہجری 1293ء میں جلال الدین خلجی نے نصرت خان کو اچ، ملتان اور سندھ کے دوسرے شہروں کی طرف مخالف قوموں کی سرزنش کیلئے روانہ کیا اور پھر اس کے حکم سے غازی ملک چنگیز خان کے مغلوں سے لڑنے کیلئے روانہ کیا اور موقع پا کر اچ، ملتان اور سارے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ سنہ 809 ہجری 1397ء میں میرزا پیر محمد امیر تیمور صاحب قران کے پوتے نے اچ کے قلعے کا محاصرہ کیا اور سارنگ خان کے بھیجے ہوئے سپہ سالار تاج الدین کو بھگا دیا۔ سنہ 874 ہجری 1469ء کے بعد جب ملک میں ہر طرف تہلکہ مچ گیا اور دوسرے ملکوں کی طرح سندھ اور پنجاب بھی خود مختیار ہونے لگے۔ تب اچ اور ملتان کے لوگوں نے شیخ یوسف قریشی کو اپنا حاکم مقرر کیا۔ سنہ 931 ہجری 1524ء میں مرزا شاہ حسن نے اچ میں لانگاہ اور بلوچوں سے لڑ کر اچ کا قلعہ قبضہ میں کیا اور اس کو مسمار کرا دیا اس سے نکلا ہوا سامان دریا کے راستے کشتیوں میں لدوا کر بکھر لایا۔ سنہ 947 ہجری 1540ء میں ہمایوں بادشاہ اچ میں آیا اور وہاں کے حاکم بخشی لانگاہ کو اس کی اچھی مہمان نوازی کے سلسلہ میں خان جہان کا لقب عطا کیا۔ سنہ 950 ہجری 1542ء ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی نے سلطان محمود خان کو اچ اور اس سے ملحقہ علاقے بطور جاگیر دے دیئے اور خان کا لقب بھی دیا۔ سنہ 1124 ہجری 1712ء میں میاں دین محمد کلہوڑا کے سپہ سالار مقصود فقیر شاہزادے معز الدین کے لشکر اور دوسرے لوگوں کو اچ میں سے جا کر بلا وجہ مار دیا جس پر شاہی لشکر نے میاں پر حملہ کر دیا اور اس کو شکست دی۔

اسلام گڑھ یا اسلام کوٹ

سنہ 1204 ہجری 1789ء میں میر فتح علی خان نے تھر کی طرف دو قلعے بنوائے ایک فتح گڑھ دوسرا اسلام گڑھ، جو ایک دوسرے سے چالیس کوس کے فاصلے پر تھے۔ آس پاس کے راجاؤں نے ان قلعوں کی تعمیر پر اعتراض کیا لیکن میر نے ان اعتراضات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے

علاوہ سنہ 1813ء میں جودھپور کے راجا نے عمرکوٹ بھی چھین لیا اس طرح تھرپارکر کا یہ حصہ بھی ہیروں کے قبضہ میں آ گیا۔

الور

قدیم ہندو راجاؤں کے دنوں میں سندھ کی راجدھانی تھا۔ اس میں بڑا قلعہ تھا۔ سندھ کا راجا بھی اسی میں رہتا تھا اور محمد بن قاسم نے بھی اسی کا محاصرہ کیا تھا پھر وہاں پر ابو عاف بن قیس اسدی کو حاکم مقرر کیا اور خود ملتان گیا وہاں سے پھر قنوج کی طرف جانے والا تھا مگر حکم ملنے پر بغداد کی طرف واپس گیا۔ بنی امیہ خلفاء کے دنوں میں راجا لورائی الور کا حاکم تھا اور الور کو دلور بھی کہا جاتا تھا۔ یہ بڑا عالم تھا اور اس کے دنوں میں شہر غرق ہو گیا تھا۔ جام فتح خان سمہ کے دنوں میں جب مرزا امیر محمد بکھر کے لوگوں کو سزا دینے کیلئے آیا تب وہاں کے سید ابوالغیث کی منت پر ان لوگوں کو معافی دی اور الور کا علاقہ سید کو جاگیر کے طور پر دیا۔ جب مرزا شاہ بیگ نے بکھر پر قبضہ کیا اور وہاں قلعہ تعمیر کرانے لگا تب الور کے قلعہ کی اینٹیں منگا کر اس میں استعمال کیں۔ پھر سنہ 930 ہجری 1523ء میں سلطان محمود خان نے مبارک خان کو الور کا حاکم مقرر کیا جو پہلے ماتھیلے کا حاکم تھا۔

آنڑپور

سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں جب مرزا جانی بیگ سندھ کا حاکم تھا اور خود مختیار تھا تب اس کو اکبر بادشاہ نے مطیع کرنے کی کوشش کی اور خان خاناں کو اس کام کیلئے روانہ کیا لکی کے قریب دونوں میں جنگ چھڑی اور جانی بیگ بھاگ کر انڑپور میں آیا اور وہاں پر جلدی میں پتھروں سے ایک جنگی قلعہ بنا کر اس کی پناہ میں بیٹھ گیا۔ خان خانان وہاں پر اس پر حملہ کرنے آ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ روزانہ لڑائی ہوتی رہی آخر دونوں میں صلح ہو گئی پھر مرزا جانی بیگ ٹھٹھ واپس گیا اور خان خانان سن میں آیا۔

باغ بان

زمانہ قدیم میں باغبان والے علاقہ میں دو بڑے گاؤں تھے۔ ایک گگڑ دوسرا باغبان۔ دونوں ایک ساتھ بلائے جاتے ہیں۔ اب گگڑ میہڑ تعلقہ میں ہے اور باغبان دادو کے قریب ہے۔ سنہ 914 ہجری (سنہ 1508ء) میں جب مرزا شاہ بیگ ارغون کی دریا خان سے لڑائی چل رہی تھی تب مرزا شاہ حسن باغبان میں آیا ادھر کے لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان کی ہمت دلانے پر

وہ ٹھٹہ تک گیا کچھ وقت بعد مرزا شاہ حسن دریا خان سے لڑنے ٹلٹی میں آیا جس جگہ پر دریا خان کے بیٹوں نے مرزا کے آدمیوں کو مارا تھا۔ تب باغبان کے بزرگ مخدوم بلال جس کو شاہ حسن کے مغلوں نے بڑی تکلیف دی تھی اس کی حمایت میں آس پاس کے لوگ دریا خان کی طرف ہو گئے۔ مرزا نے ان پر حملہ کیا اور ٹلٹی کا قلعہ پھر قبضے میں لیا اور ان کو شکست دی پھر باغبان کے سردار نے مرزا شاہ حسن سے صلح کی اور اس کی مدد کرتے رہے۔ سنہ 930 ہجری (سنہ 1523ء) میں جب مرزا شاہ حسن نے بابر کا سلام کیا اور خلیفہ حماد الدین میرک کی بیٹی سے شادی کی اور دلہن لے کر بکھر میں آیا تب اس نے حماد الدین میرک کو پاٹ اور باغبان کا علاقہ انعام میں دیا۔

بھورا

سنہ 949 ہجری (سنہ 1542ء) میں ہمایوں سندھ میں آیا۔ پہلے عمرکوٹ میں آکر رہا پھر سندھ میں کسی دوسری جگہ جا کر رہنے کا ارادہ کیا اور ہجرت کر کے جونپور میں آیا مرزا شاہ حسن اس کے مقابلے پر آیا۔ بھورا میں ایک قلعہ تھا جس میں سامان رسد بڑی مقدار میں موجود تھا۔ اس پر قبضہ کرنے کے لیے ہمایوں ادھر جانا چاہتا تھا۔ شاہ حسن کی طرف سے سلطان محمود خان نے جا کر اس قلعے کو بچایا۔ اس جگہ پر دونوں طرف سے بڑی جنگ چھڑی اور بہت سے لوگ مارے گئے آخر ہمایوں قندھار چلا گیا۔ سنہ 957 ہجری (سنہ 1550ء) میں جب مرزا کامران بکھر میں آیا تب میرزا شاہ حسن نے اس کے باورچی خانہ کے اخراجات کیلئے بھورا کا علاقہ اور شاہ بیلا (اب سادھ بیلہ) کی آمدنی حوالے کی کیونکہ مرزا نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرائی تھی۔ شاہجہان کے دنوں میں نواب امیر خان ٹھٹہ کا نواب بن کر آیا۔ اس نے بھورا کے علاقہ میں ایک بڑا شہر تعمیر کرایا جس کا نام امیر پور رکھا جو اب میرپور بھورا کے نام سے مشہور ہے۔ اسی بھورو کے علاقہ میں میرانپور کا گاؤں بھی تھا۔ جس جگہ پر شاہ عنایت صوفی رہتا تھا۔ جو شہید ہو گیا تھا۔ میرانپور کو اب جھوک کہتے ہیں۔ شاہ کے شہید ہونے کا یہ واقعہ ٹھٹہ کے نواب اعظم خان کے دنوں میں اس کے حکم سے میاں نور محمد کلہوڑا کے ہاتھوں ہوا۔

بدین

پہلے بدین اور چاچکان کا علاقہ ایک تھا یا دونوں اکٹھے تھے اور ان کا بڑا گاؤں بدین یا چاچک تھے اور جھم کا علاقہ اور گاؤں بھی اس جگہ پر تھا۔ سنہ 978 ہجری (سنہ 1570ء) میں جب اکبر بادشاہ سندھ میں آیا تب مرزا محمد باقی نے سندھ کے الگ الگ حصوں پر قبضہ کرنے کیلئے اپنے لوگ مقرر کئے۔

بدین اور چاچکان کے علاقے پر اپنا بیٹا مظفر خان ترخان مقرر کیا اور اس کے ساتھ علی خان کھوکھر کو روانہ کیا مگر جلد ہی مرزا باقی نے خودکشی کر لی۔ مظفر باپ کے مرنے کا سن کر گھمنڈ کیا لیکن اس کے بھتیجے مرزا جانی بیگ کو پہلے ہی تسلیم کیا گیا تھا۔ مظفر کے فساد کا سن کر میرزا جانی بیگ نے اس پر حملہ کیا اور بدین میں جنگ کی جس میں مظفر کو شکست ہوئی کیونکہ اس کے سردار بدل کر جانی بیگ کے طرفدار ہو گئے۔ مظفر اکیلا بھاگ گیا اور مرزا جانی بیگ نے اس کا سامان اس کی طرف روانہ کر دیا اور خود بدین کے قلعے میں داخل ہو گئے۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں جب وہ خان خاناں اور مرزا جانی بیگ سے لڑا تھا تب بدین اور دوسرے قلعوں پر جدا جدا لشکر روانہ کیے تھے انہوں نے ان قلعوں پر جا کر قبضہ کیا تھا۔ آخر کار میرزا جانی بیگ کی میں شکست کھا کر اخوپور میں آیا اس جگہ پر پھر دوسری مرتبہ شکست کھا کر بھاگ۔ سنہ 1158 ہجری (سنہ 1745ء) میں میاں نور محمد کلہوڑا کے وقت میں کچھ کے راؤ کے فوجی کا بھی فتح کر کے بدین اور آس پاس کے شہروں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ میاں نور محمد نے بہادر شاہ اور دوسرے نقیبوں کو روانہ کیا تھا جن لوگوں نے ان کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔

برہمن آباد

ہندو راجاؤں کے زمانہ میں سات بڑے قلعوں والے شہروں سے یہ ایک تھا۔ چچ کے راج میں اگم لوہانہ اودھر کا حاکم تھا۔ لاکھا، سہتہ اور سمہ لوگ وہاں پر رہتے تھے اور وہ ان لوگوں کو اپنے حکم کے تحت رکھتا تھا۔ اس کا حکم سمندر تک یعنی دیبل بندر تک چلتا تھا۔ چچ نے اگم سے لڑ کر اس کو مار دیا تھا اور اس کے شہر پر قبضہ کیا تھا اور اس کی بیوی سے شادی کی۔ راجا داہر کے راج میں اس نے اپنے بھائی ڈہر سینہ کو ادھر حاکم بنا کر رکھا تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو مقرر کیا گیا۔ داہر کے مرنے اور محمد بن قاسم کی فتح کے بعد داہر کے بیٹے جیسینہ نے برہمن آباد میں آکر پناہ لی جب محمد بن قاسم نے وہ قلعہ بھی فتح کیا تب جیسینہ بھاگ کر کشمیر کی طرف گیا۔ داہر کی بیوی اور اس کے دوسرے رشتے دار برہمن آباد کے قلعے میں تھے ان لوگوں نے قلعہ بچا لیا آخر کار قلعہ حاصل کر کے اس کے مکینوں کو معافی دے کر ان کے حوالے کیا۔

جب سلطان آرام شاہ کی حکومت میں سندھ اور ملتان ناصر الدین قباچہ کے قبضہ میں تھا تب برہمن آباد میں ہندو حاکم جسودن آگرہ نامی تھا اس کو بھانبھر یا بانبھتا یا بھنبھور بھی کہتے ہیں۔ اس وقت دلورائی الور کا حاکم تھا۔ یہ دونوں شہر برباد ہو گئے۔

بکھر

سنہ 624 ہجری (سنہ 1227ء) میں سلطان شمس الدین التمش کے وزیر نظام الملک محمد بن اسعد نے بکھر کے قلعے پر قبضہ کیا اور ناصر الدین قباچہ کو بھگا دیا۔ جو دریا پار کرتے ہوئے اتفاق سے ڈوب کر مر گیا۔ سنہ 649 ہجری (سنہ 1251ء) میں ناصر الدین محمود التمش نے بڑا لشکر لا کر بکھر کا قلعہ فتح کیا اور پھر نیچے سیوہن اور سندھ کے دوسرے شہروں کی طرف گیا۔
سنہ 696 ہجری (سنہ 1296ء) میں سلطان علاؤالدین کے حکم کے مطابق نصرت خان دس ہزار آدمیوں کے ساتھ بکھر آیا اور مخالف قوموں کو مطیع کیا اور پھر نیچے ٹھٹہ اور سیوہن تک بھی گیا۔
سنہ 720 ہجری (سنہ 1320ء) کے بعد جلد ہی سلطان غیاث الدین تغلق دہلی کے بادشاہ نے سندھ میں سومروں کے فساد کا سن کر خواجہ خطیر کو بکھر کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔
سنہ 752 ہجری (سنہ 1351ء) میں جب فیروز شاہ دہلی کا حاکم تھا اس وقت ٹھٹہ میں سومروں کو شکست دے کر واپس بکھر میں آ کر بیس دن تک رہا اور ملک رکن الدین کو اپنی طرف سے سندھ کا نائب مقرر کیا اور اس کو اخلاص خان لقب دیا گیا۔ اور ملک عبدالعزیز کو بکھر کا دیوان یا مالی امور حاکم مقرر کیا گیا۔ سنہ 772 ہجری (سنہ 1370ء) میں فیروز شاہ پھر بنگال فتح کرنے کے بعد بکھر میں آیا اور وہاں سے ٹھٹہ گیا۔ اس سے پہلے سنہ 417 ہجری (سنہ 1026ء) میں سلطان محمود غزنوی کے وزیر عبدالرزاق نے سندھ پر حملہ کیا تھا اور پہلے بکھر فتح کیا بعد میں سیوہن اور ٹھٹھہ کی طرف گیا۔
سنہ 755 ہجری (سنہ 1354ء) میں جام انڑ سمہ نے آ کر بکھر فتح کیا اور دہلی کے بادشاہ علاؤالدین کے حکم سے ملک تاج الدین کافوری نے آ کر بکھر لے لیا۔ جب مرزا پیر محمد تیمور خانی بکھر اور آس پاس کے فسادیوں کو سزا دینے کیلئے آیا تب بکھر شہر کے لوگ بھاگ گئے لیکن وہاں کے سیدوں کے منت کرنے پر اس نے ان کو معافی دی۔ جام نظام الدین یا نندو سنہ 896 ہجری (سنہ 1490ء) میں ٹھٹہ سے بکھر میں آیا اور ایک برس تک وہاں رہ کر فسادی قوموں کو سیدھا کیا۔ سنہ 927 ہجری (سنہ 1520ء) میں جام فیروز سمہ کے وقت میں میرزا شاہ حسن سندھ میں آیا۔ اس وقت بکھر میں دھاریجا لوگوں نے فساد مچایا تھا۔ مرزا شاہ حسن وہاں آیا لیکن سلطان محمود نے پہلے ہی فساد ختم کروا دیا تھا اور اس کے پاس آیا۔ مرزا شاہ حسن نے الور سے اینٹیں منگوا کر قلعے کی مرمت کروائی اور اس میں زمین بانٹ کر امیروں کو بسایا۔ پھر ٹھٹھہ سے رخصت ہو کر گجرات کی طرف چلا گیا۔ سنہ 931 ہجری میں

مرزا شاہ حسن نے اچ اور ملتان پر قبضہ کیا اور ملتان کے حاکم سلطان حسین لانگاہ سے ملتان اور بکھر کی حدود متعین کیں۔ دوسرے برس میں اس نے ملتان پر قبضہ کر کے مرزا بابر کو دیا اور پھر بکھر میں آیا۔ سنہ 949 ہجری میں ہمایوں بادشاہ بکھر میں آیا بعد میں تھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے برس بخشو لانگاہ نے بکھر پر حملہ کیا لیکن شکست کھا کر لوٹ گیا۔ سنہ 960 ہجری (سنہ 1555ء) میں مرزا عیسیٰ ترخان اور سلطان محمود خان کی بکھر میں جنگ چھڑی لیکن میرزا ناامید ہو کر ٹھٹہ لوٹ گیا اس کے بعد ارغون لوگ میرزا عیسیٰ سے ناراض ہو کر سلطان محمود کے پاس آئے اور بکھر میں رہنے لگے۔ سنہ 976 ہجری میں مرزا محمد باقی کی حکومت میں اس کا چھوٹا بھائی خان بابا بکھر میں آکر اپنے بھائی کے خلاف سلطان محمود کے ساتھ مل گیا اور فساد مچایا۔ جس کو میرزا باقی نے آکر شکست دے کر بھگایا۔ سنہ 982 ہجری (سنہ 1574ء) میں سلطان محمود خان کے مرنے کے بعد اکبر بادشاہ نے کیسو خان کو بکھر کا حاکم مقرر کیا اور پھر ایک دوسرے کے بعد میر عدل اور اعتماد خان آئے اور پھر مسند علی فتح خان بہادر اور راجا پرمانند ایک ساتھ مقرر ہو کر آئے۔ پھر نواب محمد صادق خان مقرر ہو کر آیا۔ سنہ 996 ہجری (سنہ 1587ء) میں بکھر نواب اسماعیل قلی خان کو بطور جاگیر ملا اور اس کا بیمار حسان قلی بیگ بکھر میں آکر رہا اس کے بعد یہ جاگیر شیر وید سلطان کو ملی۔ وہ نشہ باز تھا۔ اس وجہ سے سنہ 998 ہجری میں بکھر پھر سے نواب محمد صدیق خان کو بطور جاگیر ملا۔ اسی برس نواب خان خانان میرزا جانی بیگ سے لڑائی کیلئے بکھر میں آیا اور پھر اس کو لے کر بادشاہ کی طرف گیا مرزا غازی بیگ بادشاہ کی طرف سے ہو کر بکھر میں آیا وہاں پر خسرو خان چرکس نے فساد مچایا تھا اس کو ہندو خان پکڑ کرلے گیا۔ سنہ 1057 ہجری (سنہ 1647ء) میں جب نواب مغل خان دہلی کے بادشاہ شاہ جہان کی طرف سے ٹھٹہ میں حاکم تھا تب ٹھٹہ بکھر اور سیوہن شہزادہ اورنگزیب کو ملتان کے بدلے میں بطور جاگیر ملے۔ سنہ 1078 ہجری میں سید عزت خان جس کو عزت ویر بھی کہتے تھے اور بکھر کا فوجدار تھا وہ ٹھٹہ کا نواب مقرر ہوا۔ سنہ 1150 ہجری (سنہ 1736ء) میں بکھر سیوہن اور ٹھٹہ کی حکومت میاں نور محمد کلہوڑا کو ملی جس کو خدایار خان کا لقب ملا۔ اس کے زمانہ میں شاہزادہ محمد معزالدین بھی بکھر میں آیا اور اس برس میاں نور محمد کو بکھر سیوہن اور ٹھٹہ یعنی سارا سندھ ملا۔ دو برس کے بعد جب نادر شاہ آیا تب اس نے بھی میاں کو قائم رکھا اور شاہ قلی کا خطاب دیا۔ پھر جب تالپور سندھ کے حکمران تھے تب میر نصیر خان کے دنوں میں انگریز سرکار سنہ 1838

میں بکھر کا قلعہ اپنی فوج کیلئے مستعار لیا یہ لشکر شاہ شجاع پٹھان کی مدد کیلئے جا رہا تھا۔ سنہ 1842ء انگریز سرکار نے ایک معاہدہ کے تحت بکھر، سکھر، روہڑی، ٹھٹھ اور کراچی اپنے کام کیلئے حاصل کئے پھر جب انگریزوں نے سندھ فتح کیا تب بکھر میں توپ خانہ کے بارود رکھنے کا انتظام کیا گیا۔

بہرلو

جب جام فیروز اور مرزا شاہ حسن کی آپس میں لڑائی جاری تھی تب شاہ حسن جام کو شکست دے کر بہرلو میں آکر شکار کرنے لگا اور پھر ملتان کی طرف گیا۔ سنہ 947 ہجری (سنہ 1540ء) میں جب ہمایوں بادشاہ سندھ میں آیا تب مرزا شاہ حسن کے حکم سے اس کے رہنے کیلئے بہرلو پسند کیا گیا۔ اس میں جو چار مشہور باغ تھے ان کو اچھی طرح آراستہ کیا گیا اور رہنے کیلئے عمدہ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ جب ہمایوں آیا تب اس نے اپنی رہائش لوہری میں کی وہ خود اکیلا بہرلو میں آکر رہا اور باغوں کی شادابی اور تروتازگی کا مزا لیا۔ سنہ 961 ہجری (سنہ 1553ء) میں مرزا شاہ حسن نے بڑے بڑے شہروں میں حاکم مقرر کئے اور خود گھومتا رہتا تھا اور کچھ دن بہرلو میں بھی آکر رہا پھر بکھر چلا گیا۔

تغلق آباد (بعد میں ساسوئی اب کلان کوٹ)

سنہ 928 ہجری (سنہ 1521ء) میں مرزا شاہ حسن تخت نشینی کے بعد جام فیروز سے جنگ میں جام کو شکست دینے کے بعد تغلق آباد میں آکر رہا اور مہینوں کے بعد ہالا کے راستے بکھر گیا۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) کے بعد مرزا جانی بیگ ٹھٹھ کا شہر برباد کر کے اپنے خاندان کو تغلق آباد لے آیا اور اس مقصد کیلئے کلان کوٹ کا قلعہ تعمیر کرا دیا تھا۔ سنہ 1099 ہجری (سنہ 1687ء) میں نواب مرید خان ٹھٹھ کا نواب مقرر ہو کر آیا اور اپنے ساتھ راجپوتوں کو بھی بڑی تعداد میں لے کر آیا انہوں نے مقامی لوگوں کو بہت ستایا تھا اس لیے اس کو موقوف کیا گیا پھر بھی وہ تغلق آباد میں کئی دن رہا اس جگہ کی آب و ہوا اس کو بہت پسند آئی۔

ٹھٹھ

سنہ 416 ہجری (سنہ 1025ء) میں سلطان محمود غزنوی نے اپنا ایک وزیر عبدالرزاق سندھ فتح کرنے کیلئے روانہ کیا جو سیو ابن تنگ ملک فتح کر کے پھر ٹھٹھ آیا اور عربوں کے مقرر کئے ہوئے حاکموں کو نکال کر اپنے آدمی مقرر کرتا گیا پھر سنہ 696 ہجری (سنہ 1296ء) میں علاؤالدین خلجی نے نصرت خان کو بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جس نے ٹھٹھ اور سندھ کے بڑے شہروں میں اپنے حاکم

مقرر کئے۔ سنہ 772ہجری (سنہ 1370ء) میں فیروز شاہ دہلی کا بادشاہ بکھر سے ہوتا ہوا ٹھٹھ میں آیا۔ تب جام خیر الدین سا ٹھٹھ کا حاکم تھا جس نے اس کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر بھاگ گیا۔ سومرہ اور سما جام حکمرانوں کے دنوں میں ٹھٹھ پایہ تخت تھا۔ سنہ 896ہجری (سنہ 1490ء) میں جام نظام الدین نے ٹھٹھ کا شہر نئے سرے سے آباد کیا اور سنوارا اس میں مسجدیں اور دوسری عمارتیں تعمیر کرائیں۔ جام فیروز کے دنوں میں بہت سارے مغل شاہ بیگ کو چھوڑ کر ٹھٹھ میں آکر بسے اور جام نے ان کو شہر کا ایک حصہ رہنے کیلئے دیا۔ جس کو مغل واڑا کہتے تھے۔ ارغون اور ترخان حاکموں کے دنوں میں ٹھٹھ پایہ تخت تھا۔ مرزا عیسیٰ ترخان کے وقت میں سنہ 963ہجری (سنہ 1555ء) میں پورچو گیز لوگ ٹھٹھ میں آئے۔ بندر سے اتر کر ٹھٹھ میں آکر لوٹ مار کر کے آگ لگا کر چند لوگوں کو قید کر کے پھر بندر کی طرف چلے گئے۔ مرزا عیسیٰ تب بکھر کی طرف گیا تھا وہاں سے جلد ہی لوٹ آیا لیکن یہ لوگ پہلے ہی چلے گئے تھے۔ اور مرزا عیسیٰ کو شہر کی مرمت کرانی پڑی۔ مرزا جانی بیگ نے اپنی حکومت کے دور میں ٹھٹھ کو سنوارا۔ ترخانوں کے بعد دہلی کے بادشاہوں کے نواب ٹھٹھ میں حاکم بن کر رہے ان کا بیان ایک باب میں پہلے دیا گیا ہے۔ سنہ 1150ہجری (سنہ 1737ء) میں میاں نور محمد کلہوڑا کو نادر شاہ نے ٹھٹھ اور سیوستان دیا۔ اس سال میں دھاراج اور نگر الہ کے ہندو حاکموں نے فوج کشی کی جن کا مقابلہ میاں نور محمد کے بیٹے مراد یاب نے کیا اور ان کو شکست دی۔ نادر شاہ کے آنے پر میاں نور محمد بھاگ گیا۔ اور اس کے وکیل ٹھٹھ آئے لیکن بعد میں بادشاہ اس سے راضی ہوا اور میاں نور محمد نے اسے اپنی طرف سے سلطان ساٹیا کو ٹھٹھ کا حاکم مقرر کیا۔ پھر سنہ 1171ہجری (سنہ 1758ء) میں میاں غلام شاہ کے دور حکومت میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ٹھٹھ اور اورنگا بندر میں کارخانے قائم کئے جو میاں سرفراز نے بند کرا دیئے۔ سنہ 1197ہجری (سنہ 1783ء) میں میر فتح علی خان کے حکم سے غلام علی ولد قیصر نظامانی، ٹھٹھ کا حاکم تھا وہ بڑا لشکر لے کر نگر الہ پر حملہ کرنے کے لئے گیا اور وہاں کے ہندو راجا کو شکست دی۔

پاٹ

سنہ 930ہجری (سنہ 1523ء) میں مرزا شاہ حسن کی شادی بابر کے میر منشی خلیفہ حسام الدین میرک کی بیٹی گل برگ بیگم سے ہوئی اس لئے مرزا نے اس خلیفہ کو باغبان اور پاٹ کے علاقے انعام میں دیئے اور خود دلہن کے ساتھ بکھر گیا۔ سنہ 947ہجری (سنہ 1540ء) میں

ہمایوں بادشاہ دولاکھ آدمیوں کے ساتھ سندھ میں آیا اور لوہری میں اترا۔ اور سامان رسد حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنے بھائی مرزا ہندال کو پاٹ روانہ کیا اور خود بھی اس کے پیچھے گیا لیکن وہاں بخار پھیلنے کے سبب ناامید ہو کر بکھر میں آیا۔ سنہ 950 ہجری (1543ء) میں جب مرزا کامران اپنے بھائی ہمایوں سے جھگڑا کر کے نکلا تب پاٹ میں مرزا شاہ اس سے ملا۔ اس نے اس کی بھلائی کی اور اپنی بنی چوچک بیگم کی شادی اس سے کرائی یہ شادی پاٹ میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ تین مہینے وہاں گزار کر مرزا کامران لوٹ کر قندھار گیا۔ سنہ 994 ہجری (سنہ 1585ء) جب اکبر بادشاہ نے بکھر بطور جاگیر نواب محمد صادق خان کو دیا تب نواب سیوہن کی طرف گیا۔ پاٹ میں مرزا جانی بیگ آدمیوں سے اس کو لڑنا پڑا۔ ان کو شکست دے کر اور دریا پر کشتیوں کی لڑائی میں سبحان قلی ارغون کو شکست دے کر سیوہن میں آیا۔ ادھر مرزا جانی ٹھٹھ سے آکر پہنچا اس وجہ سے وہ محاصرہ چھوڑ کر بکھر کی طرف واپس ہوا۔

پٹ باران

میر شہداد خان تالپور شاہزادے معزالدین کے حکم سے دیروں میں بہادری سے لڑا تھا اس لیے میر کو پٹ باران بطور جاگیر ملا۔

جون یا جونپور

سنہ 927 ہجری (سنہ 1520ء) میں جام صلاح الدین مرزا شاہ حسن کے آنے پر ٹھٹھ سے نکل کر جون کے گاؤں میں جا کر رہا۔ ان کے درمیان جنگ شروع ہوئی اس میں صلاح الدین خود اور اس کا بیٹا ہیبت علی خان مارے گئے۔ سنہ 947 ہجری (سنہ 1540ء) میں ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سے لڑائی کے بعد جونپور میں آیا۔ اس جگہ اس کو مرزا شاہ حسن ملا اور اس کا خیر مقدم کیا۔ دو برس کے بعد ہمایوں جیسلمیر اور عمر کوٹ میں گزار کر جونپور میں آیا اور وہاں دریا کے کنارے سکون سے رہنے لگا۔ دوسرے سال ہمایوں کے قندھار جانے کے بعد بخشو لنگاہ ملتان میں بلوچوں اور ناہروں کا لشکر جمع کر کے جونپور کے آمنے سامنے تیار ہوا اور بکھر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت شاہ حسن اور دوسرے زبردست سب ٹھٹھ گئے ہوئے تھے۔ لیکن شکست کھا کر لوٹ آیا۔ سنہ 988 ہجری (سنہ 1589ء) میں مرزا جانی جانی بیگ کے زمانے میں خان خانان لشکر لے کر آیا اور اس کے الگ

الگ حصے ملک کے مختلف حصوں کی طرف روانہ کئے ایک حصہ جون اور فتح باغ کی طرف روانہ کیا۔
جس نے وہاں کے قلعوں کا محاصرہ کیا۔ جلدی گنگی کے قریب مرزا جانی بیگ نے شکست کھائی۔

چانڈ کو (موجودہ لاڑکانہ)

آدم شاہ کلہوڑا، کلہوڑوں کا دادا، جو نپور کے بزرگ میراں محمد کی گدی پر بیٹھا اور چانڈ کو میں آکر رہا۔ آدم شاہ کا پوتا میاں الیاس چانڈ کا کے قریب مدفون ہے۔ سنہ 896 ہجری (سنہ 1490ء) میں جام نظام الدین سما کے زمانے میں شاہ حسن نے چند مغل قندھار سے لا کر چانڈکا اور بعض دوسرے شہروں پر حملہ کیا۔ لیکن جام نندا نے دریا خان کی نگرانی میں لشکر روانہ کیا جس نے مغلوں کو جا کر شکست دی اور اس لڑائی میں شاہ حسن کا بھائی ابو محمد مرزا مارا گیا۔ سنہ 927 ہجری (سنہ 1520ء) میں مرزا شاہ بیگ اپنے دور حکومت میں سیوہن کے بعد میں چانڈ کو میں آکر رہا۔ اور بھکر کے فساد کا سن کر ادھر روانہ ہو گیا۔ سنہ 928 ہجری (سنہ 1521ء) میں مرزا شاہ بیگ پھر بھکر سے لوٹ کر چانڈ کو میں آیا۔ میر فاضل کو کلتاش کی وفات پر اس کا جنازہ بھکر روانہ کیا اور خود بھی اس طرف گیا۔ پھر وہاں سے گجرات روانہ ہو گیا۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں جب اکبر بادشاہ سندھ میں آیا تب میر معصوم شاہ بھکر والا اس کے پاس گیا اور بادشاہ نے اس کو چانڈ کا کا علاقہ اور دربیلا بطور جاگیر دیا۔ (زیادہ معلومات کیلئے لاڑکانہ کے احوال میں پڑھیں)۔

حیدرآباد (سابقہ نیرون کوٹ)

سنہ 1183 ہجری (سنہ 1769ء) میں میاں غلام شاہ کلہوڑا نیرون کوٹ میں آیا جس میں اس نے گزشتہ برس قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اس شہر کو حیدرآباد کا نام دیا اور اس کے بعد یہ سندھ کی راجدھانی بنا۔ اس سے پہلے خدآباد تخت گاہ تھا۔ مرنے کے بعد اس کا مقبرہ بھی ادھر بنا۔ سنہ 1188 ہجری (سنہ 1774ء) میں میر فتح خان نے حیدرآباد پر حملہ کیا اور میاں محمد سرفراز بھاگ گیا۔ پہلے میاں خدآباد میں تھا جب میر نے وہ فتح کیا تب بھاگ کر حیدرآباد آیا۔ میر نے اس کے بھائی محمود خان کو گدی پر بٹھایا۔ سنہ 1190 ہجری (سنہ 1776ء) میں میاں غلام نبی کے دور حکومت میں حیدرآباد کے قلعے میں میاں سرفراز، میاں عطر خان، محمود خان اور میر محمد قید تھے ان کو قتل کرا دیا کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں ملک ہاتھ سے چلا نہ جائے اور ان میں سے کسی کو گدی پر نہ بٹھائیں۔ سنہ 1201 ہجری (سنہ 1786ء) میں میاں عبدالنبی خان قلات سے مدد لے کر حیدرآباد پر حملہ

کرنے آیا اور میر فتح علی خان شکار کرنے گیا تھا لیکن وہ میاں سے نا امید ہو کر لوٹ گئے۔ اس وقت میاں عبدالنبی اور دوسرے کلہوڑا سرداروں کے اہل و عیال حیدرآباد کے قلعے میں رہتے تھے۔ میر فتح علی خان نے میاں کے بھاگ جانے کا سن کر اپنے سپہ سالار حاجی احمد کو حیدرآباد فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ میاں کی طرف سے غلام حیدر مرنانی حفاظت کے لئے مامور تھا۔ اس نے میر کے لشکر کے آنے کا سن کر بارود کو آگ لگائی جس سے بڑا دھماکہ ہوا اور معہ کی فصیل کا ایک حصہ گر گیا اور حاجی احمد لشکر لے کر اندر داخل ہو گیا اور قلعے پر قبضہ کر لیا اور غلام حیدر نے کلہوڑا خاندان کو جودھپور روانہ کیا۔ میاں کے بیٹے نے پہلے ہی سے وہاں پناہ لے رکھی تھی۔ سنہ 1202 ہجری (سنہ 1787ء) میں تیمور شاہ کے لوٹ جانے کے بعد میر فتح علی خان واپس حیدرآباد آیا اور اس کو اپنا تخت گاہ بنایا۔ اور خدا آباد چھوڑ دیا۔ حیدرآباد میں تین نئی مسجدیں تعمیر کرائیں ان میں سے ایک بی بی خیری کی مسجد ہے جو میر فتح علی خان کی والدہ تھیں، دوسری ملا رحمت اللہ والی مسجد اور تیسری طالب شاہ والی مسجد جو قلعہ کے دروازے کے قریب ہے۔ یہ سب عمارتیں نو مہینے کے اندر تیار ہوئیں۔ مرنے کے بعد میر کو خدا آباد میں دفن کیا گیا لیکن بعد میں دوسرے میروں کو حیدرآباد میں رکھتے آئے اور اب ان کے مقبرے موجود ہیں۔ میر غلام علی خان کے دنوں میں حیدرآباد میں بڑے ترقیاتی کام شروع کئے گئے اور انگریزوں سے ایک عہد نامہ ہوا۔ اس کے دنوں میں سنہ 1230 ہجری (سنہ 1814ء) میں شاہ شجاع حیدرآباد میں آیا اور آغا اسماعیل شاہ کے بنڈے میں ٹھہرایا گیا۔ سنہ 1240 ہجری (سنہ 1824ء) میں میر مراد علی خان کے بیمار ہونے پر انگریز سرکار نے ڈاکٹر برنس کو حیدرآباد روانہ کیا اس نے علاج کر کے صحت یاب کیا۔ میر مراد علی خان کے دنوں میں حیدرآباد میں ضرب خانہ قائم ہوا اور اشرفیاں اور مہریں بننے لگیں اور تلواریں وغیرہ بنانے کے کارخانے تیار ہوئے۔ غیر ملکی بادشاہوں سے دوستی کے عہد نامے ہوئے۔ میر نور محمد خان کے دنوں میں حیدرآباد میں انگریز سرکار کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا اور پھر سنہ 1254 ہجری (سنہ 1838ء) میں جنرل کین، کراچی سے دریا کے راستہ لشکر لے کر شجاع کی مدد کیلئے جا رہا تھا وہ کوٹری میں ٹھہر کر ریذیڈنٹ کے ساتھ حیدرآباد شہر گھومنے آیا۔ میر نصیر خان کے دنوں میں سنہ 1258 ہجری (سنہ 1842ء) میں حیدرآباد اور گرد و نواح میں وبا پھیل گئی اور سب میر حیدرآباد چھوڑ کر گھانی کے گاؤں میں جا کر رہنے لگے۔ اس سال میں سر چارلس نیپیئر ریذیڈنٹ مقرر ہو کر آیا اور پھر جلد ہی میروں سے ان بن ہوئی اور بلوچوں نے ریذیڈنٹ میجر آوٹرام پر حملہ کر دیا اور

وہ نکل کر سر چارلس نیپیئر کی طرف گیا جو خیر پور کی طرف گیا تھا۔ وہ یکدم حیدر آباد پر حملہ کرنے آ گیا اور میانی کی جنگ میں سنہ 1259 ہجری (سنہ 1843ء) میں میروں کو شکست دے کر حیدر آباد کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور میروں کو قید کیا گیا۔ میروں کے خاندان نکل کر پھلیلی کے کنارے ٹنڈو یوسف میں آئے اور پھر ٹنڈو سائینداد میں رہے لیکن وہاں آگ لگنے کے سبب پھر آ کر پھلیلی کے مشرق میں محمد خان ٹھوڑو کے ٹنڈی میں رہنے لگے اس کے بعد حیدر آباد انگریز سرکار کے زیر تسلط رہا۔

خدا آباد

میاں یار محمد کلہوڑا کے وقت میں سنہ 1113 ہجری (سنہ 1701ء) میں کلہوڑا خاندان طاقتور بنے اور پنوہروں سے شکارپور کا قبضہ لے کر وہاں پر اپنا شہر تعمیر کرایا اور اس پر خدا آباد کا نام رکھا۔ وہاں سے پھر گردو نواح پر اپنا اثر قائم کرنے لگے۔ میاں یار محمد کے دو بیٹے نور محمد اور محمد خان جو اب تک قلات میں تھے وہ اب ادھر آ کر رہنے لگے۔ سنہ 1170 ہجری (سنہ 1757ء) میں جب میاں غلام شاہ حکمران بنا تب یہ شہر دریا برد ہو گیا اس لئے اپنے باپ کے بنوائے ہوئے شہر محمود آباد کے قریب دوسرا شہر تعمیر کرایا جس کو الٰہ آباد کا نام دیا صرف اس کا بھائی محمد مراد یاب خدا آباد میں رہتا آیا اور عطر خان اس کو ہوس حکمرانی کیلئے اکساتا رہا۔ سنہ 1172 ہجری (سنہ 1759ء) میں جب میاں غلام شاہ نے سنا کہ چند کھوسا سردار آ کر خدا آباد شہر کو لوٹ کر چلے گئے ہیں تب وہاں آ کر کھوسا سرداروں کو مروا دیا اور شہر کی حفاظت کیلئے آدمی مقرر کئے۔

سنہ 1186 ہجری (سنہ 1772ء) میاں یار محمد سرفراز نے قدیم خدا آباد چھوڑ کر نیا خدا آباد کا شہر ہالا کے قریب تعمیر کرایا پھر جلد ہی میر تالپروں سے نا اتفاقی پیدا ہو گئی۔ اور میر بہرام اور اس کے بیٹے میر صوباب کو قتل کروا دیا جو خدا آباد میں دفن کئے گئے یہ واقعہ سنہ 1189 ہجری میں پیش آیا اور دوسرے سال میر فتح خان نے بلوچوں کا لشکر لا کر خدا آباد کا محاصرہ کیا اور زبردستی سے اندر گھس آیا۔ میاں محمد سرفراز پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ ایک ماہی گیر کی کشتی میں سوار ہو کر حیدر آباد آیا اس کو بھی میروں نے گھیر لیا۔ سنہ 1197 ہجری (سنہ 1782ء) میں میر بجار خان نے میاں عبدالنبی کو گدی پر بٹھایا اور خود بھی اپنے بلوچوں کے ساتھ آ کر خدا آباد میں رہا۔ بعد میں جب عبدالنبی بھاگ کر مدد خان کو لے آیا تو وہ سردار خدا آباد میں آیا اور لوگوں پر ظلم کرنے اور آس پاس کا ملک لوٹنے لگا اس وقت میر عبداللہ جو عمر کوٹ میں تھا وہ مدد خان سے لڑنے کیلئے لشکر لے کر آیا۔ مدد خان نکل کر میر کی منزل

کو بھنک گیا پھر عبدالنبی کی حرکت جان کر واپس لوٹ گیا۔ میاں عبدالنبی پشیمان ہو کر میر کے پاس آیا اور معافی مانگی اور آئندہ کیلئے قسم کھائی۔ اس لئے میر نے اس کو خدا آباد میں پھر گدی پر بٹھایا۔ سنہ 1201 ہجری (سنہ 1786ء) میں عبدالنبی بھاگ کر خان قلات سے مدد لے کر خدا آباد پر حملہ کرنے آیا میر فتح علی خان اسی وقت ونگ کی طرف گیا تھا لیکن عبدالنبی ناامید ہو کر سیوہن کی طرف چلا گیا۔ سنہ 1197 ہجری (سنہ 1783ء) میں میر فتح علی خان، تیمور بادشاہ سے ملنے کے بعد سندھ کا مستقل حکمران بن کر آیا اور خدا آباد چھوڑ کر شاہ پور کا نیا شہر تعمیر کرا کر اس میں رہا۔ سنہ 1202 ہجری (سنہ 1787ء) میں وہاں سے نکل کر حیدرآباد آکر اس کو پایہ تخت بنایا اور پھر اس شہر کو سنوارنے لگا۔ سنہ 1217 ہجری (سنہ 1802ء) میں میر فتح علی خان نے وفات کی اور اس کا جنازہ خدا آباد میں لا کر دفن کیا، کیونکہ اس کے بزرگ ادھر دفن کیے گئے تھے۔ میر کرم علی خان پہلا میر تھا جو حیدرآباد میں دفن کیا گیا۔ اس سے پہلے میروں کو خدا آباد میں دفن کرتے تھے۔ میر کرم علی خان کی سنہ 1244 ہجری (سنہ 1828ء) میں وفات ہوئی۔

سنہ 1233 ہجری (سنہ 1817ء) میں راجا رنجیت سنگھ نے مٹھن کوٹ فتح کرنے کے بعد سندھ پر حملہ کرنے کیلئے اپنے پوتے نہال سنگھ کو روانہ کیا۔ میر مراد علی خان اور کرم علی خان تیس ہزار فوج لے کر اس کا مقابلہ کرنے کیلئے شکارپور روانہ ہوئے جب خیرپور میں آئے تب میر سہراب خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان سے شامل ہوا۔ خیرپور کو ان دنوں سہراب پور کہتے تھے۔ میر سہراب خان کے مرنے پر خیرپور والا اس کا ملک اس کے بیٹوں اور بھتیجوں میں تقسیم کیا گیا جس طرح حیدرآباد والا ملک میر مراد علی خان کے فوت ہونے کے بعد اس کے بیٹوں نے تقسیم کیا تھا۔ سنہ 1249 ہجری (سنہ 1833ء) میں میر نور محمد خان کے دنوں میں جب شاہ شجاع الملک شکارپور میں آیا تب میر اس سے مقابلہ کرنے کیلئے لشکر لے کر آئے۔ جب خیرپور میں آئے تب وہاں کے میروں کا لشکر بھی شامل ہو گیا۔ سید آغا کاظم شاہ حیدرآباد والے لشکر کا سردار تھا اور گولا شاہ خیرپور والے لشکر کا سردار تھا۔ جو جنگ ہوئی اس میں دونوں مارے گئے۔ سنہ 1252 ہجری (سنہ 1836ء) میں انگریز سرکار کا لشکر شاہ شجاع الملک کی مدد کرنے کراچی سے دریا کے راستے آیا۔ خیرپور کے میروں نے پہلے اعتراض کیا بعد میں راضی ہو گئے۔ سال ڈیڑھ کے بعد خیرپور میں راس بیل نامی ریزیڈنٹ رکھا گیا تھا۔ اس کو نکال دیا گیا تھا میجر پاٹنجر حیدرآباد کا ریزیڈنٹ بھی خیرپور کا

ریزیڈنٹ ہو گیا تھا۔ سنہ 1254 ہجری (سنہ 1838ء) میں جنرل کین شاہ شجاع الملک کو قابل کے تخت پر بٹھا کر لوٹا اور خیر پور میں میروں سے ملاقات کرتا ہوا حیدر آباد آیا۔ سنہ 1258 ہجری (سنہ 1842ء) میں خیر پور میں میر علی مراد خان اور میر رستم خان دونوں بھائیوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا ان کی لڑائی میں میر رستم بھاگ گیا اور میر مراد علی خان ملک کا مالک ہو گیا اور سر چارلس نیپیئر بھی اس کا طرفدار بنا۔ اور حیدر آباد والے میر رستم خان کے مددگار بنے دوسرے سال میانی والی جنگ میں ان کو شکست ہوئی اور سندھ ان کے ہاتھوں سے نکل گئے میر رستم خان بھی دوسرے میروں کے ساتھ قید ہوا۔

دریلہ

عربوں کی فتح کے بعد سلطان آرام شاہ کے راج میں جب سندھ اور ملتان ناصر الدین قباچہ کو ملے تب دریلا کا علاقہ ہندو حاکم رانا بھنر سیجے راٹھوڑ کے ہاتھ میں تھا سنہ 908 ہجری (سنہ 1502ء) میں جب مرزا شاہ حسن اور جام فیروز کے درمیان لڑائی چل رہی تھی تب مرزا شاہ حسن نے اپنی طرف سے دریلہ میں میر فرخ کو حاکم مقرر کیا اور خود بھکر چلا گیا اور اس کو جا کر آباد کیا۔ سنہ 970 ہجری (سنہ 1562ء) میں مرزا عیسیٰ ترخان اور سلطان محمود خان کے درمیان میں لڑائی چھڑ گئی جو پہلے سیوہن میں پھر دریلہ میں ہوتی رہی۔ پہلی میں سلطان محمود نے شکست کھائی دوسری میں دونوں نے صلح کی۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں جب اکبر بادشاہ نے نواب خان خانان کو مرزا جانی بیگ سے لڑنے کیلئے سندھ روانہ کیا تب میر معصوم شاہ بھکر والا اکبر بادشاہ کو سلام کرنے گیا تو اس نے اس کو دریلہ، چانڈ کو اور کاکڑی کی جاگیریں دیں۔

دیپالپور

عربوں کی فتوحات کے بعد دیپال پور سے لے کر سمندر تک جو علاقہ تھا، وہ عربوں کے نائب کے زیر اختیار تھا۔ سنہ 697 ہجری (سنہ 1297ء) میں سلطان علاؤ الدین تغلق نے دس ہزار لشکر غازی ملک کی زیر کمان دیپالپور کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جا کر چنگیز خان کے مغلوں سے لڑائی کرے۔ سنہ 796 ہجری (سنہ 1393ء) میں ناصر الدین نے تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ایک لشکر سارنگ خان کے تحت دیپالپور روانہ کیا اور وہ خود سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے دیپالپور کا قلعہ فتح کیا مقرب خان کو وہاں چھوڑ کر خود گوالیار کی طرف گیا۔ لیکن جب سعادت خان نے موقع

پا کر قلعہ کو گھیر لیا تب سارنگ خان لوٹ کر آیا اور آکر قلعہ پر قبضہ کیا لیکن سنہ 800 ہجری میں سارنگ خان دہلی کے لوگوں کے ہاتھوں شکست کھا کر ملتان میں واپس لوٹ آیا۔

دیبل

جب سندھ میں رائی گھرانے کے راجاؤں کی حکومت تھی تب الگ الگ چار حصوں پر چار حاکم تھے ان میں سے پہلا حاکم برہمن آباد میں رہتا تھا۔ اس کے زیر حکومت دیبل اور نیرون کوٹ اور آس پاس کے دوسرے حصے ہوتے تھے۔ دوسرا حاکم سیوستان میں، تیسرا حاکم اسکندہ میں اور چوتھا ملتان میں۔ چچ کے راج میں اگھم لوہانہ برہمن آباد کا حاکم تھا اور دیبل اور سمندر تک کا علاقہ اس کے ہاتھ میں تھا چچ کے اگھم سے لڑنا پڑا اور اس کو مار کر اس کی بیوی سے شادی کی۔ سنہ 11 ہجری (سنہ 632ء) میں عربوں کا لشکر دیبل میں آیا جب وہاں کا حاکم سامہ بھٹ دیوائج قلعہ سے نکل کر عربوں سے لڑا لیکن مارا گیا۔ سنہ 86 ہجری (سنہ 705ء) میں سرندیپ کے راجا نے چند تحائف اور موتی حجاج کیلئے جہازوں میں روانہ کئے۔ وہ جب دیبل کے پاس پہنچے تب آس پاس کے ڈاکوؤں نے تحائف لوٹے اور عورتوں کو اغواہ کر لیا۔ جب حجاج کو یہ خبر ملی تب خلیفہ کی اجازت سے عربوں کا لشکر سندھ کی طرف روانہ کیا اس لیے کہ راجا داہر وہ چور تلاش نہ کر سکا تھا اور بزیل عرب لشکر لے کر آیا اور دیبل پر حملہ کیا جیسے ہی اس وقت دیبل میں تھا بزیل کے گھوڑوں نے جب ہاتھی دیکھے تو سہم کر بھاگے اس وجہ سے اس کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا یہ حال دیکھ کر حجاج نے محمد بن قاسم کو بڑا لشکر دے کر روانہ کیا جس نے سنہ 92 ہجری (سنہ 711ء) میں آکر دیبل کا محاصرہ کیا اور منجنیق سے دیواریں توڑ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ قلعہ میں جو بڑا مندر تھا اس کو توڑا اور لوگوں کو مارا اور شہر سے بڑا خزانہ ہاتھ لگا جو لشکر میں تقسیم کیا اور باقی پانچواں سرکاری حصہ حجاج کی طرف روانہ کیا اور اس نے خود نیرون کوٹ پر حملہ کیا۔ ملتان فتح کرنے کے بعد جتنا خزانہ سندھ فتح کرنے سے حاصل ہوا تھا وہ محمد بن قاسم نے کشتیوں کے ذریعے دیبل کی طرف روانہ کیا اور وہاں سے جہاز میں سمندر کے راستے خلیفہ کی طرف روانہ کیا اس کے بعد سندھ کی تاریخ میں دیبل کا نام نظر نہیں آتا لیکن دیپالپور کا نظر آتا ہے۔

دھاراجا

سنہ 1151 ہجری (سنہ 1738ء) میں میاں نور محمد کے بیٹے محمد مراد یاب کو دھاراجا کے حاکم راتا جمل اور گگرالہ کے جام نے روکا۔ وہ سمندر سے جہاز لے کر دریا میں آئے اور پھر خشکی

اور پانی میں اس سے لڑنے لگے لیکن جب کلہوڑوں نے کنارے پر توپیں چلائیں تب وہ بھاگ گئے دوسری مرتبہ سنہ 1160 ہجری (سنہ 1747ء) میں دھاراجا کے رانا کے اکسانے پر پہاڑی لوگوں نے ٹھٹہ پر حملہ کیا۔ شیخ شکر اللہ، مسو فقیر، اور بولا خان تو مزیانے میاں کی طرف سے ان سے مقابلہ کیا اور رانا کو مار دیا۔ دھاراجا ساکرو تعلقہ میں تھا۔

روہڑی (دیکھیں لوہری)

ساموئی

جب سومروں کا بڑا شہر محمد طور بھی سومروں کے ساتھ تباہ ہوگیا تب ساجوان کی جگہ پر حکمران بنے انہوں نے محمد طور کی جگہ پر اور گردونواح میں کچھ نئے شہر تعمیر کرائے ان میں قابل ذکر ساموئی تھا۔ یہ ورک کا علاقہ کہا جاتا تھا۔ جام انڑ بن بابینہ سما سنہ 752 ہجری (سنہ 1351ء) میں گدی پر بیٹھا۔ اس کے باپ جام بابینہ نے یہ شہر تعمیر کرایا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جام بابینہ بن جام انڑ نے تعمیر کرایا تھا۔ جام نظام الدین یا جام نندو جس نے پچاس برس تک حکومت کی اور سنہ 914 ہجری (سنہ 1508ء) میں وفات پائی۔ اس نے اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں یہ شہر ساموئی چھوڑ کر کچھ فاصلے پر نیا شہر تعمیر کرایا جو پھر کافی مدت تک تخت گاہ سمجھا جانے لگا۔ ساموئی بزرگوں والی شاعری جو سندھ کی حکومت سے متعلق پیش گوئی کرتے ہیں، وہ بھی اس شہر میں کہی گئی تھی اور وہ ساموئی بھی ادھر مروائے گئے تھے۔

سانگرہ

سنہ 751 ہجری (سنہ 1350ء) میں دہلی کے بادشاہ فیروز شاہ کے زمانہ میں سومرہ، سما اور جاڑیجا قوموں نے فساد کیا طافی ان کا پیشوا تھا۔ فیروز شاہ دو ہزار کے لشکر کے ساتھ آیا اور ان کو شکست دی اور پھر ٹھٹہ سے دیبل روانہ ہوگیا۔ راستہ میں سانگرہ جھیل کے قریب ایک قلعہ تعمیر کرا کر اس میں نصیر کو رکھا اور آس پاس کے ملک پر ملک بہرام کو مقرر کیا پھر سیوہن اور بکھر سے گزر کر چلا گیا۔ جام چینو آدم شاہ سے پہلے کلہوڑوں کا دادا، جو بھرالوہ کے علاقے میں چینہ بیلا شہر میں رہتا تھا وہ کھنبھات کی طرف جاتے ہوئے سانگرہ کے کنارے پر فوت ہوگیا اور ادھر ہی دفن کیا گیا۔

بھکر میں لاکر سکھر کی ایک پہاڑی پر دفن کیا گیا جو اب تک آدم شاہ کی پہاڑی یا ٹکری کے نام سے موسوم ہے۔ سنہ 1168 ہجری (سنہ 1755ء) میں میاں نور محمد کلہوڑا نے اپنی طرف سے دیوان گدومل کو احمد شاہ درانی کی طرف روانہ کیا وہ اس کو سکھر میں آکر ملا لیکن بادشاہ میاں پر سخت ناراض تھا۔ تین دن تک دیوان سے نہ ملا پھر بادشاہ کوچ کر کے نوشہرہ گیا اُدھر دیوان نے ملاقات کی اور میاں کے فائدے میں فرمان لیا۔ سنہ 1258 ہجری (سنہ 1842ء) میں جب سر چارلس نیپیئر سندھ کا ریزیڈنٹ مقرر ہو اجب اس کے سکھر آنے پر میر صوبدار اور اس طرف کے دوسرے میروں نے ادھر آکر اس سے ملاقات کی۔ (بکھر کا احوال اوپر دیا گیا ہے)

سیوستان (موجودہ سیوہن)

رائے گھرانے کے راجاؤں کے دور میں جب الور پایہ تخت تھا اور سندھ ملک کے چار حصے چاروں قلعوں والے تھے تب ان میں سے ایک حصہ اور قلعہ سیوستان کا تھا اور وہاں کے حاکم کے زیر نگرانی میں شمالی حصہ روجھان کی پہاڑیوں اور مکران کے پہاڑوں سمیت تھا۔ سیوستان اس سارے علاقے کو کہتے تھے اور صرف قلعہ کو سیوہن کہتے تھے۔ چچ کے دنوں میں سیوستان کا حاکم متہ نامی تھا۔ چچ کشمیر کی سرحد قائم کر کے لوٹ کر سیوستان میں آیا اور اس جگہ کا بندوبست قائم کیا۔ چچ کے مرنے کے بعد متہ قنوج گیا اس لئے کہ چندر چچ کے بھائی سے ملک چھین لے۔ داہر کے وقت میں وہ برہمن آباد سے ہو کر سیوستان میں آیا اور وہاں سے پھر راوڑ کے قلعہ میں گیا اور پھر لوٹ کر الور آیا۔ ان چاروں جگہوں پر ایک سال میں چار مہینے گزارتا تھا۔ محمد بن قاسم نیرون کوٹ لینے کے بعد سیوستان آیا اور وہاں کے آس پاس والا ملک فتح کیا۔ سیوستان کا قلعہ فتح کرنے میں اس کو دشواری پیش آئی۔ داہر کی طرف سے اس کا چچازاد بھائی بجھیرا ولد چندر وہاں کا حکمران تھا۔ محمد بن قاسم نے منجنیق سے دیوار توڑ کر قلعہ فتح کیا بجھیرا بھاگ گیا۔ اس کی جگہ پر اس نے چندرام ہالہ کو بٹھایا لیکن اس کے دوسری طرف جانے پر چندر رام نے فساد کر کے عربوں کو بھگا دیا۔ اس پر محمد بن قاسم نے مصعب ولد عبدالرحمن کو بڑا لشکر دے کر سیوستان روانہ کیا جس نے چندرام سے لڑائی کی چندرام مارا گیا۔ مصعب نے پورا انتظام مکمل کر کے وہاں دوسرا حاکم مقرر کر کے خود محمد بن قاسم کی طرف لوٹ آیا۔ کچھ دنوں بعد حجاج کے حکم سے قیس بن عبدالمالک اور خالد انصاری سیوستان کے نائب مقرر کئے گئے۔ یہ احوال سنہ 93 ہجری (سنہ 711ء) کا ہے۔ سنہ 416 ہجری (سنہ 1025ء) میں سلطان محمود غزنوی

کے حکم سے اس کے وزیر عبدالرزاق نے لشکر لے کر پہلے سیوستان یا سیوہن فتح کیا بعد میں ٹھٹہ گیا جو اس وقت سندھ کا پایہ تخت تھا۔ اس دوران عرب خلفا کے نائب سیوستان میں رہتے تھے۔ سنہ 649 ہجری (سنہ 1251ء) میں ناصرالدین محمود دہلی سے لشکر لے کر سندھ میں آیا اور سیوہن میں آکر قلیج خان کو مقرر کر کے اچ اور ملتان کی طرف گیا سنہ 667 ہجری (سنہ 1297ء) میں جلال الدین خلجی کے عہد میں مغلوں نے سیوہن پر قبضہ کیا اس وقت ملتان کے حاکم نصرت خان کو حکم ملا جس کے مطابق اس نے سیوہن میں آکر مغلوں سے لڑ کر بھگا دیا اس کے بعد بکھر گیا سنہ 721 ہجری (سنہ 1357ء) میں سلطان غیاث الدین تغلق نے ملک علیشیر کو سیوہن کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔ سنہ 752 ہجری (سنہ 1351ء) جام انڑ سما نے سیوہن پر حملہ کر دیا اور دہلی کے بادشاہ کی طرف سے ملک رتن ترک وہاں کا حاکم تھا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا جام نے ملک رتن کو مار کر قلعہ پر قبضہ کیا پھر سنہ 768 ہجری (سنہ 1367ء) میں جام تماچی کی حکومت میں سلطان علاؤالدین کا لشکر سیوہن میں آکر سما حکمرانوں سے لڑا اور ان کو قید کر کے دہلی لے گیا۔ جب جام سکندر سما حکمران بنا تب وہ چھوٹا تھا اس وقت بکھر اور سیوہن کے حکمران باغی ہو گئے۔ جام سکندر نے ان پر فوج کشی کی لیکن جلد ہی فوت ہو گیا۔ سنہ 896 ہجری (سنہ 1490ء) میں جام نظام الدین کے گدی پر بیٹھنے کے وقت بکھر اور سیوہن کے سب لوگ اس کی طرف ہو گئے۔ سنہ 926 ہجری (سنہ 1519ء) میں جام فیروز کی حکومت کے دوران مرزا شاہ بیگ ارغون سندھ میں آیا اور سیوہن میں آکر میر علیک اور دوسروں کو نگرانی کیلئے چھوڑ کر خود شال کی طرف گیا۔ جلد ہی جام صلاح الدین نے جام فیروز الدین کو ٹھٹہ سے بھگا دیا جو سیوہن میں آیا اور شاہ بیگ کا بیٹا شاہ حسن اس کو مدد دے کر سیوہن کے قلعے کا پورا انتظام کر کے چلا گیا۔ سنہ 948 ہجری (سنہ 1541ء) میں ہمایوں بادشاہ نے بکھر سے نکل کر سیوہن میں آکر پڑاؤ کیا۔ مرزا شاہ بیگ کے نائب سلطان بیگ اور میر محمد ساربان جو وہاں پر تھے انہوں نے پہلے ہی گرد و نواح کو ویران کر دیا تھا تاکہ وہ وہاں حرسند رہے۔ مرزا شاہ حسن خود بھی وہاں آیا اور آکر بادشاہ سے لڑنے کی تیاری کی۔ ہمایوں نے سیوہن کا محاصرہ کیا جو سات مہینے تک رہا آخر ناامید ہو کر بکھر اور لوہری کی طرف چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میرزا نے سیوہن کے قلعے کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی مرمت کرائی۔ سنہ 962 ہجری (سنہ 1554ء) میں مرزا شاہ حسن ٹھٹہ سے سیوہن کی طرف آتے ہوئے فوت ہو گیا۔ سلطان محمود خان اس کے ساتھ تھا اس کی

لاش ٹھٹہ کی طرف لائے۔ وصیت کے مطابق ملک کا جنوبی حصہ اس کے بیٹے مرزا عیسیٰ کو ملا اور شمالی اور بکھر والا حصہ سلطان محمود خان کو۔ اس پر مرزا شاہ مسعود اور بعض دوسرے امیروں نے فساد کیا اور سیوہن پر آکر قبضہ کیا مرزا عیسیٰ اپنے بیٹے محمد صالح کی شمولیت میں لشکر لے کر ان سے لڑنے آیا سید میر کلان میر معصوم شاہ بکھر والے کے باپ نے ان کی صلح کرادی۔ اور مرزا شاہ مسعود نا امید ہو کر گجرات کی طرف چلا گیا۔ دوسرے سال میرزا عیسیٰ ترخان نے بکھر میں سلطان محمود سے لڑائی کی جس نے اس کو بھگا دیا اور اس کو سیوہن تک لے آیا۔ ادھر مرزا آگ لگانے اور ملک ناس کرنے لگا۔ ادھر دوسری جنگ چھڑنے والی تھی۔ لیکن پھر بھی سید میر کلان نے ان کی صلح کرادی۔ سنہ 970 ہجری (سنہ 1562ء) میں مرزا عیسیٰ کے دونوں بیٹوں کا آپس میں جھگڑا شروع ہو گیا اور ایک مرزا صالح مارا گیا۔ باقی مرزا باقی کو سیوہن بطور جاگیر مرزا نے دیدیا۔ لیکن جلد ہی مرزا عیسیٰ اور سلطان محمود کے درمیان ایک جنگ سیوہن اور دوسری دریلا میں چھڑی آخر دونوں کے درمیاں صلح ہو گئی۔ سنہ 974 ہجری میں جب مرزا عیسیٰ ترخان فوت ہو گیا تب اس کی وصیت کے خلاف اس کی گھر والی ماہ بیگم نے مرزا محمد باقی کو سیوہن بلا کر گدی پر بٹھایا اور دوسرے بیٹے خان بابا کو جس کے حق میں وصیت کی گئی تھی نہیں بلایا گیا۔ سنہ 978 ہجری (سنہ 1570ء) میں اکبر بادشاہ نے مرزا محمد باقی کے ظلموں کا سن کر اپنا نائب مجاہد خان بکھر روانہ کیا اس وجہ سے مرزا باقی نے ملک کے الگ الگ حصوں میں اپنے بیٹے مقرر کر دیئے۔ سیوہن میں اپنے بڑے بیٹے مرزا پا سندہ کو مقرر کیا اور چھوٹا جانی بیگ بھی اس کے ساتھ تھا۔ پھر جلد ہی اس نے خودکشی کر لی اور امیروں نے میرزا جانی کو سیوہن سے بلا کر ٹھٹہ میں گدی پر بٹھایا۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں اکبر بادشاہ نے نواب خان خاناں کو بکھر روانہ کیا اور پھر لشکر لے کر اس نے سیوہن پر حملہ کیا مرزا جانی بیگ ٹھٹہ سے لشکر لے کر آیا۔ مرزا کی طرف سے خسرو خان لشکر کا امیر تھا اور خان کی طرف سے سید بہاؤالدین اور میر معصوم شاہ بکھر والا۔ نکی کے قریب سخت جنگ چھڑی۔ آخر مرزا جانی صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ انڑپور بھاگ گیا جلد ہی ان کے درمیان صلح ہو گئی۔ سنہ 1013 ہجری (سنہ 1605ء) میں جب اکبر بادشاہ کے بعد جہانگیر تخت پر بیٹھا تب عبدالرزاق کو نواب مقرر کر کے سیوہن اور ٹھٹہ روانہ کیا اور مرزا غازی بیگ کو اپنے پاس بلا لیا اور اس کو قندھار کی طرف نائب کر کے روانہ کیا۔ سنہ 1509 ہجری (سنہ 1649ء) میں جب نواب مغل خان دہلی کے بادشاہ کی طرف سے ٹھٹہ کا نواب تھا تب شاہ

جہاں بادشاہ نے اپنے بیٹے شاہزادہ اورنگزیب کو سیوہن، بکھر اور ٹھٹہ کے علاقے یعنی قریباً پورے سندھ جاگیر کر کے دی۔ اس سے پہلے ملتان اس کی جاگیر تھی۔ سنہ 1150ہجری (سنہ 1737ء) میں نواب خدایار خان یعنی میاں نور محمد کلہوڑا سیوہن، بکھر اور ٹھٹہ کی حکومت پر مقرر تھا۔ سنہ 1171ہجری (سنہ 1758ء) میں غلام شاہ کلہوڑا لوہری سے سیوہن آیا اور وہاں سے الہ آباد اور محمد آباد گیا وہاں پر ایک سال تک رہا۔ سنہ 1259ہجری (سنہ 1843ء) میں جب دبی کی جنگ میں میر شیر محمد خان نے سر چارلس نیپئر کے ہاتھوں شکست کھا کر پنجاب کی طرف بھاگا تب میر پور خاص سے ضروری سامان لے کر پہلے سیوہن میں دریا کے کنارے پر چو طرف خندق کھدوا کر بیٹھ گیا اور اس کا بھائی میر شاہ محمد اس کے سامان کی نگرانی کرتا تھا۔ کرنل راہیٹ جو اس وقت سیوہن میں تھا اس نے اس پر حملہ کر دیا میر شاہ محمد کے ساتھ جو تین چار سو کے قریب لوگ تھے وہ بھاگ گئے اور شاہ محمد پکڑا گیا جس کو اس نے حیدر آباد روانہ کیا میر شیر محمد نکل کر پنجاب کو بھاگ گیا تاکہ راجا شیر سنگھ کے پاس پناہ لے۔

سیوی (موجودہ سبی)

سیوی میں ایک مضبوط قلعہ ہوتا تھا اور وہ بھی سندھ کے حدود کے اندر تھا۔ سنہ 925ہجری (سنہ 1519ء) میں مرزا شاہ بیگ ارغون نے قندھار سے آکر سیوی پر حملہ کیا وہاں کا حاکم ان دنوں پیر ولی برلاس تھا اس کو فتح پور میں شکست دے کر سیوی میں حکومت کی اور وہاں کئی عمارتیں اور باغ بنوائے اور پھر لوٹ کر قندھار گیا۔ ان دنوں سندھ میں جام نظام الدین ٹھٹہ کا حاکم تھا۔ دریا خان نے ان کی طرف سے مغلوں سے جنگیں لڑیں لیکن جام نندی کی وفا کے باعث سندھی لوٹ کر ٹھٹہ میں آئے اور مغل دوسری طرف چلے گئے۔ دوسرے برس جب جام فیروز سندھ کا حکمران تھا تب مرزا شاہ بیگ اپنے بھائی کو سیوی میں چھوڑ کر خود لشکر لے کر سندھ کی طرف آیا اور باغبان سے گزر کر ٹھٹہ کے قریب پہنچا۔ اس جگہ جام کی طرف سے دریا خان نے آکر اس کا مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ پھر ٹھٹہ جام فیروز کو دے کر شاہ بیگ لوٹ کر سیوی اور شال میں آیا۔ سنہ 930ہجری (سنہ 1023ء) میں مرزا شاہ حسن بکھر سے سیوی گیا وہاں پر ارغونوں اور ہزارہ والی قوموں میں جھگڑا ہو گیا تھا وہ جھگڑا ختم کرا کر سیوی کے قلعے کی از سر نو مرمت کرائی اپنے نائب مقرر کر کے واپس بکھر آیا۔ سنہ 961ہجری (سنہ 1553ء) کے قریب مرزا شاہ حسن نے بکھر میں

میر شاہ محمود کو مقرر کیا۔ سلطان محمود خان ان دنوں سیوی میں تھا۔ بکھر میں فساد ہونے پر اپنی ماں کا پیغام ملنے پر سلطان محمود خان آیا اور بکھر کا قلعہ قبضہ کیا اور دوسروں کو نکال دیا۔ سنہ 1069 ہجری (سنہ 1684ء) کے قریب میاں نصیر محمد کلہوڑا کے وقت میں سیوی کا حاکم مرزا خان پنی تھا اس نے میاں سے لڑائی شروع کی لیکن جلد ہی ان کے درمیان صلح ہو گئی اور میاں نصیر محمد دہلی کے بادشاہ اورنگزیب عالمگیر سے ملنے گیا۔ پنیہ کے افغان سیوی اور شکار پور کے حکمران ہوتے آئے۔ سنہ 1224 ہجری (سنہ 1712ء) کے بعد جب شہزادہ معزالدین سندھ میں آیا تب کلہوڑا شاہی لشکر سے جنگ کرنے لگے اس کے نتیجے میں میاں دین محمد گرفتار ہو گیا۔ شہزادہ نے سیوی کے حاکم بختاور خان کو قتل کرا دیا اور غازی خان دودائی کو اس کی جگہ پر مقرر کیا پھر کچھ وقت بعد اس کو برطرف کر کے اس کے بھائی ملک اللہ بخش کو مقرر کیا اور بعد میں اسلام خان اور قائم خان ناہبران کو، لیکن ان میں سے کسی نے بھی خاطر خواہ بندوبست نہ کیا تب میاں یار محمد کلہوڑا کو خدا یار خان کا لقب دے کر سیوی کا حاکم مقرر کیا۔ میاں نے سیوی میں پہلے اپنے بھائی میر محمد کو مقرر کیا بعد میں محمد داؤد خان کو۔ رحیم خان پر انک اور دولت خان پنیہ نے فساد کیا لیکن ان دونوں کو سزا دی گئی اس کے بعد بھی کافی دنوں تک داؤد پوتا اور کلہوڑا سرایوں کے درمیان جھگڑا چلتا رہا آخر میں کلہوڑا طاقتور بن گئے۔ سنہ 1142 ہجری (سنہ 1729ء) میاں نور محمد کلہوڑا کے وقت میں مراد گیلری گنجا سیوی کا حکمران بنا جس نے وہاں کے سرداروں قیصر خان گسی گنجابہ یا گنداوہ والے، میر رند شوران والا، بہرام لاشاری سیوی والا اور میر بلری کچی والا او دوسرے لوگوں کو اطاعت گزار بنایا۔ سنہ 1151 ہجری (سنہ 1738ء) جب نادر شاہ سندھ میں آیا تب اس نے شکار پور داؤد پوتوں کو اور سیوی افغانوں کو دیا جس طرح چند برس پہلے ہوتا تھا۔

شاہ بندر

سنہ 963 ہجری (سنہ 1555ء) میں یورپی لوگوں نے ٹھٹھ پر حملہ کر کے نقصان پہنچایا تھا اس کے بعد مرزا عیسیٰ ترخان نے شاہ بندر نامی ایک نیا بندر تعمیر کرایا۔ سنہ 1172 ہجری (سنہ 1759ء) کے بعد میاں غلام شاہ نے کوج کے ویران گاؤں کی جگہ پر ایک نیا شہر تعمیر کیا اور وہاں پر ایک قلعہ بنوایا اور شہر کا نام شاہ بندر اور قلعہ کا نام شاہ گڑھ رکھا۔ اپنے بیٹے سرفراز خان کو مقرر کیا خود اپنے بھائیوں سے لڑائی کیلئے نکلا۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں جب نواب خان

خان اکبر کے حکم کے مطابق سندھ میں آیا جب اس نے مرزا جانی بیگ پر حملہ کیا لیکن قلعہ فتح نہ کر سکا اس وجہ سے وہ ٹھٹہ میں رہا اور شاہ بیگ کو شاہ گڑھ کی طرف روانہ کیا اور سیوہن اور دوسری جگہوں پر دوسروں کو روانہ کیا۔ ابوالقاسم ارغون نے قلعے کو بچانے کی کوشش کی لیکن شاہ بیگ ارغون نے انتھک کوشش سے قلعہ فتح کیا۔ سنہ 1202 ہجری (سنہ 1787ء) میں تیمور شاہ بادشاہ سے عبدالنبی نے مدد لے کر میر فتح علی خان سے جنگ کی اور اس کو شکست دی۔ میر سہراب نے وعدہ کے مطابق میر کی کوئی مدد نہ کی اور شاہ گڑھ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

شاہ پور

سنہ 1173 ہجری (سنہ 1760ء) میں میاں غلام شاہ شاہ پور کے نو تعمیر شدہ شہر میں آیا اور اپنے بیٹے سرفراز خان کو بھی شاہ گڑھ سے طلب کیا وہاں پر ہوا اور مٹی بہت زیادہ تھی جو سنہ 1178 ہجری (سنہ 1765ء) میں کچھ کی طرف جا کر صلح کرنے کے بعد لوٹ کر شاہ پور کے پرانے شہر میں آکر ٹھہرا نئے کو چھوڑ دیا سنہ 1197 ہجری (سنہ 1783ء) میر فتح علی خان خدا آباد کو چھوڑ کر شاہ پور میں آکر رہا اور وہاں سے حیدر آباد کا قلعہ فتح کرنے کیلئے لشکر روانہ کیا۔ میر فتح علی خان اور دوسرے امیر شاہ پور کے قریب دفن کئے گئے ہیں اس جگہ کو اب قبا شہداد کہتے ہیں۔

شکار پور

اگلے وقتوں میں اس جگہ پر گھنے جنگل تھے اور حکمران شکار کرنے آتے تھے۔ اس کام کیلئے شکار گاہ مقرر تھے۔ داؤد خان کلہوڑا کے دادا کو یہ جگہ ملی تھی۔ جس کی اولاد داؤد پوتے تھے وہ اس جگہ کے مالک تھے۔ داؤد کی آٹھویں پشت سے بہادر خان تھا جس کو اورنگزیب بادشاہ سے لکھی اور خانپور بطور جاگیر ملے تھے۔ ان کا اباوڑا کے عہدوں کے سردار شیر خان سے جھگڑا ہو گیا تھا جس نے لکھی چھین کر اپنے قبضے میں کی۔ طرفین میں سخت جنگ لگی اور داؤد پوتہ فتح یاب ہو گئے اور لکھی واپس لے لیا پھر اس فتح کی یادگار کے طور پر جنگل کاٹ کر میدان صاف کر کے ایک شہر تعمیر کرایا گیا جس کا نام شکار پور رکھا گیا۔ یہ سنہ 1026 ہجری (سنہ 1617ء) کا زمانہ تھا۔ جو فارسی لفظ "غوک" سے نکلتا ہے جس کے معنی مینڈک کے ہیں جو شہر کے لکھی دروازہ والے حاجی فقیر کی اللہ والی مسجد کے ایک پتھر پر کندہ ہے۔ میاں دین محمد کلہوڑا کے زمانہ میں شکار پور اور سیوی کے حاکم پنی کے افغان تھے ان لوگوں سے کلہوڑا حکمرانوں کا جھگڑا شروع ہوا۔ سنہ 1124 ہجری (سنہ 1712ء) میں جب شہزادہ

معزالدین آیا جب کلہوڑا اس کے لشکر سے لڑنے لگے اس کے نتیجے میں میاں دین محمد گرفتار ہو گیا لیکن اس کے بعد میاں یار محمد کے دنوں میں پھر کلہوڑا طاقتور بن گئے۔ شکارپور میں اس وقت داؤدپوٹرا طاقتور تھے ان سے کلہوڑوں نے شکارپور چھین لیا اور اس جگہ اپنا شہر تعمیر کرایا جس کو خدا آباد کا نام دیا اور وہاں سے آس پاس کے ملک پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ میاں یار محمد خدایار خان کے خطاب سے سیوی کا حاکم بنا اور پھر بکھر آیا۔ داؤد پوتہ اور پنیہ کا فساد شروع ہوا جو اس نے آکر بند کرایا۔ یہ معاملہ سنہ 1130 ہجری (سنہ 1717ء) میں ہوا۔ یار محمد خان کے بعد میاں نور محمد کے دنوں میں سنہ 1139 ہجری (سنہ 1726ء) میں جب نادر شاہ آیا تب اس نے شکارپور دوبارہ داؤد پوتوں کو دیا اور سیوی افغانوں کو۔ جس طرح پہلے تھا۔ سنہ 1197 ہجری (سنہ 1782ء) کے بعد جب میاں عبدالنبی حکمران بنا تب تیمور شاہ بادشاہ نے سندھ پر حملہ کیا اس وقت لشکر کا سردار عزت یار خان تھا اس کو میر بجار خان نے شکارپور کے قریب شکست دی اگرچہ داؤد پوتے، بروہی اور افغان سب افغان لشکر کے ساتھ تھے۔ اس پر تیمور شاہ خود آیا اور میر بجار خان کو بڑی عزت دی اور میاں عبدالنبی کو سندھ کا مستقل حکمران بنایا۔ سنہ 1207 ہجری (سنہ 1792ء) میں بعض لوگوں کے کہنے پر تیمور خان نے سندھ پر حملہ کیا اور میر فتح علی خان نے مقابلہ کیا لیکن بعد میں صلح کی اور شاہ نے میر کو مستقل حاکم مقرر کیا۔ سنہ 1218 ہجری (سنہ 1803ء) میں شاہ شجاع الملک نے سندھ پر حملہ کیا اور میر غلام علی خان لشکر لے کر شکارپور آیا لیکن پھر لگان مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ سنہ 1230 ہجری (سنہ 1814ء) میں شاہ شجاع الملک عظیم خان سے بھاگ کر حیدرآباد میں آیا۔ میر کرم علی خان نے لشکر دے کر اس کو شکارپور میں ٹھہرایا۔ عظیم خان ایوب شاہ کو لشکر دے کر اس کو بھگانے کیلئے شکارپور میں آیا۔ دونوں لشکر لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔ لیکن میروں نے بارہ لاکھ روپے دینا قبول کیا اور شاہ شجاع وہاں سے بھاگ کر لدھیانہ چلا گیا۔ سنہ 1233 ہجری (سنہ 1817ء) میں راجا رنجیت سنگھ نے نہال سنگھ کو لشکر دے کر سندھ کی طرف روانہ کیا۔ میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان نے اس سے مقابلہ کرنے کیلئے شکارپور میں لشکر جمع کیا لیکن انگریزوں کی دست اندازی کے سبب صلح ہو گئی۔ سنہ 1243 ہجری (سنہ 1828ء) میں میر مراد علی خان کے دنوں میں شاہ شجاع الملک پھر بھاگ کر سندھ میں آیا اور شکارپور کا شہر اور اس کی آمدنی اس کو رہنے اور خرچ کرنے کیلئے دی گئی لیکن میر کے مرنے پر شاہ شجاع الملک وہاں کا مالک بن کر بیٹھ گیا اور آغا اسماعیل شاہ، جو شکارپور کا ناظم تھا اس

کے اطلاع دینے پر میر نور محمد خان نے لشکر روانہ کیا اس کے ساتھ خیرپور کا لشکر بھی شامل تھا۔ دونوں کے بیچ میں جنگ شروع ہوئی بہت سے لوگ مارے گئے آخر میں صلح ہو گئی اور شاہ شجاع بارہ لاکھ روپے لے کر واپس چلا گیا۔ سنہ 1258 ہجری (سنہ 1842ء) میں سر چارلس نیپئر نے میروں سے عہد نامہ کیا کہ میر انگریزوں کو شکارپور، کراچی، سبزلکوٹ اور عمرکوٹ حوالے کریں اور بھی چند شرائط تھیں میروں نے پہلے پہل اس عہد نامہ پر دستخط نہیں کیے لیکن آخر میں راضی ہو گئے۔

شہداد پور

یہ شہر میر شہداد خان نے میاں یار محمد خان کلہوڑا کے دنوں میں تعمیر کرایا تھا اور جب کلہوڑا کے دور کا پایہ تخت خدا آباد تھا تب وہ اپنے سب بلوچوں کے ساتھ ادھر رہتا تھا ان میں سے بہت سارے شاہ پور میں دفن کیے گئے ہیں اس جگہ کو قبا شہداد کہتے ہیں۔ سنہ 1189 ہجری (سنہ 1775ء) میں میاں سرفراز کے بھاگ جانے کے بعد تالپوروں نے اس کے بھائی محمود خان کو خدا آباد کی گدی پر بٹھایا لیکن راجی لیکھا اور بعض دوسرے لوگوں نے سازش کر کے کھاہی میں جا کر میاں عبدالنبی کو گدی پر بٹھانے کا بندوبست کیا سنہ 1190 ہجری (سنہ 1776ء) میں میر بجار خان نے چھ ہزار بلوچوں کے ساتھ شہداد پور تعلقہ میں لانیاری کے گاؤں کے قریب کلہوڑوں کو شکست دی تھی کے سردار تاجا لیکھی اور چند دوسرے تھے۔ میاں غلام نبی مارا گیا اور وہ خود بھاگ گیا سنہ 1194 ہجری (سنہ 1781ء) میں جب میر بجار، میر عبداللہ اور میر فتح علی خان مارے گئے تب میروں نے شہداد پور چھوڑ دیا۔ جہاں بلوچوں کا ڈیرا تھا اور جب میر فتح علی خان نے سندھ کو فتح کیا تب پہلے خدا آباد میں بعد میں حیدرآباد میں جا کر رہے۔

عمرکوٹ

عمرکوٹ یا امرکوٹ عمر سومرہ ولد دودا سومرہ نے بنوایا تھا جو سنہ 793 ہجری (سنہ 1390ء) میں گدی پر بیٹھا اور اس نے پینتیس برس تک حکومت کی وہ ظالم شمار کیا گیا تھا۔ عمر اور ماروی کا قصہ سندھ میں مشہور ہے۔ سنہ 949 ہجری (سنہ 1542ء) میں مرزا شاہ حسن کے زمانہ میں ہمایوں بادشاہ شیر شاہ افغان سے بھاگ کر سندھ میں آیا اور آ کر سندھ میں رہا اور وہاں پر اس سال رجب مہینے کی پانچ تاریخ کو اکبر بادشاہ پیدا ہوا اور رانی کا نام حمیدہ بیگم تھا۔ عمرکوٹ اس وقت چھوٹا سا گاؤں تھا اسلئے ہمایوں وہاں سے نکل کر جونپور میں دریا کے کنارے پر آ کر رہا۔ سنہ 967 ہجری

(سنہ 1559ء) میں مرزا عیسیٰ ترخان کے دونوں بیٹوں محمد باقی اور محمد صالح میں جنگ چھڑی۔ مرزا عیسیٰ محمد صالح کے فائدہ میں تھا اس لئے محمد باقی شکست کھا کر ٹھٹھہ سے عمرکوٹ میں آیا اور وہاں جیسلمیر سے گذر کر سلطان محمود کے پاس آیا۔ مرزا شاہ بیگ کے وقت میں سنہ 1508 ہجری (سنہ 1599ء) میں ابوالقاسم سلطان ولد شاہ قاسم نے ارغونوں اور سوڈھوں سے لڑ کر عمرکوٹ پر قبضہ کیا یہ مرزا جانی کا سالا تھا۔ سنہ 1152 ہجری (سنہ 1739ء) میں جب نادر شاہ نے سندھ پر حملہ کیا تب میاں نور محمد اور اس کا بیٹا میاں مرادیاب خان کلہوڑا ٹھٹھہ چھوڑ کر عمرکوٹ کے قلعہ میں جا کر چھپے لیکن نادر شاہ ان کے پاس پہنچ گئے۔ سنہ 1168 ہجری (سنہ 1755ء) میں میاں محمد مرادیاب سندھ کی گدی پر بیٹھا۔ جب دیوان گدومل ان کیلئے بادشاہ سے سند اور نواب سربلند خان کا لقب لے کر آیا تب وہ عمرکوٹ سے ٹھٹھہ آیا اور راستہ میں نصرپور کے قریب تاج پوشی کی رسم ہوا کی گئی۔ سنہ 1190 ہجری (سنہ 1779ء) میں میر بجار خان حج کرنے کے بعد واپس آیا تو سید عاقل کوٹ میں جا کر رہا اور کلہوڑوں کو وہاں سے بھگایا۔ میاں غلام نبی کو تاجا بھی ایک لشکر کے ساتھ دیا اور اس نے عمرکوٹ کا محاصرہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس وقت اللہ بخش جمعیتن نے لکھوں سے دھوکہ کرکے میر سے معافی مانگی اس کے بعد میر کوٹ سے باہر نکل آیا تو تاجا بھی نے دو ہزار توپچیوں سے کوٹ پر قبضہ کیا اس پر میر بجار نے چھ ہزار لشکر لے کر تیس ہزار کلہوڑوں پر حملہ کیا۔ کلہوڑے نکل کر لانیاری کے پاس آئے اس جگہ پر لڑائی چھڑی اور ان کو شکست ملی اور میاں غلام نبی مارا گیا۔ سنہ 1194 ہجری (سنہ 1781ء) میں میاں عبدالنبی کے کہنے پر بجے سنگھ جودھپور کے راجا نے دو آدمی بھیج کر دغا سے میر بجار خان کو قتل کرا دیا اس کے بدلے میں میاں نے راجا کو عمرکوٹ دے دیا جس وقت عبدالنبی کی مدد کیلئے تیمور شاہ نے سردار مدد خان کو لشکر دے کر روانہ کیا تب میر عمرکوٹ میں تھے۔ میر عبداللہ خان بلوچوں کا لشکر لے کر اس سے مقابلہ کرنے آیا بڑی نوشت و خواند کی کے بعد مدد خان عمرکوٹ میں آیا اور میر فتح علی خان کو دھوکے سے پکڑ کر لے گیا۔ لیکن وہ نکل کر بھاگا اور جا کر میر عبداللہ اور میر فتح علی خان سے ملا یہ لوگ اس وقت دین گڑھ میں تھے۔ میروں کی تیاری کا سن کر مدد خان عبدالنبی سے بیزار ہو کر اس کو چھوڑ کر چلا گیا پھر عبدالنبی نے مجبوراً میر کی اطاعت قبول کی۔ سنہ 1201 ہجری (سنہ 1786ء) میں جودھپور کے راجا نے دو ہزار آدمی لا کر عمرکوٹ میں بٹھائے اس لئے کہ یہ کوٹ اس کو میاں عبدالنبی نے دیا تھا اتفاق سے راہ چلتے ان کا جھگڑا میر

سہراب خان کے بھائی میر غلام محمد کے آدمیوں سے ہو گیا اس وقت وہ تھر میں شکار کرنے آیا تھا میر کے بہت سے آدمی مارے گئے اس پر میر سہراب نے میر فتح علی خان کی مدد سے عمر کوٹ پر حملہ کیا اور راجپوتوں کو مار کر بدلہ لیا اور ان سے ملک چھین کر چلا گیا۔ سنہ 1229 ہجری (سنہ 1813ء) میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان نے عمر کوٹ جودھپور کے راجا سے چھین لیا اور اس کے بعد ان کے قبضہ میں رہا۔ سنہ 1258 ہجری (سنہ 1842ء) میں سر چارلس نیپئر نے میروں سے عہد نامہ کیا جس کے مطابق عمر کوٹ، سبزل کوٹ، شکار پور اور کراچی انگریز سرکار کو ملے۔

فتح باغ

سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں جب اکبر بادشاہ کے حکم سے نواب خان خانان کو سندھ کی طرف روانہ کیا گیا تھا اور وہ مرزا جانی بیگ سے لڑنے آیا تب اس نے الگ الگ ملکی حصوں کی طرف لشکر روانہ کیے ایک لشکر فتح باغ اور جون کی طرف روانہ کیا پھر سنہ 1000 ہجری (سنہ 1591ء) میں ان کے درمیان صلح ہو گئی دونوں فتح باغ میں ایک دوسرے سے ملے اور دونوں مل کر اکبر بادشاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری مرتبہ مرزا غازی بیگ کے دنوں میں مرزا فتح باغ میں آیا چند امیروں کو ٹھٹہ میں چھوڑ کر اور کچھ کو ساتھ لے اکبر بادشاہ کو سلام کرنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ اکبر بادشاہ سے ملاقات کی اور اس کے مرنے کے بعد جہانگیر سے بھی ملاقات کی پھر سنہ 1031 ہجری (سنہ 1604ء) میں لوٹ کر آیا۔

فتح پور

سنہ 925 ہجری (سنہ 1520ء) میں جب مرزا شاہ بیگ ارغون قندھار سے شال میں آیا اور آس پاس کے لوگ اکٹھا کر کے سیوی پر حملہ کیا تب سیوی قلعے کے سب لوگ بھاگ کر فتح پور چلے گئے، یہ یہاں سے پچاس کوس کے فاصلے پر تھا۔ شاہ بیگ نے فتح پور پر حملہ کیا۔ وہاں پر سیوی کا حاکم پیر ولی برلاس آکر پہنچا اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی جس میں شاہ بیگ فتح یاب ہوا۔ پھر دوسرے سال شاہ بیگ فتح پور اور گنجابہ (گنداوا) میں لشکر اکٹھا کر کے دریا خان سے لڑنے کیلئے آیا جو جام فیروز کے لشکر کا امیر تھا۔ سنہ 930 ہجری (سنہ 1523ء) میں اکبر بادشاہ نے مجاہد خان کو سلطان محمود خان سے جنگ کرنے کیلئے روانہ کیا اور اس کو فتح پور بطور جاگیر دی۔

سنہ 1113ہجری (سنہ 1706ء) کے قریب میاں یار محمد کے دور میں فتح پور کا سردار میر بجار تھا۔ کلہوڑا حکمرانوں نے فتح پور کو جیت لیا تھا۔ اس کے بعد وہ بادشاہ کی طرف سے [illegible] جب میاں دین محمد شاہی لشکر سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ فتح پور سرداروں کو جب میاں یار محمد نے فتح پور سرداروں سے دوبارہ چھین لیا۔

کاچھا

پہاڑ کے کنارے یا اس کو کاچھا کہتے ہیں۔ لیکن پہلے کاچھا والے حصے میں شہر تھے ان میں ایک کاچھا بھی تھا۔ سنہ 1069ہجری (سنہ 1684ء) کے قریب میاں نصیر محمد کلہوڑا نے جب [illegible] کے ملک میں [illegible] کے پہاڑیوں اور پانی کی نہر کے بیچ میں [illegible] اس جگہ پر مرنے کے بعد اس کو دفن کیا گیا۔ اب کاچھا اپنے ایک مرید [illegible] تعمیر کروایا اور فوجی تعمیر کروائی۔ اس طرح اس نے یہ ملک بسایا۔ سنہ 1167ہجری (سنہ 1754ء) کے بعد میاں محمد مراد یاب نے کاچھا میں ایک مضبوط قلعہ بنایا اور اوچی، تھوڑی اور میرپور میں بھی قلعے تعمیر کرائے۔ سنہ 1144ہجری (سنہ 1731ء) میں میاں نور محمد کے دور حکومت میں بروہیوں کا ایک بڑا ہجوم صلح کی شرطوں کے خلاف کاچھا کی زمین پر حملہ آور ہوا اور لوٹ مار کرنے لگا۔ [illegible] دینے کیلئے میاں خود لاڑکانہ گیا اور وہاں پر بروہیوں کے سردار میر عبداللہ سے [illegible] لشکر روانہ کیا۔ جنڈ [illegible] کے قریب ان میں لڑائی ہوئی اور بروہیوں کو شکست ہوئی اور ان کا سردار مارا گیا۔ سنہ 1201ہجری (سنہ 1786ء) کے قریب میاں عبدالنبی قلات کے خان سے بروہیوں کی مدد لے کر آیا۔ میر فتح علی خان خود شکارپور [illegible] کی طرف گیا تھا۔ بروہیوں نے کاچھے [illegible] کے ملک میں لوٹ مار کی تھی۔ میر نے یہ خبر سن کر ان پر حملہ کیا اور چھینا ہوا مال ان سے واپس لے لیا۔

کراچی

کراچی جس کو پہلے کلاچی کہتے تھے اور جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے وہ پہلے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس جگہ پر ماہی گیر اور چند ہندو رہتے تھے۔ میاں نور محمد کی حکومت کے دور میں سنہ 1155ہجری (سنہ 1742ء) میں نادر شاہ بادشاہ نے سورت بندر میں کچھ جہاز بنوائے تھے۔ ان کو لینے کیلئے جعفر علی خان بیات بیگلر بیگی کراچی آیا اور وہاں سے پھر ٹھٹھہ آیا اور میاں نور محمد (نواب شاہ قلی خان) اس کے استقبال کیلئے گیا اور اس کو ٹھٹھہ میں ٹھہرایا۔ دو ماہ کے بعد وہ چلا گیا۔ ان دنوں کراچی خان قلات کے

قریب دوائی میں تھا۔ سنہ 1190 ہجری (سنہ 1777ء) میں میر بہار خان حج کرنے کے بعد لوٹ کر کراچی آیا پھر وہاں سے شہداد پور آیا جس جگہ پر میر رہتے تھے۔ سنہ 1207 ہجری (سنہ 1792ء) میں خان قلات کا داماد زرک خان میاں عبدالنبی کی مدد کرتے ہوئے میروں سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا اس کے عوض میں میاں عبدالنبی نے کراچی اور کورن والا حصہ خان قلات کو دے دیا تھا وہ اب میر غلام علی خان نے واپس لے لیا اور کراچی میروں کے قبضہ میں آگئی۔ سنہ 1252 ہجری (سنہ 1836ء) جب انگریز سرکار شاہ شجاع الملک کی مدد کیلئے جو لشکر روانہ کر رہی تھی وہ کراچی میں آکر ٹھہرا۔ میروں نے اس کو دریا کے راستے سندھ سے گزرنے نہیں دیا لیکن انگریز توپ زنی کر کے منوڑے کا قلعہ توڑ کر زبردستی کراچی میں آکر اترے پھر دریا کے راستے سے آگے بڑھ گئے۔ میروں کی طرف سے آغا اسماعیل شاہ وکیل بن کر کراچی گیا اور سر جان کین سے مصالحت کی اس طرح انگریزوں اور میروں کے درمیان ایک عہد نامہ ہوا۔ سنہ 1258 ہجری (سنہ 1842ء) میں سر چارلس نیپئر پونا سے سندھ کا ریذیڈنٹ مقرر ہو کر کراچی میں آیا وہاں سے دخانی جہاز پہ سوار ہو کر حیدرآباد میں آیا اور میر نصیر خان سے ملاقات کی اور دوسرے میروں سے بھی ملا اور دوسرا عہد نامہ کیا جس کے مطابق کراچی، شکارپور، عمر کوٹ اور سبزل کوٹ انگریز سرکار کو ملے۔

ننگر الہ

ننگر الہ کا علاقہ شاہ بندر کے مغرب میں سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ سنہ 995 ہجری (سنہ 1567ء) کے قریب مرزا محمد باقی ترخان کے وقت میں جام ڈیسر ننگر الہ کا حاکم تھا۔ مرزا جان بابا نے محمد باقی سے ٹھٹھ اور مکلی کے درمیان جنگ کی اور شکست کھا کر ننگر الہ کے جام کی طرف مدد کیلئے آیا لیکن اس نے مدد نہ کی تب سمیجوں کی طرف چلا گیا پھر جلد ہی جان بابا اور مرزا باقی کے درمیان کلی کے قریب جنگ چھڑی جان بابا نے دوبارہ بھی شکست کھائی اور ننگر الہ بھاگ گیا۔ یادگار مسکین بھی اس کے ساتھ تھا۔ لیکن دونوں مارے گئے۔ سنہ 1009 ہجری (سنہ 1600ء) کے قریب جام ڈیسر کا بیٹا جام ہالہ ننگر الہ کا حاکم تھا۔ اس نے سرحد پر بعض جاگیرداروں کی زمینوں پر قبضہ کیا اور لوٹ مار کی تھی اور چند لوگ مارے گئے تھے اس لئے مرزا غازی بیگ نے لشکر لے کر ننگر الہ پر حملہ کیا۔ جام ہالہ کے رشتے داروں سے ایک جام داؤد نے اس کی رہنمائی کی۔ جام ہالہ شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مرزا غازی نے جام داؤد کی بیٹی سے شادی کی اور ننگر الہ کا ملک تین حصوں میں تقسیم

کیا۔ ایک جام داؤد کو دیا دو حصے اپنے ملک میں شامل کر دیئے۔ سنہ 1151 ہجری (سنہ 1738ء) میں جب نادر شاہ سندھ میں آنے والا تھا اور میاں نور محمد کلہوڑا کا دور حکومت تھا تب میاں کے لاڑکانہ جانے کے سبب نگر اڑ کے جام اور دھاراجہ حاکم آپس میں شامل ہو کر جہازوں پر لشکر سوار کر کے پہلے کھات تک اور بعد میں نصر پور تک آئے لیکن کلہوڑوں نے توپیں چلا کر ان کو بھگا دیا۔ جب نواب امیر خان دہلی کے بادشاہ شاہ جہاں کی طرف سے ٹھٹہ کا نواب تھا۔ تب بادشاہ نے نواب کو حکم دیا کہ سابق نواب شریف خان اور اس کے دوست نگر اڑ کے جام اور دوسروں کو قتل کرادے کیوں کہ ان لوگوں نے شاہ جہاں کو ٹھٹہ میں آنے کے وقت تکلیف دی تھی یہ وہ وقت تھا جب وہ ابھی شہزادہ تھا۔ نواب نے اس حکم کی تعمیل کی۔

لاڑکانہ یا لاڑکانہ

اس کو پہلے چانڈکو بھی کہتے تھے جس کے متعلق ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ اصل چانڈیو قوم کا تھا۔ نواب خان خانان نے اکبر بادشاہ کے دنوں میں آدم شاہ کلہوڑا کو جاگیر کے طور پر دیا تھا۔ سنہ 1113 ہجری (سنہ 1700ء) میں میاں یار محمد کلہوڑا کے وقت میں کلہوڑوں نے شکار پور مہروں سے لے کر اس کو خدا آباد کا نام دے کر اپنے رہنے کی جگہ بنائی اور بختاور خان کے بھائی ملک الہ بخش سے لاڑکانہ لے لیا۔ سنہ 1144 ہجری (سنہ 1731ء) قلات کے بروہیوں نے کاچھے میں آکر لوٹ مار کی ان کو سزا دینے کیلئے میاں نور محمد کلہوڑا لشکر لے کر لاڑکانہ آیا۔ بروہیوں کے سردار عبداللہ سے لڑ کر اس کو شکست دی اور وہ مارا گیا۔ سنہ 1153 ہجری (سنہ 1740ء) میں نادر شاہ بادشاہ سندھ میں آیا اور میاں نور محمد کلہوڑا سے جنگ کی اور اس کو قید کر کے لاڑکانہ لے آیا اور وہاں سے اپنے سردار ملک کے جدا جدا حصوں کو روانہ کئے اور خود قندھار روانہ ہو گیا۔ سنہ 1172 ہجری (سنہ 1759ء) میں کھوسہ قوم نے خدا آباد پر حملہ کیا اور بڑا نقصان کیا اس لئے میاں غلام شاہ کلہوڑا لاڑکانہ میں آیا اور کھوسوں کو سزا دی اور ان کے سرغنوں کو مار کر آئندہ کیلئے پکا بندوبست کر کے سیوہن چلا گیا۔ میاں صادق علی خان کلہوڑا کے وقت میں میاں عبدالنبی بروہیوں سے مدد لے کر لاڑکانہ آیا اس لئے میر فتح علی خان نے لشکر لے کر چانک کے پل پر بروہیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی اور ان کا سردار زرک جو خان قلات کا داماد تھا مارا گیا۔ سنہ 1218 ہجری (سنہ 1803ء) میں جب شاہ شجاع الملک نے سندھ پر حملہ کیا تب میر غلام علی خان تالپور لشکر لے کر پہلے لاڑکانہ آیا، ادھر خیر پور والے میر سہراب کا لشکر ان سے ملا اور پھر شکار پور گئے۔ ادھر شاہ شجاع سے صلح ہوئی۔

لاہور

لاہور بھی ملتان کی طرح پہلے سندھ میں شامل تھا۔ عربوں کی فتوحات کے بعد یہ ان کے نائبوں کی حکمرانی میں رہتا آیا اور پھر سلطان محمود غزنوی کی اولاد کے قبضہ میں رہا اور ان سے آخری حکمران خسرو ملک تھا۔ اس کی حکومت کے ساتویں برس میں یعنی سنہ 583 ہجری (سنہ 1187ء) میں غور کے بادشاہ غیاث الدین نے اس کو لاہور میں آکر قید کیا اور غزنی کے خاندان والوں کو قتل کروا کر خود تخت پر بیٹھا۔ سنہ 607 ہجری (سنہ 1210ء) غلام گھرانے کا بادشاہ قطب الدین ایبک گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا اس کی جگہ پر آرام شاہ بیٹھا اس کے دنوں میں ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ لاہور کا حصہ تاج الدین یلدوز کو ملا۔ سنہ 693 ہجری (سنہ 1293ء) جلال الدین خلجی لاہور میں آیا اور اپنے بیٹے ارکلی خان کو حاکم مقرر کیا۔ سنہ 791 ہجری (سنہ 1389ء) میں جب ابو بکر شاہ تغلق دہلی کا بادشاہ بنا تب مرحوم بادشاہ غیاث الدین کے بیٹے محمد شاہ نے فساد کیا اور لاہور اور ملتان کے لوگوں کو بھڑکا کر بادشاہ کے طرف داروں کو مروا کر ملک چھنوایا۔ اس لئے رعایا اس سے ناراض ہو کر ابو بکر شاہ کی حامی ہو گئی۔ سنہ 796 ہجری (سنہ 1393ء) میں محمود شاہ خلجی نے سندھ پر حملہ کرنے کے ارادے سے سارنگ خان کو لشکر دے کر روانہ کیا۔ جس نے لاہور میں آکر شیخا کھوکھر سے لڑ کر اس کو بھگا دیا اور لاہور کا قلعہ چھین لیا ادھر اپنے بھائی عادل خان کو چھوڑ کر وہ دیپالپور پر حملہ کرنے گیا۔ دو برس بعد شکست کھا کر لوٹ کر ملتان آیا۔ سنہ 947 ہجری (سنہ 1540ء) ہمایوں بادشاہ شیر شاہ افغان سے بھاگ کر لاہور میں آیا اس جگہ پر اس کے بھائی اور دوسرے سردار آکر جمع ہو گئے۔ لیکن جلد ہی وہاں پر شیر شاہ نے حملہ کر دیا اور ہمایوں بھاگ کر کابل کی طرف چلا گیا۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) میں اکبر بادشاہ نے لاہور کو اپنا تخت گاہ بنایا۔ وہاں سے مرزا جانی بیگ کو تابع کرنے کیلئے خان خانان کو روانہ کیا۔ سنہ 1015 ہجری (سنہ 1606ء) میں مرزا غازی بیگ اکبر بادشاہ کے پاس لاہور میں آیا اس جگہ بادشاہ کابل سے آیا تھا۔ اس کو زیادہ انعام اور القاب دے کر قندھار کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔ سنہ 1118 ہجری (سنہ 1706ء) میں نواب احمد یار خان ٹھٹھ کا نواب تھا۔ یہ لاہور اور ملتان کے حاکم الہ یار خان کا بیٹا تھا اور چالیس برس تک غزنی کا فوجدار رہا تھا۔ سنہ 1124 ہجری (سنہ 1712ء) میں شہزادہ محمد معز الدین لاہور میں آیا وہاں سے پھر سندھ میں آیا ان دنوں میاں دین محمد کلہوڑا حکمران تھا۔

کھلوی یا کگی

جب دلو رائی الور کا راجا تھا تب اس کا بھائی چھٹو عمرانی بغداد میں جا کر سامراہ سے سید علی موسوی کو ایک سو عربوں کے ساتھ سندھ میں لے آیا اور وہ سید کھلوی میں آ کر رہا۔ جس کو اب کگی کہتے ہیں۔ وہاں کے سید اس کی اولاد ہیں۔ سنہ 926ہجری (سنہ 1519ء) میں مرزا شاہ بیگ ارغون باغبان اور ملتی میں آیا اور کگی سے گزر کر ٹھٹھ کی طرف رخ کیا اس کے بعد جلد ہی جام فیروز سے صلح کی اور سندھ تقسیم کر کے دو حصے کئے۔ کگی سے نیچے ٹھٹھ تک ملک جام فیروز کے پاس رہا اور اوپر والا حصہ شاہ بیگ کو ملا۔ سنہ 962ہجری (سنہ 1554ء) میں پہلے کی طرح کگی سے نیچے والا ملک مرزا عیسیٰ ترخان کے ہاتھ میں رہا اور اوپر والا حصہ سلطان محمود خان کی حکومت میں سنہ 976ہجری (سنہ 1568ء) میں مرزا باقی ترخان نے اپنی بیٹی اکبر بادشاہ کی طرف روانہ کی تو کگی کے مقام پر مرزا خان بابان کو لوٹ کر چلا گیا جس پر میرزا باقی لشکر لے کر آیا اور ان کو شکست دی اور جلد ہی جان بابا مارا گیا۔ سنہ 998ہجری (سنہ 1589ء) میں اکبر بادشاہ کے حکم سے نواب خان خانان سندھ کی طرف لشکر لے کر آیا اور مرزا جانی بیگ سے کگی کے قریب لڑائی کی جس میں جانی بیگ شکست کھا کر بھاگ گیا۔

لکھپت

لکھپت اور بستا بندر کچھ کے راؤ کے قبضے میں تھے اور رن کے کنارے پر تھے۔ سنہ 1177ہجری (سنہ 1764ء) میں میاں غلام شاہ کلہوڑا نے کچھ پر حملہ کر کے پہلے سندھڑی پر قبضہ کیا اور بعد میں لکھپت اور بستا بندر اور بنج پر بھی حملہ کیا لیکن کچھ کے راؤ نے اس سے صلح کی۔ سنہ 1184ہجری (سنہ 1770ء) میں میاں غلام شاہ نے کچھ کے راؤ کے چچازاد بھائی ویسو جی کی بیٹی سے شادی کی اس رشتہ کی وجہ سے اس نے لکھپت اور بستا بندر اسی کو واپس کر دیئے۔

لوہری

سنہ 927ہجری (سنہ 1520ء) میں جام فیروز کی مدد میں مرزا شاہ بیگ اور اس کا بیٹا شاہ حسن مغلوں کا لشکر لے کر سندھ میں آئے۔ شاہ بیگ بکھر میں سلطان محمود خان کو چھوڑ کر گجرات فتح کرنے کیلئے جا رہا تھا تو دھاریجا لوگوں نے لوہری سے آ کر بکھر پر حملہ کیا لیکن جلد ہی سلطان محمود

کے باپ میر فاضل کو کلتاش نے آکر ان کو شکست دی اور جلد ہی شاہ بیگ بھی آکر پہنچا۔ پھر اپنے مغلوں کو لاکر بکھر میں بسایا اور بکھر کے سیدوں کو لاکر لوہری میں بسایا۔ سنہ 947 ہجری (سنہ 1540ء) میں ہمایوں بادشاہ لاہور سے آکر لوہری پہنچا اور خود کیلا جاکر بکھر والو کے ہاتھوں میں رہا اور پھر بکھر گیا۔ سنہ 950 ہجری (سنہ 1543ء) میں سلطان محمود کے زمانہ میں بخشو لانگاہ نے ملتان سے لشکر لاکر بکھر پر حملہ کیا لیکن شکست کھا کر لوہری کی طرف چلا گیا۔ وہاں تین دن رہ کر ملتان چلا گیا۔ سنہ 980 ہجری (سنہ 1573ء) میں مبارک خان، الور کا حاکم اور اس کا بیٹا بیگ اوغلی نے سلطان محمود خان کو مارنے کا منصوبہ بنا کر لوہری میں جمع ہو گئے اور وہاں سے لوہری اور بکھر کے شہروں میں پھیل گئے اور بکھر کے قلعہ کا محاصرہ کیا آخر میں انہوں نے شکست کھائی اور پکڑ کر مار دیئے گئے۔ سنہ 982 ہجری (سنہ 1575ء) میں اکبر بادشاہ نے سلطان محمود خان کے مرنے پر کیسو خان کو بکھر کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن جلد ہی دوسرا حاکم آیا اس کے مطابق کیسو خان کو فقط سکھر ملا اور بکھر اور لوہری محب علی خان اور مجاہد خان کو ملے۔ سنہ 1000 ہجری (سنہ 1593ء) میں مرزا جانی بیگ اور خان خانان ٹھٹھ سے لوہری آئے اور کچھ دن وہاں گزار کر اکبر بادشاہ کے حکم سے میرزا غازی بیگ ٹھٹھ پر مقرر ہوا لیکن اس کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی اکبر بادشاہ فوت ہو گیا۔ اور جہانگیر تخت پر بیٹھا، اس نے میر عبدالرزاق کو ٹھٹھ، سیوہن اور لوہری کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا اور مرزا غازی لوٹ کر بادشاہ کے پاس گیا جس نے اس کو قندھار کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔

سنہ 1171 ہجری (سنہ 1758ء) میں میاں غلام شاہ بہاولپور سے لشکر لے کر عطر خان سے جنگ کرنے کیلئے آیا اور عطر خان نے شکست کھائی اور ٹھکانہ چھوڑ کر بھاگا۔ دوسرے دن رمضان کی عید تھی عید کے بعد غلام شاہ سیوہن کی طرف گیا۔ سنہ 1196 ہجری (سنہ 1781ء) میں میاں عبدالنبی کے دور حکومت میں تیمور شاہ بادشاہ نے بڑا لشکر عزت یار خان کی نگرانی میں روانہ کیا جس نے آکر شکارپور پر قبضہ کیا۔ دوسری طرف میاں عبدالنبی اور میر بجار خان اٹھارہ ہزار آدمی لے کر جلدی جلدی لوہری میں آئے اور کشتیوں کا پل بنوا کر دو تین دن کے اندر پار پہنچ کر بکھر میں آئے اور وہاں سے شکارپور پہنچ کر عزت یار خان کو شکست دی۔ اس کے بعد بادشاہ خود فوج لے کر آیا۔ میر بجار خان نے اس کے آنے کیلئے دوبارہ کشتیوں کی پل تیار کروایا اور خود بھی اس کے آگے آیا اور بادشاہ اس سے بہت

خوش ہوا اور عبدالنبی کو سندھ پر مستقل طور پر قائم کیا۔ بادشاہ وہاں سے لوٹ گیا اور میاں اور میر قندھار چلے گئے۔ اس سال میں میر بہار خان کے مرنے کے بعد جب عبدالنبی بھاگ کر سردار مدو خان سے مدد لے کر آیا تب وہ سردار لوہری میں آکر ٹھہرا اور میر فتح خان اس کے استقبال کیلئے آیا پھر وہاں سے وہ آگے گیا اور میر فتح خان کو اس نے قید کیا لیکن وہ موقع پا کر بھاگ گیا اور جا کر میر عبداللہ خان سے ملا۔ مدو خان لوہری سے روانہ ہو کر اوباڑا میں آیا اور وہاں سے اس نے دین گڑھ پر حملہ کیا۔ میر ادھر ہی تھے۔ سنہ 1197 ہجری (سنہ 1783ء) میں میاں عبدالنبی تیمور شاہ سے مدد لے کر حملہ کرنے کیلئے آیا۔ میر فتح علی خان چالیس ہزار بلوچ لا کر پہلے ہی لوہری میں پہنچ گیا اس دوران میر کے وکیلوں نے بادشاہ کو ساری حقیقت بتادی اور بادشاہ نے لشکر کو واپس لانے کے احکامات جاری کئے۔ سنہ 1202 ہجری (سنہ 1787ء) میں تیمور شاہ بادشاہ نے دوبارہ میاں عبدالنبی کی شکایت پر دوسرا شاہی لشکر اس کی مدد کیلئے روانہ کیا اور احمد خان نورزائی لوہری آکر پہنچا اور اس کے ساتھ چالیس ہزار افغان تھے اس طرف سے میر فتح علی خان صرف دو ہزار بلوچ لے کر اس سے لڑنے کیلئے سامنے آیا بڑی جنگ چھڑی احمد خان شکست کھا کر بھاگ گیا۔ تیمور شاہ خود اس وقت بہاولپور میں تھا۔ میر کے وکیل اس کے پاس گئے اور اس نے میر فتح علی خان کو سندھ کی حکومت پر برقرار رکھا اور خود واپس چلا گیا۔

ماتھیلو

سنہ 758 ہجری (سنہ 1356ء) میں جام رنکا ساٹے ٹھٹھ کی گدی پر بیٹھ کر اپنے اچھے برتاؤ اور انصاف سے لوگوں کو خوش رکھا ملکی سرحدوں میں اباوڑو تک توسیع کی۔ سنہ 908 ہجری (سنہ 1502ء) میں مرزا شاہ حسن کے دور حکومت میں میر فاضل کوکتاش کے بیٹے بابا احمد کو مرزا نے ماچھیوں، ڈہروں اور مہروں کی سرزنش کیلئے روانہ کیا وہ لوگ فساد برپا کر رہے تھے۔ سنہ 930 ہجری (سنہ 1523ء) میں سلطان محمود خان کی طرف سے مبارک خان ماتھیلے کا حاکم تھا۔ اکبر بادشاہ نے جام فیروز کی مدد کیلئے مجاہد خان کو روانہ کیا تھا۔ اس نے آکر ماتھیلو کے قلعہ کا محاصرہ کیا جس میں مبارک خان پناہ لے کر بیٹھ گیا تھا۔ جلد ہی سلطان محمود خان نے تیس ہزار لوگ مدد کیلئے روانہ کئے لیکن مبارک خان نے اس سے پہلے اطاعت قبول کرلی اور مجاہد خان نے ماتھیلو پر قبضہ کرلیا۔

محمد آباد

سنہ 792 ہجری (سنہ 1389ء) میں فیروز شاہ تغلق کے بیٹے محمد شاہ نے تخت پر بیٹھنے کے بعد محمد آباد کا شہر آباد کیا اور آس پاس کے مخالف اور فسادی لوگوں کو سزائیں دے کر وہاں آکر رہا لیکن جلد ہی فوت ہو گیا۔ یہ شہر دہلی کے نزدیک تھا لیکن اس نام کا دوسرا شہر محمد آباد میاں نور محمد کلہوڑا نے خدا آباد کے بعد آباد کیا تھا۔ اس جگہ پر سنہ 1164 ہجری (سنہ 1751ء) میں خدا آباد چھوڑ کر اپنے بیٹے محمد مراد یاب خان کے ساتھ آکر رہنے لگا تھا۔ سنہ 1168 ہجری (سنہ 1755ء) میں میاں نور محمد کے فوت ہونے پر محمد مراد یاب گدی پر بیٹھا لیکن بادشاہ نے بعض مخالف امیروں کے کہنے پر اسماعیل خان پنیہ کو ٹھٹہ کا نواب مقرر کر کے روانہ کیا جو محمد آباد تک بھی آیا لیکن جلد ہی میاں کے وکیل بادشاہ تک پہنچ گئے اور میاں سندھ کا حاکم مقرر ہو گیا اور نواب سربلند خان کا خطاب پایا۔ سنہ 1170 ہجری (سنہ 1757ء) میں میاں غلام شاہ محمد مراد یاب کو معزول کر کے خود گدی پر بیٹھا محمد آباد کے قریب دوسرا شہر الہہ آباد نامی آباد کر کے اس میں رہنے لگا اور محمد مراد یاب جا کر خدا آباد میں رہا۔ سنہ 1171 ہجری (سنہ 1758ء) میں میاں غلام شاہ نے اپنے بھائی عطر خان کو لوہری میں شکست دے کر واپس محمد آباد میں آکر ایک سال تک رہا ایک سال کے بعد عطر خان سے صلح ہوئی۔

محمد طور

سومرہ دور میں یہ ایک اہم شہر تھا اور اس کے قریب دوسرا تھرڑی کا شہر تھا۔ محمد طور سومرہ سنہ 654 ہجری (سنہ 1256ء) میں سندھ کی گدی پر براجمان تھا اور پندرہ برس حکومت کی۔ اس نے یہ شہر آباد کیا تھا جو اسی کے نام سے منسوب تھا۔ سنگھار سومرہ کے بعد اس کی بیوی ہیموں خود اوک کے قلعہ میں رہی اور اپنے سگے بھائیوں کو محمد طور اور تھرڑی میں رکھا۔ یہ سنہ 720 ہجری (سنہ 1320ء) کے قریب تھا۔ جب غازی ملک سندھ اور ملتان سے لشکر لے کر آخری غزنوی بادشاہ خسرو خان کو معزول کر کے خود دہلی کا بادشاہ بنا۔ جب 752 ہجری (سنہ 1351ء) کے قریب سومرہ خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور سماآئے اس وقت آخری سومرہ حاکم پنہو سومرہ قوم سے لڑتے ہوئے مارا گیا اور سومرے محمد طور چھوڑ کر کچھ کی طرف چلے گئے لیکن وہاں پر بھی سما نے ان کو

رہنے نہ دیا اور سب کو مروا دیا۔ جب سما حکمران بنے تب ان لوگوں نے محمد طور کا شہر برباد کر دیا اور اس کی جگہ پر ساموئی اور دوسرے شہر آباد کئے یہ سب شہر ورک کے علاقے میں تھے۔

ملتان

(اس کا تاریخی احوال پہلے باب میں دیا گیا ہے اس جگہ پر دیکھا جائے)

منصورہ

عباسی خلفاء کے دنوں میں سنہ 750ء میں منصور بن جمہور سندھ کا حاکم تھا اس نے برہمن آباد کے قریب یہ شہر تعمیر کرایا جو اس کے نام سے منسوب ہے۔ خود بعد میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے رن کی طرف بھاگ گیا اور وہاں پر پیاس کے سبب سے فوت ہو گیا۔ جب سومرہ خاندان سندھ میں حکمران تھے تب منصورہ شہر ان کا پایہ تخت تھا اور اس سے پہلے بھی سنہ 871ء میں جب عربوں کے نائب سندھ کے حاکم تھے اس وقت بھی یہ شہر تخت گاہ تھا پھر جب الور اور برہمن آباد برباد ہوئے تب ویران ہو گیا۔

نصرپور

سنہ 720ہجری (سنہ 1320ء) کے بعد جب سومرا دور کی حکومت تھی اور دودا حکمران تھا تب اس نے تھرڑی اور محمد طور سے نکل کر نصرپور تک اپنی حکومت بڑھائی۔ سنہ 880ہجری (سنہ 1484ء) کے قریب جب جام سکندر گدی پر تھا اور وہ چھوٹا تھا تب سیوہن اور بکھر کے حاکموں نے فساد برپا کیا جس پر اس نے ٹھٹھ سے نکل کر بکھر کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن جب نصرپور میں آیا تب اس کا ایک نوکر مبارک نامی، جو بہادر شخص تھا اس نے خود کو جام کہلوایا لیکن تین دن کے اندر لوگوں نے اس کو بھگا دیا۔ سنہ 928ہجری (سنہ 1521ء) میں مرزا شاہ بیگ کے مرنے کے بعد مرزا شاہ حسن نصرپور میں باپ کی گدی پر بیٹھا جب شاہ بیگ ٹھٹھ سے نکل کر گجرات کی طرف جا رہا تھا تب رستہ میں بیمار ہو کر مر گیا۔ سنہ 942ہجری (سنہ 1535ء) میں ہمایوں بادشاہ نے گجرات پر حملہ کیا اس وقت گجرات کے بادشاہ کی طرف سے خضر خان پٹن کا حاکم تھا۔ بادشاہ کے حکم سے مرزا شاہ حسن نے نصرپور سے نکل کر پٹن کے قلعہ کا محاصرہ کیا لیکن خضر خان نے اس کو ایک لاکھ روپے رشوت دی اور وہ چلا گیا۔ سنہ 976ہجری (سنہ 1568ء) میں مرزا محمد باقی ترخان کے وقت میں سلطان محمود خان نے ارغون

سرداروں کے منت کرنے پر نصرپور کے قلعے کا محاصرہ کیا۔ لیکن اکبر بادشاہ کے آنے کا سن کر سندھ کے جدا جدا حصوں میں اپنے حاکم مقرر کردیئے۔ نصرپور میں اپنے ایک بیٹے مرزا شاہ رخ کو مقرر کیا اور شیر علی کوک کو اس کی مدد کیلئے رکھا۔ دوسرے بیٹے مرزا پائندہ کو سیوہن میں رکھا۔ لیکن جلد ہی شاہ رخ خان مر گیا۔ تب اس کی جگہ پر قاسم ارغون کو نصرپور کا حاکم مقرر کیا۔ سنہ 998 ہجری (سنہ 1589ء) جب اکبر بادشاہ نے نواب خان خانان کو سندھ کی طرف روانہ کیا اور اس نے سیوہن پر حملہ کیا تب میرزا جانی اس کا مقابلہ کرنے کیلئے آیا اور نصرپور کے قریب دریا میں کشتیوں پر منزل انداز ہوا۔ جلد ہی وہاں پر کشتیوں کی جنگ لگی جس میں مرزا کی طرف سے خسرو خان کو شکست ہوئی۔ سنہ 1008 ہجری (سنہ 1599ء) میں مرزا غازی بیگ کی حکومت میں شاہ قاسم ارغون کا بیٹا ابوالقاسم سلطان، جو مرزا جانی بیگ کا سالا تھا اور بہادر شخص تھا وہ نصرپور کا حاکم تھا اس نے فساد کیا اس لیے مرزا ٹھٹھ سے بڑا لشکر لے کر اس پر حملہ کرنے کیلئے آیا لیکن بعد میں آپس میں صلح کی اور ابوالقاسم نصرپور میں رہا۔ سنہ 1201 ہجری (سنہ 1612ء) کے قریب خسرو خان چرکس، جس کو مرزا غازی بیگ نے فساد کرنے کے بعد ٹھٹھ میں رکھا تھا اس پر سرکاری رقوم میں خیانت کا الزام تھا اس کو سائیڈنہ ہندو خان حساب کی چیکنگ کے بعد گرفتار کرنے کیلئے نصرپور میں آیا اور خسرو خان کی سازش پر ابوالقاسم سلطان نے جھگڑا کیا لیکن آخر میں اس نے قلعہ پر قبضہ کیا اور خسرو خان کو گرفتار کیا۔ سنہ 1151 ہجری (سنہ 1738ء) میں نادر شاہ بادشاہ سندھ میں آیا اور میاں نور محمد بندوبست کے لیے لاڑکانہ گیا اس کی غیر حاضری میں دھاراجہ اور نگر الہ کے جام موقع پا کر لشکر کو کشتیوں میں سوار کر کے نصرپور آ گئے اور ملک میں لوٹ مار کرنے لگے لیکن کلہوڑوں نے کنارے پر توپیں چلا کر ان کو بھگا دیا۔ سنہ 1168 ہجری (سنہ 1755ء) میں میاں نور محمد کے فوت ہونے پر دیوان گدومل بادشاہ سے سند اور خلعت لے کر آیا اور میاں محمد مراد کو نصرپور میں باپ کی گدی پر بٹھایا گیا اور بہت خوشیاں منائی گئیں۔ سنہ 1172 ہجری (سنہ 1759ء) میاں غلام شاہ اور میاں عطر خان دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہوا اور جنگ چھڑ گئی آخر دونوں میں صلح ہو گئی اور ملک تقسیم کیا گیا۔ شاہ گڑھ سے نصرپور تک کا ملک میاں غلام شاہ کو ملا اور ٹھٹھ باقی ملک کے ساتھ عطر خان اور اس کے بھائی احمد یار خان کو ملا۔ لیکن جلد ہی ان دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا اس پر میاں غلام شاہ نے نصرپور میں یہ خبر سن کر ان کے ملک پر حملہ کر دیا اور سارا سندھ آسانی سے اپنے قبضے میں لیا۔ سنہ 1201 ہجری (سنہ 1786ء) میں جب میاں عبدالنبی خان قلات سے مدد لے کر آیا تب میر فتح علی خان ونگ کی طرف شکار پر جا رہا تھا۔ نصرپور

کے بہت سارے سردار بھی اس کے ساتھ تھے ان کی غیر حاضری میں کاچھا کے چند بلوچ آ کر ملک میں لوٹ مار کر گئے جن کو پھر میر نے آ کر سزا دی۔

نوشہرہ

میاں نصیر محمد کلہوڑا کے دنوں میں اور نگزیب بادشاہ کے عہد میں سنہ 1069 ہجری (سنہ 1684ء) میں کلہوڑوں نے ساحلی علاقے پر قبضہ کیا اس پر قبضہ کرنے والا فیروز وزیر ار تھا جس نے نوشہرو کا شہر آباد کیا جس کو نوشہرہ فیروز کہا جاتا ہے۔ اس وقت سورو بھی فرید بھگت کی معرفت کلہوڑوں نے لے لیا تھا۔ سنہ 1168 ہجری (سنہ 1755ء) میں دیوان گدومل نے احمد شاہ درانی کے پاس جا کر میاں نور محمد کلہوڑا کیلئے منظوری لی۔ ان دنوں بادشاہ نوشہر میں منزل انداز تھا۔ اس سال میں میاں نے وفات کی اور اس کا بیٹا محمد مراد یاب خان گدی پر بیٹھا۔ سنہ 1171 ہجری (سنہ 1758ء) میاں محمد عطر خان کے گدی پر بیٹھنے کے بعد اس کا بھائی احمد یار خان نوشہر میں جا کر رہنے لگا اور محمد مراد یاب بھی آیا اور سب بھائیوں میں ناچاقی پیدا ہو گئی۔ سنہ 1172 ہجری (سنہ 1758ء) میں میاں غلام شاہ اور عطر خان نے آپس میں صلح کر لی اور ملک تقسیم کیا۔ نوشہرہ والا حصہ عطر خان کو ملا جو ادھر آ کر رہنے لگا۔ لیکن جلد ہی عطر خان اور احمد یار خان میں ناچاقی پیدا ہو گئی اس پر میاں غلام شاہ نے فوج کشی کی اور عطر خان نوشہرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور میاں غلام شاہ نے یہ ملک بھی اپنے قبضہ میں کیا۔ سنہ 1196 ہجری (سنہ 1782ء) میں ہالانی کی جنگ میں میر فتح علی خان کلہوڑا خاندان سے جنگ فتح کر کے پہلے نوشہرو میں آیا۔ سنہ 1249 ہجری (سنہ 1843ء) میں جب سر چارلس نیپئر نے حیدرآباد پر حملہ کیا تب نوشہرو کے پاس اس سے کرنل آؤٹ رام جا کر ملا جس کو میروں نے حملہ کر کے حیدرآباد سے بھگا دیا تھا۔ اس جگہ پر میر نصیر خان اور دوسروں کے وکیل بھی آ کر اس سے ملے لیکن بات چیت میں متفق نہ ہو سکے سر چارلس نیپئر حیدرآباد پر حملہ کرنے گیا اور میانی کے مقام پر جنگ لگی اور انگریزوں نے سندھ فتح کی۔

نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد)

جب راجو گھرانہ کی سندھ پر حکومت تھی تب نیرون، دیبل، لوہانہ، لاکھا اور سماو غیرہ گاؤں برہمن آباد کے حاکم کی حکومت کے تحت تھے۔ سنہ 92 ہجری (سنہ 710ء) میں جب سراندیپ کے راجا کے روانہ کئے گئے تحائف دیبل کے قریب چھین لئے گئے تھے اور حجاج کے لکھنے پر راجا داہر

نے چوروں کو پکڑنے سے انکار کیا تب حجاج نے بزیل کو روانہ کیا جو سمندر کے راستے سندھ میں آیا اور نیرون میں آکر منزل انداز ہوا اور اس جگہ پر ہارون نے تین ہزار عربوں کی فوج مدد کیلئے لا کر دی۔ اور بزیل نے دیبل پر حملہ کیا لیکن داہر کے بیٹے جیسین کے ہاتھوں شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس وقت نیرون کا حاکم ایک سمنی تھا اس نے ڈر کر حجاج سے خط لکھ کر معافی مانگی جو اسنے دے دی لیکن جلد ہی محمد بن قاسم ثقفی کو سندھ فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ سنہ 93 ہجری (سنہ 711ء) میں جب محمد بن قاسم نے دیبل فتح کیا۔ تب دیبل کا حاکم بھاگ کر نیرون چلا گیا جس پر جیسین حاکم تھا۔ داہر کے حکم سے اس نے سمنی کو نیرون میں چھوڑ کر خود برہمن آباد کے قلعے کا انتظام سنبھالا۔ محمد بن قاسم نے دیبل فتح کرنے کے بعد منجنیقیں لا کر نیرون کوٹ پر اکٹھی کیں لیکن سمنی نے آکر اطاعت قبول کر لی اور نذرانے بھی لایا محمد بن قاسم نے قلعہ پر قبضہ کر کے اپنا نائب مقرر کیا اور بدھ کے مندر کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کرائی اور امام مقرر کیا اور پھر سیوستان کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں انتظام مکمل کر کے حجاج کے حکم ملنے پر وہ نیرون میں آکر رہنے لگا اور سمنی اس کی خدمت میں رہا۔ اس کو خلعت عطا کی اور عزت دینے لگا اور دوبارہ بھی حاکم بنا کر نیرون میں رکھا اس لیے کہ عربوں کے لشکر کو سامان مہیا کرتا رہے۔ برہمن آباد فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے حیدرآباد کا شہر تعمیر کرایا اس کے بعد کا تاریخ احوال حیدرآباد میں دیکھیں۔

ہالائی

سنہ 1196 ہجری (سنہ 1782ء) میں میاں عبدالنبی کلہوڑا نے دھوکے سے میر عبداللہ اور فتح خان کو قتل کروادیا اس پر بلوچوں نے میر فتح علی خان کو اپنا سردار مان کر میاں عبدالنبی پر حملہ کیا اب سے پہلے اپنے بال بچے دین گڑھ میں چھوڑ آئے میر فتح خان خود اور اس کے بھائی میر غلام علی خان اور میر فتح خان کے بیٹے الہ یار، ٹھارا میر سہراب خان اور باغا فقیر جس کا باپ مرزا فقیر میروں کے ساتھ قتل کروایا گیا تھا چھ ہزار بلوچوں کے ساتھ نکل آئے۔ میر سہراب خان ونگ کی طرف گیا تاکہ ننڈ اور دوسرے بلوچ مدد کیلئے آئیں یہ سن کر عبدالنبی لڑنے کیلئے تیار ہو کر آیا۔ محمد حسن کھاوڑا اس کا سپہ سالار تھا۔ بلاول ولد راجا لیکھی اور غلام حسن ولد الہ بخش جھمین ہنا جا سا نیا، دھنگانہ جتوئی، پیروز کلیری اور پیروز تالپور یہ سب اپنے لشکر لے آئے نمردی یا نومڑیا اور کھوسہ اور پٹھان بھی ان کے ساتھ تھے جن کے سردار اسحاق خان اور سردار خان تھے جملہ تیس ہزار سے زیادہ

لوگ تھے۔ میاں اس لشکر کے ساتھ ہالائی میں آیا یہ شہر دین گڑھ اور میروں کی منزل سے تین کوس کے فاصلے پر تھا۔ میر فتح علی خان میر صوبدار خان کی مدد پہنچنے سے پہلے مجبوراً میاں سے مقابلہ کیلئے نکلا۔ جنگ میں بندوقیں، تیر کمان، اور تلواریں استعمال میں آئیں۔ جنگ کے دوران میر سہراب خان بھی تین ہزار دوسرے بلوچ لے آیا۔ پہلے میاں کے لشکر سے محمد حسن کھساوڑ مارا گیا جس کو میر فتح علی خان نے ضرب لگائی تھی جلد ہی اس کا بھائی باقر بھی مارا گیا میر سہراب نے تاجا تیکھی اور اس کے بھائی الہداو کو مارا اور ساتھیوں کے لشکر کو بھگایا۔ اس کے بعد عبدالنبی لشکر سمیت بھاگا اور کشتی کے ذریعے ایک جھیل پار کر کے پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ اس فتح کے بعد میر نوشہرہ میں آیا اور دوسرے سردار جو کلہوڑوں کی طرف سے لڑ رہے تھے وہ اب پشیمان ہو کر میر کے پاس آئے جس نے اس کو عزت بخشی اس جنگ کی تاریخ ابجد کے حساب سے "فتح علی" کو دوگنا کرنے سے نکلتی ہے۔

ہالا کنڈی (ہالا)

آٹھویں ہجری صدی کے نصف کے قریب سماں دور حکومت کے شروع میں جب سنگھار ان کا سردار تھا تب اس نے ملک کی سرحدیں وسیع کیں اور کچھ سے لے کر ہالا کنڈی تک ملک اپنے قبضہ میں کیا۔ سنہ 908 ہجری (سنہ 1502ء) کے قریب جب مرزا شاہ حسن نے جام فیروز کو چاچکان کے قریب لڑ کر بھگا دیا تب ٹھٹہ اور تغلق آباد سے ہالا کنڈی میں آیا اور وہاں سے بکھری کی طرف گیا۔ سنہ 968 ہجری (سنہ 1589ء) میں اکبر بادشاہ کے حکم سے نواب خان خانان مرزا جانی بیگ سے لڑنے کیلئے آیا۔ سیوہن کے قریب دونوں میں جنگ چھڑی اور مرزا نے شکست کھائی۔ جنگ کیلئے آنے سے پہلے خان خانان کو خوف تھا اور فتح کی امید کم تھی۔ بعض لوگوں کے مشورہ پر وہ ہالا کنڈی میں آیا وہاں مخدوم نوح نے حال ہی میں وفات پائی تھی۔ مرزا جانی اور خان خانان کو ان کی معذرت کرنی تھی لیکن فقیروں نے کہا کہ دونوں میں سے جو پہلے وہاں پہنچے گا اور معذرت کر کے دعا مانگے گا وہ فتح یاب ہوگا۔ دونوں نے اس طرف جانے کی کوشش کی لیکن خان خانان پہلے وہاں پہنچا اور فتح بھی اس کو نصیب ہوئی۔ سنہ 1197 ہجری (سنہ 1782ء) میں میاں عبدالنبی کلہوڑا کو میر بجار خان نے حیدر آباد سے بلا کر گدی پر بٹھایا جب وہ ہالا کنڈی میں آیا تب میر اس سے جا کر ملا اور دوسرے سردار بھی وہاں آئے پھر

سب مل کر مخدوم نوح کی درگاہ پر گئے۔ میاں کی دستار بندی کی اور وہاں سے خدا آباد لے جاکر میاں سرفراز کی جگہ پر بٹھایا گیا۔ سنہ 1201 ہجری (سنہ 1612ء) میں مرزا غازی بیگ کے مرنے سے کچھ دیر پہلے خسرو خان چرکس کے طاقتور بننے پر مرزا کے حکم سے ہندو خان نے جا کر اس کو گرفتار کیا اور بال بچوں سمیت قید کرکے بالا کنڈی لے آیا اور پھر وہاں سے قندھار لے گیا۔ سنہ 1259 ہجری (سنہ 1843ء) میں جب سر چارلس نیپیئر نے میروں سے لڑنے کا ارادہ کیا، تب نوشہرو سے چل کر پہلے ہالا میں منزل انداز ہوا پھر 17 تاریخ محرم بروز جمعہ یعنی 19 فروری وہاں سے نکل کر پھلیلی کے پاس میانی میں میروں سے لڑائی کی اور جنگ فتح کی پھر حیدرآباد کے قلعہ پر قبضہ کیا۔

باب چودھواں

سندھ کی قدیم قومیں جنہوں نے سندھ پر حکومت کی

تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم وقت سے جو سندھ کی قومیں آج تک موجود ہیں وہ یا تو عربوں کی فتوحات سے پہلے یا بعد ہندو خاندانوں اور کنبوں کی اولاد ہے جن سے کچھ مسلمان ہو گئے اور کچھ ہندو رہتے آئے ہیں یا تو عربوں کی فتوحات کے بعد عربوں کی اولاد ہیں پھر کوئی خالص کوئی مخلوط یعنی عربوں اور سندھیوں کی مخلوط نسل۔ سنہ 607 ہجری (سنہ 1210ء) میں جب سلطان آرام شاہ ولد قطب الدین ایبک کے دنوں میں ہندوستان تقسیم ہو کر چار حصے بن گئے اور سندھ اور ملتان والا حصہ ناصر الدین قباچہ کو ملا تب اس سندھ میں جملہ سات ہندو راجا تھے جو ملتان کے باج گزار تھے وہ یہ تھے:

(1) رانا بھنز سہتار اگھوڑ دربیلا میں

(2) رانا سنیر ولد دھماچ کوریجا سما ردپاہ میں

(3) جیسر ولد بج ماچھی سوڈھی مانکتاری میں

(4) دکھیہ ولد جنہوں چناسیوی میں

(5) چند ولد ڈیتھاچند بھاگ ناری میں

(6) جیو ولد دریاہ جھم باہم کوٹ میں

(7) جسودن آگرہ بھنبھور یا برہمن آباد میں

جب سنہ 417 ہجری (سنہ 1026ء) میں سلطان محمود غزنوی کے حکم سے اس کے وزیر عبدالرزاق نے سندھ پر فوج کشی کی تب بنی عباس اور بنی امیہ عربوں کے اٹھارہ اہم خاندان یا قبیلے تھے جن سے بعد میں دوسرے خاندان اور قبیلے پیدا ہوئے وہ یہ ہیں۔

(1) ثقفی جس سے خود حجاج اور محمد بن قاسم تھا۔ بکھر، الور اور روہڑی کے قاضی اکثر موسیٰ بن یعقوب ثقفی کی اولاد ہیں۔ عربی چچ نامہ کا مصنف قاضی اسماعیل بن علی بھی ثقفی تھا۔ اور اُن والا موسیٰ اس کا نواسہ تھا اور محمد بن قاسم نے اس کو الور کا پہلا قاضی مقرر کیا تھا۔

(2) تمیمی یابنی تمیم، جن کی اولاد کو اب تھیم کہتے ہیں۔

(3) بنی مغیرہ سے موجودہ موریالوگ ہیں شاید مورو بھی ان لوگوں کا تھا۔

(4) عباسی یابنی عباس جن سے کلہوڑا اور چند دوسری قومیں بنیں۔

(5,6,7) صدیقی، فاروقی اور عثمانی جن کی اولاد بھی ان ناموں سے سندھ میں بڑی تعداد میں موجود ہے جو تینوں بڑے خلیفوں کی اولاد ہیں۔

(8) بنو ہریا بنو ہار حارث کی اولاد ہیں۔

(9) منگی اوپر والے تمیموں کی ایک شاخ ہیں۔

(10) جبریہ اصل عرب کے طائی قبیلے سے ہیں جن سے ہالانی کا مشہور شیخ طائی تھا۔

(11) اسدیہ یابنی اسد قبیلے سے فتح پور والا شیخ تراب اور چند دوسرے ہیں۔

(12) بنی عتبہ سے بھی فتح پور والے قاضی برہا اور دوسرے ہیں۔

(13) بنوالی صوفی جن سے ریل کے درویش پیدا ہوئے۔

(14) بنی حاکم جن کی اولاد سے باجار اور جھانگار ہیں۔

(15) بنی جریمہ جو انصاری تھے اور ان میں سے سیوہن والے سپیا اور دوسرے ہیں۔

(16) انصاری جن کی اولاد اب تک انصاری اور شیخ کہلاتے ہیں۔

(17,18) جت یا بلوچ یا بروج، جو ہارون مکرانی عرب کی اولاد ہیں۔ یہ ہارون محمد بن ابان کا بیٹا تھا جو محمد بن قاسم کے وقت میں مکران کا حاکم تھا اور وہاں پر ہی فوت ہو گیا تھا۔ یہ عبدالمطلب کی اولاد سے تھا جو حضرت ﷺ کا چچا تھا اور حمزہ کا چچازاد بھائی تھا اس کی سات بیویاں تھیں اور ان سے اس کے پچاس بیٹے ہوئے، پہلی بیوی حمیرہ نامی سے اس کے سات بیٹے تھے ان میں چھوٹے کا نام جلال تھا باپ کے مرنے کے بعد اگرچہ ملک تقسیم ہو کر ملا تھا پھر بھی ان میں جھگڑا پیدا ہوا اور جلال کی اولاد کو سندھ اور کچھ کی طرف بھگا دیا گیا تھا۔ وہاں اس سے بیشمار قومیں پیدا ہوئی اس کے علاوہ اور ان سب سے افضل عربوں کی فتح کے بعد سید یانبی کی اولاد تھی اور اس کی بہت سی شاخیں حسنی، حسینی اور علوی وغیرہ بہت سے ملکوں کی طرح سندھ میں بھی پھیل گئی تھیں۔

مخلوط عربوں سے لودھا یا لولیا یا لودی قوم کے لوگ ہیں جو لودھ کی اولاد ہیں۔ یہ حضرت سلیمان بن داؤد کی ایک کنیز کی اولاد ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ جن سے تھا۔ جس طرح بلوچوں کے متعلق

کہا جاتا ہے کہ عبدالرحیم کی اولاد ہیں جو امیر حمزہ کا بیٹا تھا اور ایک پری سے تھا جب وہ امیر بلوچستان میں سیر کرنے آیا تھا۔

ان کے بعد سندھ کی بڑی قومیں سومرا اور سماں ہیں۔ سومرہ اصل عرب تھے جو سامرہ میں رہتے تھے اور ہجری چوتھی صدی یا عیسوی دسویں صدی میں خلیفہ مامون بن ہارون رشید عباسی کے زمانہ میں بنی تمیم کے ساتھ سندھ میں آئے تھے۔ ان کی طاقت سندھ میں پانچ سو برس تک رہی پھر سما قوم طاقت میں آئی۔ سنہ 720 ہجری (سنہ 1320ء) میں جب غازی ملک نے سندھ اور ملتان سے لشکر لے کر دہلی میں جا کر آخری غزنوی بادشاہ خسرو خان کو تخت سے اتار کر خود غیاث الدین تغلق کے نام سے بادشاہ بنا اس زمانہ میں سومرہ قوم کا راج ٹھٹھہ اور سامو ئی تک تھا اور ان کے سردار کا نام سومرہ تھا اس افراتفری کے عالم میں خود مختیار حاکم بنا وہاں کے ایک بڑے زمیندار کی بیٹی سادہ نامی سے شادی کی جس سے بھونگر نامی بیٹا پیدا ہوا جس کا بیٹا دودا تھا اس طرح پھر سومروں کے حاکم ہوتے آئے جن کا احوال سندھ کی تاریخ سے معلوم ہوگا۔

سما پھر سام بن عمر بن ہاشم ابولہب کی اولاد تھے اور ابولہب حضرت ﷺ کا چچا تھا جو ان کا مخالف تھا اور ان کے خلاف تھے بعض لوگ ان کو سام بن عمر بن عکرمہ بن ابوجہل کی اولاد کہتے ہیں۔ جو حضرت ﷺ کے چچا تھے اور ان کے خلاف تھے۔ بعض دوسرے ان کو سام بن نوح نبی کی اولاد کہتے ہیں۔ اس سام کو چار بیٹے تھے ایک بدھ، سنگا، ہمسر اور بھاگرت۔ بدھ کے سولہ بیٹے تھے، جن کے نام بادہ، سودہ، سمتہ اور دوسرے تھے۔ جن کو اکثر راٹھوڑ کہتے ہیں۔ دوسرے بیٹوں کی بھی بہت اولاد تھی۔ ان کے نام دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر ان کے ناموں سے سما قوم کی جدا جدا شاخیں ہوئی اور انہی کے ناموں سے منسوب ہیں مثلاً ہنگورہ، کوریجا، نابیہ، چارڑے، بھٹی، اوڈھو، لاکیر، لاکھا، اوٹھا، ادھیجا، سہر، ساند، منابیہ، سمیجا، ننجار، ڈاہر، کورائی، راوھن، کاکے پوتہ، ہنگورجا بالا، ہالے پوتہ، ساہڑ، نہریہ جکھرا، کاہبھ، پلی، سوڈھر، اوٹھا، ابڑا، ابڑے جا، ورکن، سندھ کے سموں کا بڑا دادا جام جونا تھا جو لکھا ولد کا ہبھ کا بیٹا تھا اس کے پانچ بیٹے تھے۔ کھوریہ، ناجیہ، ابڑہ، بلوچ اور بابینہ ان میں سے فقط بابینہ کی اولاد کو حکومت کرنے کا موقع ملا اس بابینہ کا بیٹا انڑ سنہ 752 ہجری (سنہ 1351ء) میں جام کے لقب سے سندھ میں سما سردار اور حاکم ہوا اور طاقتور بن کر سیوہن پر حملہ کیا۔ دہلی کے بادشاہ کی طرف سے ان دنوں میں ملک رتن ترک حاکم تھا۔ لڑائی

میں پہلے سما حاکم کو شکست ملی لیکن اتفاق سے ملک رتن گھوڑے سے گر گیا اور ایک سما لڑاکو نے ضرب لگا کر اس کا سر کاٹ دیا پھر انہوں نے سیوہن کا قلعہ فتح کر لیا۔ اس طرح سما قوم کی حکومت شروع ہو گئی اور ان میں سے جو حاکم بنے اور جو کچھ ان لوگوں نے کیا یہ سارا احوال سندھ کی تاریخ سے معلوم ہو گا۔ سما کے بعد سندھ کے حاکم ارغون ہوئے۔ ارغون مغل تھے اور چنگیز خان کی اولاد سے تھے۔ ارغون خان ابا قاآن ولد ہلا کو خان کا بیٹا تھا اور ہلا کو چنگیز خان کا پوتا۔ یہ دونوں مشہور خونخوار بادشاہ گزرے ہیں۔ تیمور اور بابر بھی اس کنبہ سے تھے۔ ارغون خان مسلمان ہوا اور بھی کئی مسلمان ہوئے ان کی اولاد سے امیر ذوالنون ولد میر حسن بصری یا مصری تھا جو ہرات اور سمرقند میں بڑی بہادری سے رہتا تھا اور قندھار، ہرات اور غور کا حاکم بنا۔ شال اور مستنگ میں رہتا تھا۔ سنہ 910 ہجری (سنہ 1504ء) کے قریب جب بابر بادشاہ سمرقند اور کابل کی طرف آیا تب ذوالنون مر گیا تھا اور اس کا بیٹا مرزا شاہ بیگ اس کی جگہ پہ حاکم ہوا بعد کا احوال تاریخ سندھ سے معلوم ہو گا۔

ارغون کے بعد ترخان سندھ کے حاکم بنے امیر تیمور اٹھارہ برس کی عمر میں ایک شکار پہ گیا تھا کیا تھا جنگل میں بعض جھونپڑیوں کے قریب سے گزرا تو ان لوگوں نے چور سمجھ کر باندھ لیا لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ بادشاہ زادہ ہے تب اس کی بڑی خاطر مدارت کی گئی۔ چونتیس برس کی عمر میں جب وہ بادشاہ بنا تب ان لوگوں کو اس نے ہر طرح نوازا اور اپنے خاص لشکر میں مقرر کیا اور لگان اور دوسری مشقت سے بری کیا اور ان کو ترخان کا لقب دیا جس کے معنی تاتاری زبان میں نوکری سے معافی دیئے گئے لوگ۔ جب اکثر ترخان بہادری اور خونریزی جیسے کام کرنے لگے تب لوگ کہنے لگے کہ یہ ترخان نہیں بلکہ ترخون ہیں یعنی خون سے بھرے ہوئے ہیں اور جب کسی جنگ میں جاتے ہیں تو خون سے لت پت ہو کر آتے ہیں۔ ان ترخانوں سے مشہور مرزا عبدالعالی تھا جس کا بیٹا مرزا عیسیٰ ترخان تھا وہ مرزا شاہ بیگ ارغون کا دوست تھا اور اس کے بیٹے مرزا شاہ حسن کے دنوں میں ملتان سے ٹھٹھ کی طرف آکر اس نے امیر امرائی سے لڑنے اور اس کو مارنے میں بڑی ہمت اور بہادری دکھائی تھی۔ مرزا شاہ حسن کے مرنے کے بعد سب ارغون اور ترخانوں نے مرزا عیسیٰ کو منتخب کر کے گدی پہ بٹھایا زیادہ احوال تاریخ سندھ سے معلوم ہو گا۔

ترخانوں کے بعد دہلی کے بادشاہوں کے نائب یا نواب آئے جن کا احوال الگ باب میں دیا گیا ہے۔ ان کے بعد عباسی کلہوڑا آئے اشارتاً ان کا بیان اس باب کے شروع میں دیا گیا ہے وہ عباسی کی اولاد ہیں جو حضرت ﷺ کے چچا تھے اور ان کے طرفدار تھے ان کے بڑے کا نام اوڈھانا تھا جو کیچ مکران میں رہتا تھا اور نیک اور درویش انسان تھا۔ ان اوڈھانو کی اولاد میں سے چند آدمی باہمی اختلاف کی وجہ سے ہجرت کر کے گھنبجات آکر رہنے لگے ان میں سے اہم شخص چینہ نامی تھا جس نے وہاں کے ایک زمیندار کی بیٹی سے شادی کی جس سے ایک بیٹا محمد نامی پیدا ہوا۔

غزنوی اور غوری بادشاہوں کے نائبوں کے وقت میں وہ چینہ بعض رانوں کی مدد سے ملتان میں آیا اور وہاں کے حاکموں کا خاص ملازم ہوا اور جلد ہی اپنی قوم کا سردار بنا اور جام کہلوانے لگا اس نے جدا جدا قوموں کی بارہ عورتوں سے شادی کی جن سے اٹھارہ بیٹے پیدا ہوئے اور ان سے زیادہ اولاد پیدا ہوئی۔ اس چینہ کے ایک بیٹے کا نام داؤد تھا جس کی اولاد داؤد پوتے ہیں، دوسرے کا نام لاشار تھا جس کی اولاد لاشاری بنے۔ جام چینہ لوہری علاقے کے بھرالوہ کے قریب چھن جنگل میں رہتا تھا پھر گھنبجات جاتے ہوئے ساگرہ کے کنارے پر فوت ہو گیا اور وہاں پر دفن کیا گیا۔ میر چاکر بلوچ اور آمری ودانی چنا اس کا چچازاد بھائی تھا۔ چینہ کے مرنے کے بعد نویں پشت میں میاں آدم شاہ کلہوڑا پیدا ہوا جو چانڈکا تعلقہ میں ہنجری کے گاؤں میں آکر رہا۔ اکبر بادشاہ کے دنوں میں جب خان خانان سندھ میں آیا اور وہ میاں آدم شاہ کے پاس آیا تب اس نے چانڈکے کی زمینداری جو چانڈیوں کے پاس تھی وہ آدم شاہ کو دی بعد میں میاں ملتان گیا اس جگہ کافی لوگ اس کے مرید ہوئے اس لئے ملتان کے حاکم نے اس کو قتل کرا دیا اس کی لاش بکھر میں لا کر رکھی اس جگہ کو آدم شاہ کی پہاڑی کہا جاتا ہے ان کے بعد ان کا بیٹا الیاس گدی پر بیٹھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا میاں شاہل محمد اور اس کے بعد اس کا بیٹا میاں نصیر محمد اور پھر اس کا بیٹا میاں دین محمد پھر اس کا بیٹا میاں یار محمد جو خدا یار خان کے لقب سے دہلی کے بادشاہ کی طرف سے سندھ کا نواب مقرر ہوا اس کے بعد کا احوال سندھ کی تاریخ سے معلوم ہوگا۔

کلہوڑوں کے بعد سندھ کے حاکم تالپور بلوچ بنے۔ تالپوروں کا سردار ہوتک خان تھا جو گھنے خان ولد شاہی خان کا بیٹا تھا ہوتک خان کے سات بھائی تھے جن میں ایک کا نام مانک خان تھا۔ جو مانکانی میروں کا دادا تھا جو میرپور خاص میں رہتے تھے۔ ہوتک خان کا بیٹا میر شہداد خان تالپور تھا۔ جس کے بیٹے میر چاکر خان اور میر بہرام خان تھے۔ میر چاکر خان کی اولاد خیرپور والے میر ہیں اور میر

بہرام خان کی اولاد حیدرآباد والے میر ہیں۔ اس شاہی خان کا ایک چچا تالا خان تھا جس سے اس خاندان کو تالپور کا نام ملا۔ میر شہداد خان ولد ہوتک کی قبر شاہپور کے قریب ہے اس جگہ کو قبا شہداد کہتے ہیں اس قبر پر تاریخ 2 رجب سنہ 1147 ہجری (سنہ 1734ء) درج ہے۔ میر شہداد کے بھائی فتح علی خان کی قبر پر 7 صفر 1151 ہجری لکھا ہوا ہے اور اس کے نام کے پیچھے فقیر کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ وہ کلہوڑا کے مرید تھے جن کو ہمیشہ فقیر کہتے تھے۔ میر بہرام خان ولد میر شہداد خان کے بیٹے میر بجار خان، میر صوبدار اور میر محمود تھے ان میں سے میر صوبدار خان کے بیٹے میر فتح علی خان، میر غلام علی خان، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان تھے جو چاروں سندھ کی گدی پر بیٹھے۔ میر چاکر ولد میر شہداد خان کا ایک بیٹا میر سہراب خان تھا اس کے بیٹے تھے میر رستم خان، میر علی مراد خان جو دونوں خیرپور کی گدی پر بیٹھے اس کے اور دوسرے بیٹے بھی تھے۔ میر تالپوروں کا زیادہ احوال تاریخ سندھ سے معلوم ہوگا۔

باب پندرہ

قدیم سندھ کی قومیں اور مذہبی فرقے

(حروف تہجی کی ترتیب سے)

افغان یا پٹھان:۔ افغان بنی اسرائیل کی اولاد سے ہیں اور اسرائیل کے بادشاہ شاول کی نسل سے ہیں۔ در حقیقت پٹھان وہ ہیں جو سلیمان پہاڑ کے دامن میں رہتے ہیں جو دوسرے افغان ہیں۔

افغانوں کی شاخیں یہ ہیں۔

(1) درانی یا ابدالی جن سے احمد شاہ ابدالی تھا۔

(2) غلزائی جو دوسروں سے طاقتور تھے اور کابل سے جلال آباد تک رہتے ہیں۔ غلجی اور ترک ان میں سے ہیں۔

(3) یوسف زئی جو پشاور ضلع میں رہتے ہیں۔

(4) کاکڑ جو بلوچستان کے کنارے پر رہتے ہیں۔ پٹھان جو افغان نہیں ہیں وہ تاجک، قزلباش، ہزارہ، ہندکی اور بلوچی ہیں۔ سنہ 1720ء میں غلزائی افغانوں نے ایران پر حملہ کر کے اصفہان پر قبضہ کیا تھا۔ دس برس بعد نادر شاہ نے شاہ طہماسپ کو معزول کر کے خود بادشاہ بنا۔ اس نے اپنے پاس بہت سے افغانوں کو لشکر میں رکھا جن کا سردار احمد شاہ درانی تھا۔ سنہ 1747ء میں جب نادر شاہ مارا گیا تب احمد شاہ بادشاہ ہوا اور پھر اس کا بیٹا تیمور شاہ بعد کا احوال تاریخ سے معلوم ہوگا۔

اڈھو:۔ اصل میں ہندو تھے بعد میں مسلمان ہوئے اور کسان اور گلہ بان ہوتے تھے۔ مسلمان ہوتے وقت جن لوگوں نے اپنے جنیئو اتار دیئے وہ پیر موسیٰ نواب کی درگاہ پر رکھے ہوئے ہیں جو بہاولپور ریاست میں ہے یہ لوگ اکثر گھوٹکی، سکھر اور شکارپور تعلقوں میں رہتے ہیں۔

اوڈ:۔ اصل میں مارواڑ کے ہندو لوگ ہیں اور اس طرف کی مخلوط زبان بولتے ہیں اکثر مسلمانوں جیسی شباہت رکھتے ہیں اور لباس بھی ان جیسا پہنتے ہیں۔ دیواریں تعمیر کرتے ہیں۔ ان کا پیر رامدیو ہے ان کے بھی بہت سے فرقے ہیں۔ راٹھوڑ، پرمار، بھٹی اور چوہان وغیرہ

برفت یا بلفت:۔ لسبیلہ کے لوگ ہیں پنوہر، جو کھیہ اور نومڑیا سے مربوط ہیں۔ ان کا ذکر اوپر دیا گیا ہے۔

بروہی یا براہی:۔ یہ بلوچستان کے لوگ ہیں جو پہاڑوں پر آباد ہیں اور نیچے رہنے والوں کو بلوچی کہتے ہیں۔ افغانوں کی طرح یہ بھی بنی اسرائیل یا یہودیوں کی اولاد ہیں۔ مکران کے بروہی اکثر کرد ہیں اور سنی مذہب کے ہیں۔ بروہیوں کے تین حصے ہیں ایک احمد زئی، جن سے قلات کے خان ہیں دوسرے سہراوان تیسرے جھلوان۔

برہمن یا بامنھن:۔ ہندوؤں میں یہ بڑی قوم ہے جس طرح مسلمانوں میں سید ہیں وہ قدیم وقت سے چلتے آئے ہیں۔ بچھ بھی برہمن تھا اور برہمن آباد بھی برہمنوں کا ملک تھا۔ سندھ میں اکثر سرسوت، پشکرنا اور شریمالی برہمن ہیں۔ پہلے والوں کی بارہ یا باون شاخیں ہیں۔ پشکرنوں کو پوکرنا بھی کہتے ہیں ان میں کچھ گجر اور کچھ دلیچاری بھی ہیں چند کمتر درجے والے بھی ہیں جن کو جھنجھر یا ساوتی کہتے ہیں۔

بزدی یا بلیدی:۔ بلوچوں کی ایک قوم ہیں جو زیندی خان ولد میر عالی ولد ہرین کی اولاد ہیں اور ہرین سب بلوچوں کا بڑا دادا تھا جس علاقے میں یہ رہتے تھے اس کو بزدکا کہتے تھے زیندی خان کے دو بیٹے تھے ایک سندر دوسرا حاجی۔ پہلے کی اولاد سندرانی اور دوسرے کی حاجیجا۔ سندرانی بلوچوں کی بائیس شاخیں ہیں مثلاً سندرانی، سیدانی، گبول، گولا، اور جاگیرانی وغیرہ اور حاجیجوں کی یہ شاخیں ہیں حاجیجا، عمرانی، لوہانی منگیری اور ڈاہانی یہ بلوچستان اور سندھ کے سرحدی ضلعے میں بکثرت رہتے ہیں۔

بگٹی:۔ بلوچوں کی ایک قوم ہے جو سندھ کے سرحدی ضلع کے قریب پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ ان کی بہت سی شاخیں ہیں مثلاً سندرانی، مشوری، چاکرانی، جسکانی وغیرہ۔ ان کا سردار ڈیرا بیرک میں رہتا ہے۔

بلوچ یا بروچ:۔ یہ لفظ اصل بدلوچ کہنے میں آتا ہے۔ یہ ایک جن کا نام تھا اور لوچ ایک عورت کا نام تھا جو لونڈی تھی اس کی اولاد کو بلوچ کہتے ہیں۔ وہ اصل میں حلب شہر کے رہنے والے تھے جو بغداد سے گزر کر پہلے کرمان میں آئے اور پھر مکران میں۔ سنہ 680ء میں بنی امیہ خلیفہ یزید بن معاویہ نے ان کو وہاں سے نکال دیا تھا یہ بھی خود کو امیر حمزہ کی اولاد کہلاتے ہیں۔ ان کا بڑا دادا ہرین

نامی تھا جو کیچ مکران میں رہتا تھا اس کے تین بیٹے تھے جلال خان، میر عالی اور نوس۔ جلال خان کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ رند، لاشاری، ہوت اور کورائی اور اس کی بیٹی کا نام جتو تھا۔ ان سے بلوچوں کی الگ الگ قومیں پیدا ہوئیں۔ رند قوم کی چند اہم شاخیں یہ ہیں۔ رند، ڈونکی، جھکراں، لغاری، کھوسہ، جمالی، بوزدار، چاکرانی وغیرہ۔ لاشار کی اولاد یعنی لاشاریوں کی بہت سی شاخیں ہیں مثلاً گورانی، بھوتانی، کلوانی وغیرہ۔ ہوت کی اولاد چانڈیا ہیں جو ہوت کے دو بیٹوں حاجی اور حسین کی اولاد ہیں اور ہر ایک کی شاخیں ہیں مثلاً غیبانی، گہرامانی، بہرانی، قمبرانی، سندررانی وغیرہ۔ کورائی کی اولاد کورائی بلوچ کہلاتے ہیں جن کی شاخیں یہ ہیں مثلاً کورائی، چانڈی، بدانی، رستی۔ جلال خان کی بیٹی جتو کی اولاد جتوئی ہیں۔ اس کی شادی چچازاد بھائی مراد خان سے ہوئی جو نوس بن ہرین کا بیٹا تھا۔ ان بلوچوں کی شاخیں یہ ہیں۔ جتوئی، بیلا، ترٹ، شر، کوش، کھروش، زنگیجا۔

میر عالی ولد ہرین کے دو بیٹے تھے ایک زیندی خان دوسرا مراد خان۔ زیندی خان کے دو بیٹے تھے ایک سندر دوسرا حاجی ان کی اولاد کو بلدی یا بلیدی یا بزدی کہتے ہیں اور ان کی بھی بہت سی شاخیں ہیں۔ مثلاً سندرانی، جاجیجا، بجارانی وغیرہ۔ مراد خان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے اپنی چچازاد بہن سے شادی کی جس کی اولاد جتوئی کہلائی جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اوپر والے بلوچوں کی اہم شاخوں کا احوال الگ الگ ناموں کے تحت دیا جائے گا۔ بلوچوں کو شعر میں میر پچی بھی کہتے ہیں۔

بورا یا بوہرا:۔ یہ اسماعیلی شیعہ ہیں اور داؤدی شیعہ کہلاتے ہیں۔ ان کو امام جعفر الصادق چھٹے امام کے بیٹے اسماعیل سے نام علاوہ باقی دوسرے اماموں کو نہیں مانتے ہیں۔ گیارہویں صدی عیسوی میں ایک اسماعیلی عالم اور واعظ کھنبھات میں آیا اور وہاں کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کو مسلمان کر کے اپنے مذہب میں لایا۔ سنہ 1588ء کے قریب جب مصر کے فاطمی خلفا جن سے ان کا واسطہ تھا اقتدار سے ہٹ گئے تب گجرات کے بوہروں نے عرب کے اسماعیلیوں سے واسطہ توڑ دیا اور ادھر اپنا بزرگ یا ملا داؤد نامی مقرر کیا اور اسی کے نام سے منسوب ہوتے آئے ہیں۔ ان کی رسومات اکثر دوسرے اثنا عشری شیعوں جیسی ہیں۔ حج اور کربلا کی زیارت کرتے ہیں، عاشورہ محرم کرتے ہیں، شیعوں کی طرح ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں جمعہ کی نماز با جماعت نہیں پڑھتے اچھے بیوپاری ہیں۔ پہلے سندھ میں نہیں تھے بعد میں میروں کی حکومت کے آخری دنوں میں انگریز سرکار کے دور کے شروع میں سندھ میں آئے۔

بیراگی:۔ یہ ہندو فقیروں کی ایک قوم ہے۔ یہ تارک الدنیا رہتے ہیں۔ ان کے دو فرقے ہیں ایک بندی جو شادی نہیں کرتے۔ وہ وشنو دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔ اکثر سیلانی ہیں اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتے ہیں۔

بدھ:۔ بدھ دھرم کے لوگ قدیم وقت سے یعنی حضرت عیسیٰ سے بھی دو تین سو برس پہلے ہندوستان، چین اور تاتار میں تھے۔ اس دھرم کے لوگ قدیم سندھ میں بھی ہوتے تھے اور ان کے مندر بھی تھے۔ یہ باتیں چچ نامہ سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔ عربوں کی فتوحات کے وقت عیسوی ساتویں صدی کے آخر میں برہمنوں کا دھرم بھی زور پکڑنے لگا۔ اور برہمنوں کی حکومت بھی ہند اور سندھ میں تھی۔ چچ خود برہمن تھا۔ بدھ دھرم والوں کے ستون اور نشان اب تک نظر آتے ہیں۔

بھاٹیا:۔ یہ اصل بھٹی راجپوت ہیں اور یادو فرقہ کے ہیں۔ جن سے جیسلمیر کے راجا تھے۔ یہ ویشنوں ہیں اور ولبھاچاری فرقہ کے ہیں۔ سندھ میں اکثر کاروبار کرتے ہیں۔ ٹھٹھ کی طرف بڑی تعداد میں ہیں۔ ان میں سے اکثر نوکری بھی کرتے ہیں۔

بھٹ:۔ یہ مخلوط النسل ہندو ہیں یعنی ان کے بڑے دادا کا باپ کھتری اور ماں ویش تھی۔ وہ اکثر گاتے ہیں اور بھیک پر گزارہ کرتے ہیں۔ گوشت بھی کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں۔ لیکن مارواڑی بھٹ گوشت اور شراب استعمال نہیں کرتے۔

بھیل:۔ یہ اصل مارواڑ کے ہیں۔ جو سندھ میں خاص طور پر تھر میں آکر رہنے لگے۔ یہ اصل چوری کرتے تھے اور اب کھیتی، نوکری اور محنت مزدوری بھی کرتے ہیں۔ دیوی کے پجاری ہیں وہ اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں اور ہر قسم کا گوشت حرام یا حلال کھاتے ہیں۔ آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔

پتافی:۔ کورائی بلوچوں کی ایک شاخ ہے اور وہ اکثر بہاولپور ریاست میں رہتے ہیں۔ ان کا دادا کورائی تھا جو جلال خان ولد ہرین کا بیٹا تھا۔ دستی اور بزدائی بھی اس شاخ کے حصے ہیں۔ سندھ میں میرپور ماتھیلو اور اباوڑی کی طرف رہتے ہیں۔

پنوہر:۔ پنوہار عربوں کی نسل سے ہیں جو ان کی فتح کے بعد سندھ میں رہ گئے تھے یہ حارث کی اولاد ہیں۔ ان کا ایک سردار میر پنوہار نامی سن 1108 ہجری (سنہ 1696ء) کے قریب میاں نصیر محمد کلہوڑا کے دنوں میں بکھر کے حاکم سے لشکر لے آیا جس کا سپہ سالار سیوی کا حاکم مرزا

خان پتی تھا۔ اور میاں نصیر محمد خان سے آکر لڑائی کی کیوں کہ اس نے وہاں آکر نام پیدا کیا اور اپنے مرید جمع کیے تھے لیکن بعد میں صلح ہو گئی اور میاں کو اورنگزیب بادشاہ کی طرف روانہ کیا جس نے اس کو قید کر لیا لیکن وہ جلدی ہی بھاگ نکلا اور دوبارہ جنوہروں کے ملک میں آکر کھاری کا شہر آباد کر کے رہنے لگا اور جتری کا گاؤں اپنے مریدوں اور فقیروں کو دیا۔ سنہ 1113 ہجری (سنہ 1706ء) میں میاں نصیر محمد کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے میاں دین محمد سے پھر لڑائی کی آخر اس نے ان کو جیت کر زیردست کیا ان میں سے بہت سارے نکل کر شکار پور میں آکر رہے جو ان کا خاص شہر تھا لیکن میاں یار محمد کلہوڑا کے دنوں میں کلہوڑا ادھر بھی آنکلے اور ادھر اپنا شہر خدا آباد تعمیر کیا اور وہاں سے آس پاس میں پھیلنے لگے۔ جنوہر، برفتوں اور جو کھیوں سے بھی منسلک ہیں۔

جت:۔ یہ خالص سندھی قوم ہے اور قدیم سندھ میں بھی ہوتے تھے۔ پہلے کچھ میں بھی تھے وہاں سے پھر جنوب کی طرف آئے۔ جاتی کا تعلق خاص طور پر ان کا تھا اور اس کا نام اس قوم کی نسبت سے ہے۔ وہ اونٹ رکھتے پالتے اور چراتے آئے ہیں۔ جنگلی لوگ ہونے کے سبب سے وہ سندھ میں بھی جت کہے جاتے ہیں۔ یہ جت بلوچوں کی طرح ہارون مکرانی کی اولاد کہی جاتی ہے۔ جس طرح اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

جتوئی:۔ یہ بلوچ مائی جتو کی اولاد ہیں جو جلال خان ولد ہرین کی بیٹی تھی اور اس کی شادی اپنے چچازاد بھائی مراد ولد نوس سے ہوئی تھی اس کی بہت سی شاخیں تھیں مثلاً جتوئی، ببلا، ٹرٹ، شر، کروش اور زنگیجا وغیرہ۔ یہ اکثر روہڑی کی طرف رہتے ہیں اور حیدرآباد ضلع میں بھی ہیں۔

بجگرانی:۔ یہ بجگرے کی اولاد ہیں جو میر چاکر خان کی نسل سے تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بجگرا ابراہیمی سا تھا جو میر چاکر خان کے ساتھ رہتا تھا اور خود کو بلوچ کہلاتا تھا ان بلوچوں کی آٹھ شاخیں ہیں، شہوانی، سوجانی، ستانی، ملکانی وغیرہ۔ دریا خان بجگرانی مشہور اور زبردست چور تھا جس نے سر چارلس نیپئر کو بہت تکلیفیں دیں آخر اس نے معافی دی اور جاگیر بھی دی۔ لیکن پھر اس نے فساد کیا اور دہلی والے غدر میں شامل ہونے کی وجہ سے گرفتار کر کے عدن روانہ کیا گیا جدھر وہ فوت ہو گیا۔

جمالی:۔ یہ رند بلوچوں کی ایک شاخ ہے اور اکثر سرحد سندھ اور شہداد پور تعلقہ میں رہتے ہیں اور لاڑکانہ اور کراچی میں بھی رہتے ہیں۔ ان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ شیر خانانی، رندانی، لعل خانی اور بھنگری۔

جوکھیا:۔ یہ سما قوم میں شامل کئے جاتے ہیں اور راجپوت نسل سے ہیں اور مکران سے سندھ میں آئے۔ اور نومڑیوں سے متصل ہیں یہ لوگ لاڑ میں آ کر رہے اور دو سو برس تک چوری اور لوٹ مار پر گزارہ کرتے رہے ان میں سے ایک شخص بہار جوکھیہ کو میاں غلام شاہ کلہوڑا نے جاگیر دی اسلئے کہ اس نے دھاراجہ کے راجا کو جا کر مارا تھا جو اس کے لیے مشکلات پیدا کر رہا تھا۔ پھر یہ لوگ ملیر کے جنوب میں حب ندی اور گھارو کے درمیاں رہ کر طاقتور بنے۔ شروعاتی دنوں میں جو تجارتی مال کراچی سے ٹھٹہ کی طرف جاتا تھا اس پر سرکار ان لوگوں کو سالانہ ساڑے چھ ہزار دیتی تھی۔ جوکھیے اور نومڑیا اس بات کے پابند تھے کہ جو قافلے کراچی سے سیوہن جاتے تھے ان کی حفاظت کریں گے۔ سیوہن کے بنوہر اور لسیبلے کے برفت ان میں شامل تھے۔

جوگی:۔ یہ ہندو فقیروں کی ایک قوم ہے جو فقیر جوگ میں رہتے ہیں یعنی ریاضتیں کرتے ہیں۔ یہ اصل سنسکرت لفظ یوگی ہے۔ یہ بھیک مانگتے ہیں۔ شادی نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو اپنوں میں۔ ان میں سے کچھ لوگ کان کی لو میں چھید کر کے اس سوراخ میں شیشے اور لکڑی کی دھاتوں کے موٹے چھلے پہنتے ہیں اور گیرو رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ شو کے پجاری ہیں اور ان کا مرشد گورکھ ناتھ ہے۔ جو چودھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے ان کے جو لوگ مرتے ہیں ان کو بٹھا کر نیچے پاؤں چینی رکھ کر دفن کرتے ہیں۔ مسلمان جوگی بھی ہیں جو اکثر مرلیاں بجاتے ہیں اور سانپ پکڑتے ہیں اور ان کو گھماتے ہیں اور منتر پڑھتے ہیں وہ گوگا چوہان کے مرید کہلاتے ہیں۔

جین:۔ اس دھرم کے ہندو لوگ بدھ دھرم والوں جیسے ہیں جانور کیڑے مکوڑے، بچھو، سانپ وغیرہ کو نہیں مارتے بعض لوگ تو کپڑا منہ پر رکھ کر چلتے ہیں کہ کہیں کوئی کیڑا منہ میں نہ گھس جائے۔ یہ لوگ اصل میں مارواڑ کی طرف رہتے تھے وہاں سے سندھ میں آئے اور تھرپارکر کی طرف رہتے ہیں۔

بھٹیا یا جاٹیا:۔ کلالوں کی طرح ہندو ہیں جو مارواڑ سے سندھ میں آئے۔ شو کے پجاری ہیں اور رام دیو کے مرید ہیں۔ یہ چمڑا رنگنے کا کام کرتے ہیں۔ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں۔ حیدرآباد میں اکثریت میں ہیں۔ اگلے وقتوں سندھ میں نہیں تھے انگریز سرکار کے دنوں میں سندھ میں آئے۔

چاچڑ:۔ اصل ہندو تھے بعد میں مسلمان ہوئے اور سما قوم میں داخل ہیں۔ اکثر سرحد، سندھ، سکھر اور لاڑکانہ ضلعوں میں رہتے ہیں۔ زراعت اور مویشی پالنے کا کام کرتے ہیں۔

چارن:۔ بھٹوں کی طرح یہ بھی گانے والے ہندو فقیر ہیں اور راجپوت ان کی قدر کرتے ہیں۔ اکثر تھرپارکر ضلع میں ہیں۔ بھیک مانگ کر گزارہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ کھیتی کرتے ہیں اور مویشی پالتے ہیں۔ وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں اور بچوں کو دفن کرتے ہیں۔ ان کا لباس مارواڑیوں جیسا ہے۔ گوشت اور شراب استعمال کرتے ہیں۔

چانڈیا:۔ یہ بلوچ قوم سے ہیں اور ہوت کی اولاد ہیں۔ جو جلال خان ولد ہرین کا بیٹا تھا۔ ہوت کے دو بیٹے تھے۔ حاجی اور حسین۔ ان کی دو شاخیں ہیں۔ حاجی کی اولاد غیبانی، گھرلانی، مرزائی، سالانی اور چولیانی۔ اور حسین کی اولاد منائی، معصریانی، بھرانی، قمبرانی، ممدانی اور سندرانی تھے۔ وہ چانڈکا کے علاقے میں رہتے ہیں یعنی شکارپور اور لاڑکانہ کی طرف۔ غیبی دیرا ان کا اہم شہر ہے جو غیبی خان ولد ولی محمد کے نام سے منسوب ہے۔ اس کو بڑی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ تاریخ سندھ کے مطابق وہ بہت سی جگہوں پر وہ جنگوں میں شامل ہوئے تھے۔ خاص طور پر کلمیوں سے ان کا مستقل جھگڑا رہتا تھا۔ اس لئے چانڈیا کلمی ایک کہاوت سندھی میں مشہور ہو گئی ہے۔

خواجا یا کھوجا:۔ یہ اصل ہندو لوہانہ تھے جو پندرھویں صدی میں مسلمان ہو گئے اور اسماعیلی شیعہ فرقہ میں آئے جس فرقہ میں بورا بھی آئے۔ سنہ 1430ء میں پیر صدر الدین نصیری فرقہ کے اسماعیلی شیعوں سے سندھ اور گجرات میں آیا اور مرید بنانے لگا۔ برہمنوں اور پنڈتوں کی مدد سے اس نے مذہب کو ہندو رنگ دیا اس لئے بہت سے لوہانہ اس کے مرید بنے اور ان کو اس نے خواجوں کا نام دیا۔ اس فرقہ کا بانی حسن صباح تھا جو تاریخ میں مشہور شخص گزرا ہے۔ وہ اپنے امام کا بڑا داعی یا مشنری تھا اور ان اماموں کی اولاد سے آغا حسن علی تھا جس کو آغا خان کہتے ہیں۔ وہ سنہ 1842ء میں ایران سے سندھ میں آیا اور خواجوں کا پیر بنا۔ اس مذہب کے مطابق ہندو دیوتا وشنو کے نو اوتار شمار کر کے دسواں اوتار حضرت علی کو شمار کرتے ہیں۔ وہ شیعہ ہیں اور پہلے چھ اماموں کو مانتے ہیں اور بعد والے چونتیس دوسرے امام شمار کر کے آگر آغا خان پر پہنچتے ہیں جو ان کا موجودہ امام ہے قرآن اور نماز نہیں پڑھتے۔ پیر صدر الدین کی بنائی ہوئی پوتھی پڑھتے ہیں۔ وہ داڑھی منڈاتے ہیں اور مونچھیں رکھتے ہیں۔ شریعت کے مطابق ورثہ نہیں لیتے لیکن ہندو قاعدے کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ خواجوں کے دو فرقے ہیں ایک پنجائی جو محرم میں تعزیہ نکالتے ہیں اور دوسرے شیعوں سے شامل ہیں جو آغا خان کے عقائد کے خلاف ہیں اور دوسرے پنجی بھائی، جو آغا خان کے فرمان کے تحت ہیں اس کو زکوۃ

دیتے ہیں وہ دن میں تین دفعہ نماز پڑھتے ہیں یا عبادت کرتے ہیں لیکن مسلمانوں اور ہندوؤں کے مخلوط زبان میں اپنے بزرگوں کو مکھی کہتے ہیں اور اپنے عالموں کو بھگت ان کے پاس مسجد نہیں اس کے بجائے جماعت خانے ہیں۔ یہ دونوں فرقے آپس میں شادیاں کرتے ہیں اور بچپن میں ہی بچوں کی ختنہ کراتے ہیں۔ بڑائی شیعا داڑھی رکھواتے ہیں اور دوسرے اثنا عشری شیعوں یا امامیہ مذہب والوں کی طرح نماز اور قرآن پڑھتے ہیں لیکن ورثا ابھی تک ہندو مذہب کی طرح تقسیم کرتے ہیں ان کا قبرستان بھی الگ ہے کیونکہ دوسرے ان کے مخالف ہیں۔

داؤد پوتا۔ داؤد پوتا:۔ اس سے پہلے عباسی کلہوڑا کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ جام چینسر کے ایک پوتے داؤد نامی کی اولاد ہیں۔ یہ خود کو اصل عباسی خلیفوں کی اولاد امیر احمد کی نسل سے مانتے ہیں جو مکران سے سندھ میں آیا تھا۔ اس نے اور اس کے بیٹے نے ہندو حاکموں کی بیٹیوں سے شادیاں کیں اور وہاں حاکم بن کر رہے لیکن پھر برہمن آباد کے ہندو راجا نے ان کو نکال کر دریا کے پار بھگا دیا وہ سیوہن کے قریب جا کر رہے۔ جام چینسر کو اکبر بادشاہ سے جاگیر ملی تھی پھر اس کو اپنے بھتیجے کلہوڑا سے لڑنا پڑا آخر بیزار ہو کر شمال کی طرف چلا گیا اور زمینداری کرنے لگا۔ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ داؤد پوتا اصل کوری تھے اور ان کا دادا داؤد دو سو برس عمر کا تھا۔ داؤد کی آٹھویں پشت میں بہادر خان اورنگزیب بادشاہ کے دنوں میں بکھر کے حاکم کے پاس ایک مشہور شخص تھا۔ لکھی اور خانپور اس کو بطور جاگیر ملی۔ وہاں پر ایک بڑا جنگل تھا جس میں شکار کرتا تھا۔ ان دنوں میں شیر خان مہر اپنی قوم کا لشکر لے کر ایا وڑو سے آکر لکھی اور آس پاس کے علاقہ پر قبضہ کر کے بیٹھ گیا۔ بہادر خان نے اس سے جنگ کی اور بھگا کر شکار پور چھین کر شہر تعمیر کرایا اور شکار گاہ ہونے کے سبب شکار پور کا نام دیا۔ یہ سنہ 1026 ہجری (سنہ 1617ء) کا ذکر ہے زیادہ تفصیل تاریخ سندھ سے معلوم ہو گا۔

دریاہ پنتھی:۔ یہ ہندوؤں کا ایک مذہبی فرقہ ہے جس کے لوگ پنجاب اور شمالی ہندوستان میں ہیں۔ لیکن کچھ لوگ سندھ میں بھی ہیں وہ دریا کی پوجا کرتے ہیں۔ سندھ میں ان کی دو پاک جگہیں ہیں ایک زندہ پیر یا خواجہ خضر کا آستانہ، روہڑی اور بکھر کے بیچ میں اور دوسرا اڈیرو لال جھیموں کی گاؤں میں جس کو مسلمان شیخ طاہر کہتے ہیں اس کا احوال اوپر دیا گیا ہے۔

دھاریجا:۔ یہ اصل ہندو تھے جو پھر مسلمان ہو گئے۔

ڈومکی:۔ یہ بلوچوں کی ایک قوم ہے۔ ڈومب ایک پہاڑی ندی کا نام ہے جس جگہ پر وہ رہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے سردار میر چاکر خان نے ایک ڈوم عورت یعنی مطربہ سے شادی کی تھی اس سے جو اولاد ہوئی اس کو ڈومکی کہنے لگے۔ یہ قوم رندوں کی ایک شاخ ہے۔ ڈومکیوں کی بہت سی شاخیں ہیں مثلاً میر وئی، وزیرانی، محمدانی، برہانی، علانی، دینازی، کرگیز، لنڈ وغیرہ۔

ڈھیڈھ:۔ یہ کمتر درجے کے ہندو ہیں اور اصل گجرات اور راجپوتانہ میں رہتے تھے۔ قحط کے دنوں میں وہاں سے سندھ میں آئے اور تھرپارکر میں رہنے لگے وہ مرے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتارتے ہیں اور ان سے جوتیاں بناتے ہیں وہ دیوی کے پجاری ہیں۔

ذکری:۔ یہ ایک مذہبی فرقہ ہے جس کو دائی بھی کہتے ہیں یہ اصل مکرانی ہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں مگر حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس کی جگہ پر مہدی آیا ہے اور اپنے پیر رحمت یاردست محمد نامی کو مہدی جانتے ہیں وہ قرآن پڑھتے ہیں ان کے اس پیر نے اپنی قبر کے قریب ایک درخت کی جڑ سے ایک نئی کتاب نکالی اب وہ لوگ مکہ کے بجائے اس جگہ پر زیارت کیلئے جاتے ہیں وہ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں فقط جمعہ کے روز بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں۔ جو اسلامی ذکر سے مختلف ہے۔ کراچی کے مکرانیوں میں سے چند لوگ اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

راجپوت:۔ ان میں سے تھرپارکر کے سوڈھے ہیں جو اجین سے سنہ 1226ء کے قریب آئے ان کا سردار سرہار سوڈھا تھا جس نے عمرکوٹ آکر قبضہ کیا اور خود کو رانا کہلوا کر حاکم بن کر بیٹھ گیا۔ کلہوڑا اور تالپور کے زمانہ میں یہ طاقت ور تھے انہوں نے کلہوڑا اور تالپور حکمرانوں کو اپنی بیٹیاں دیں جس طرح ان راجپوتوں نے دہلی کے مغل بادشاہوں اکبر اور دوسروں کو دی تھی۔ وہ ہندو ہیں لیکن ان کی مسلمانوں جیسی شباہت اور پوشاک ہے۔ شیو کی پوجا کرتے ہیں۔ ٹھکر بھی کہلاتے ہیں۔ راٹھوڑ بھی سوڈھوں کی طرح راجپوت ہیں وہ زمینداری کرتے ہیں۔

رند:۔ یہ بلوچ رند کی اولاد ہیں جو جلال خان ولد ہرین کا بڑا بیٹا تھا ان کا دادا میر چاکر خان تھا جو پہلے آکر بلوچستان میں رہا اور پھر پنجاب کی طرف گیا اور سنگھری میں جاکر رہا اور وہاں پر اس نے وفات پائی اس کی اولاد سے رند، ڈومکی، جکھرانی، لغاری، کھوسہ، جمالی اور کئی اور قومیں ہیں۔ رندوں کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں جلارانی، چاکرانی، میروزانی، شاہیجاراونی، بزدار وغیرہ۔ یہ لوگ لاڑکانہ اور شکارپور کی طرف اکثریت میں ہیں۔ اور حیدرآباد کی طرف بھی ہیں۔

زردشتی:۔ یہ مذہبی فرقہ ہے اس مذہب والوں کو پارسی کہتے ہیں۔ ان کا نبی زردشت تھا۔ یہ آگ کو پوجنے کی وجہ سے آتش پرست کہلاتے ہیں اور پارسی میں اس کو گبر کہتے ہیں۔ سورج کی بھی پوجا کرتے ہیں اور سمندر کی بھی۔ پہلے نوساری اور سورت کی طرف ایران سے آئے اور بمبئی اور گجرات میں پھیل گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کے مندر ہیں وہاں پر ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے اور اس آگ والی جگہ کو آگیاری کہتے ہیں۔ ان کے پادریوں اور عالموں کو دستور کہتے ہیں۔ کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں بھی رہتے ہیں۔ یہ دولتمند اور کاروباری لوگ ہیں۔ انگریزوں کے آنے کے وقت ان کے ساتھ سندھ میں بھی آئے۔

سرائی:۔ سرے یا شمالی سندھ کے لوگ یا پنجاب سے آئے ہوئے لوگ جو پنجابی یا سرائکی زبان بولتے ہیں۔ کلہوڑے بھی سرائی سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سرائکی بولتے تھے۔ تالپور اور کچھ بلوچ بھی سرائکی بولتے تھے۔

سندھی:۔ یہ کوئی قوم یا مذہبی فرقہ نہیں ہے۔ جو سندھ کے خاص سندھی لوگ ہیں اور باہر سے نہیں آئے ہیں ان کو سندھی کہا جاتا ہے عام طور پر سما، سومرا، جت، جو کسی بڑے نسل اور گروہ میں شامل نہیں ہیں وہ سندھی سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی وہ بلوچ، پٹھان، بروہی یا عرب وغیرہ نہیں ہیں۔

سُنّی:۔ مسلمانوں میں سنت جماعت والے جو حضرت محمد ﷺ کے بعد چار خلیفوں کو مانتے ہیں اور شیعوں کے خلاف ہیں۔ سنیوں کے چار امام ہیں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ سندھ کے سنی اکثر حنفی مذہب کے ہیں۔ سیدوں سے بھی کچھ سنی کچھ شیعہ ہیں یہ موقع پر ہی بتایا گیا ہے۔ سنی اور شیعوں کا کن باتوں پر اختلاف ہے وہ مذہبی کتابوں میں دی گئی ہیں۔

سنیاسی:۔ ہندو فقیر جو دنیا کو ترک کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشیں مار دیتے ہیں وہ شو کے پجاری ہوتے ہیں۔ پہلے فقط برہمن چوتھی منزل میں سنیاسی ہوتے تھے اب کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اکثر پیلے یا گیرو رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ شادی نہیں کرتے۔ بعض عورتیں بھی سنیاسی ہوتی ہیں۔ گوشت یا شراب استعمال میں نہیں لاتے ہیں لیکن بھنگ زیادہ پیتے ہیں۔ اکثر بھیک مانگ کر گزرہ کرتے ہیں۔

سوچی:۔ ہندو موچی جو اکثر مارواڑ کے ہیں ان کو سوچی کہتے ہیں۔ جوتیاں، زینیں اور دوسری چمڑے کی چیزیں بناتے ہیں۔ مسلمان جوتیاں جوڑنے والوں کو موچی یا سراز کہتے ہیں۔ مارواڑی، ڈھیڈھ اور منگھوار بھی یہ کام کرتے ہیں۔

سوڈھا:۔ راجپوت ہیں جو تھرپارکر کی طرف رہتے ہیں ان کے سردار رانا کہلاتے ہیں۔ جب ان کا بڑا پرمار سوڈھا نے سنہ 1226ء میں اجین سے نکل کر عمر کوٹ پر حملہ کیا تب سومرہ سندھ کی گدی پر تھے۔ سنہ 1542ء میں ہمایوں نے ایک رانا کے پاس آکر پناہ لی تھی۔ سنہ 1859ء میں سوڈھوں نے فساد کیا تھا اس لئے انگریز سرکار نے فساد بند کرانے کیلئے سوڈھوں کے سردار یا رانا کو چودہ برس قید کی سزا دی تھی اور اس کے وزیر کو دس برس۔

سومرا:۔ اصل راجپوت تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے وہ آٹھویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی تک سندھ کے حکمران رہے اور ان کے بعد سما آئے ان کے اصل کے متعلق پہلے سما قوم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

سنار:۔ یہ سونے کا کام کرنے والے ہیں یہ مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔ سندھی بھی ہیں اور کچھی بھی اور مارواڑی بھی۔ ہندو سنار دیوی کے پجاری ہیں اور اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں ایسی کاسبی قومیں سندھ میں اور بھی بہت ہیں جو ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی مثلاً جلاہے، کمہار، لوہار اور مالی وغیرہ۔

سید:۔ حضرت ﷺ کی بیٹی بی بی فاطمۃ الزہرا اور جناب مولا علی کی اولاد کو سادات یا اہلبیت کہتے ہیں۔ وہ حسنی یا حسینی ہیں۔ جب چنگیز خانی مغلوں نے وسط ہندوستان میں مظالم شروع کئے تب بہت سے سید بھاگ کر سندھ میں آئے اور سیوہن، بکھر اور ٹھٹھ میں آکر بس گئے۔ ایران اور دوسری جگہوں سے بھی بہت سارے آ گئے۔ ان کے متعلق احوال الگ الگ شہروں میں دیا گیا ہے۔ سید لفظ کے معنی ہیں سردار اور یہ حضور ﷺ کا لقب ہے جو ان کی اولاد کو دیا گیا۔

شکاری:۔ جس طرح ہندوستان میں بھیل ڈیڈھ ہیں اس طرح سندھ میں شکاری ہیں۔ یہ جنگل میں شکار کرتے یا کراتے ہیں۔ اس لئے شکاری کہلاتے ہیں۔ یہ مردار شکار کھا جاتے ہیں۔ حرام کھانے کے سبب وہ پلید سمجھے جاتے ہیں اگرچہ مسلمانوں کی طرح نام رکھتے ہیں جب حرام کھانا چھوڑ دیتے ہیں اور سچے مسلمان بن جاتے ہیں تب ان کو ماچھی کہتے ہیں۔ جس طرح نو مسلم ہندو کو شیخ کہتے ہیں۔ کہیں کہیں ان کو بھنگی یا جنگلی بھی کہتے ہیں۔ اور جھاڑو دیتے ہیں اور حاجت خانہ بھی صاف کرتے ہیں اور تیلیوں سے ٹوکریاں اور چھاج بناتے ہیں۔

شیخ:۔ عربوں میں شیخ کسی بزرگ یا ولی یا پیر مرد یا خاندان کے بڑے بوڑھے کو کہتے ہیں۔ ہند اور سندھ میں ہندو اور دوسرے مذہب والوں کو مسلمان ہوتے پر یہ آبرو والا نام دیتے ہیں۔

شیعہ:۔ مسلمانوں کا فرقہ جو سنت جماعت والوں یا سنیوں کے برخلاف ہے اس کو شیعہ کہتے ہیں۔ ان کے اعتقاد کے مطابق نبی ﷺ کے بعد خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے اور پھر اس کی اولاد پشت بہ پشت بارہ اماموں تک اس لئے ان کو اثنا عشری شیعہ یا جعفری شیعہ یعنی امام جعفر صادق کی پیروی کرنے والے یا اماموں کو ماننے والے کہا جاتا ہے۔ یہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ سنیوں اور شیعوں کے درمیان اور بھی دوسری باتوں میں فرق ہے جو مذہبی کتابوں سے معلوم ہوگا۔

صوفی:۔ صوفی یعنی تصوف کے اعتقاد اور خیالات والے لوگ۔ شروع میں ایران اور عرب سے ہند میں آئے پھر وہاں سے سندھ اور دوسری طرف گئے۔ سندھ میں صوفیوں کا خاص مکان جھوک ہے۔ شاہ عنایت صوفی مرشد تھے جس کو میاں نور محمد کلہوڑا نے بادشاہ کے حکم سے قتل کرایا۔ دوسری گادی روہڑی میں سید جان شاہ والی ہے۔ تھر والے نارے کی طرف بھی صوفیوں کا ایک گاؤں ہے اس طرح سندھ کے بہت سے مقامات پر صوفی ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں ایک مرشد کے مرید ہیں۔ ظاہری طور پر گیرو رنگ والے کپڑے پہنتے ہیں اور راگ اور سماع کرتے ہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی یا سچل سرمست یا سندھ کے بہت سے شاعروں کو صوفی شاعر کہا جاسکتا ہے۔ عام رواجی صوفی فقیر اکثر بھیک مانگتے رہتے ہیں۔

عامل:۔ ہندو کھتری جو اصل میں پنجاب سے آئے اور کلہوڑا اور میروں کے دنوں میں ان کے پاس ملازمت کرتے اور دفتر کا کام کرتے تھے اس لئے دیوان اور منشی کہلائے جاتے تھے۔ سرکاری کاموں میں مشغول رہنے کے سبب عامل کہلاتے تھے۔ ان میں سے دیوان گدومل مشہور گزرا تھا جس کا ذکر اوپر بیان کیا گیا تھا۔ اکثر حیدرآباد میں عامل ہیں ان میں سے اکثر لالا ہیں۔ ٹلٹی میں بھی موجود ہیں۔

عباسی:۔ یا بنی عباس یعنی عباس کی اولاد جو حضرت ﷺ کے چچا تھے۔ ان میں بہت خلیفے تھے جو بغداد میں حاکم تھے۔ ان کے زمانہ میں یا جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا اس کے بعد اس نسل کے بہت سے لوگ سندھ میں آئے۔ ان کی اولاد عباسی تھے۔ اکثر کلہوڑوں کو عباسی کہا جاتا ہے ان کو سرائی اور میاں بھی کہتے ہیں۔ ان کے مریدوں یا فقیروں کو میانوال کہا جاتا ہے۔

علوی:۔ یعنی علیؓ کی اولاد حضرت ﷺ کی بیٹی یعنی امام حسنؓ اور حسینؓ کی اولاد کو سادات یا سید کہا جاتا ہے، مگر حضرت علیؓ کی اولاد جو ان کی دوسری بیویوں سے تھی علوی کہلاتے ہیں۔ سندھ میں یہ لوگ شکارپور اور دوسری جگہوں پر ہیں۔

عمرانی:۔ بلوچوں کی قوم ہے اور بزدی قوم کی حاجیجا والی شاخ کا ایک حصہ ہیں۔ کھوسہ کی بھی ایک شاخ عمرانی ہیں اور کھوسہ رندوں میں سے ہیں۔

عیسائی:۔ یعنی نصرانی یا کرستان حضرت عیسیٰ کی امت ہیں۔ انگریز اور دوسرے یورپین سب عیسائی ہیں۔ دیسی لوگ ہندو یا مسلمان یا گوانی یا مدراسی جو عیسائی بنے ہیں ان کو کرستان کہتے ہیں۔ یہ انگریزوں کی فتح کے بعد سندھ میں بہت تھے اس سے پہلے اتفاق سے آتے تھے۔ انگریزوں سے پہلے بھی چند دیسی عیسائی ٹھٹھ کے رہنے والے تھے ان کو فرنگی کہتے تھے۔

فقیر:۔ یہ کوئی خاص قوم نہیں ہیں جو ہندو یا مسلمان قوم میں بھیک پر گزارہ کرتی ہیں ان کو فقیر کہتے ہیں۔ صوفی فقیر سب سے بہتر ہیں۔ ہیجڑوں کو بھی فقیر کہا جاتا ہے۔ ہندو لوگوں میں بیراگی، سنیاسی، گوسائیں اور جوگی فقیر کہے جاتے ہیں۔ کلہوڑوں کے مرید بھی فقیر کہلاتے ہیں ان کو میانوال بھی کہا جاتا ہے۔ اکثر سید بھی فقیر ہیں۔ کیسری جو بندر نچاتے ہیں ڈھول بجانے والے سارنگی نواز بھاٹ اور ایسے کئی لوگ فقیر کہلاتے ہیں۔

قریشی:۔ قریش قبیلے کے عربوں کو قریشی کہتے ہیں۔ حضرت ﷺ خود بھی قریش تھے۔ اس قبیلے کے لوگ عربوں کی فتح کے بعد سندھ میں آئے ان کی اولاد قریشی تھے۔ لیکن نچلی ذات والے پاچھا اور لوگ جبراً خود کو قریشی کہلاتے ہیں جس طرح اکثر لوگ خود کو سید کہلاتے ہیں۔ سندھ کے قریشی اکثر سنی ہیں۔

کراڑ:۔ تھرپارکر کی طرف والے بنیوں اور لوہانوں کو کراڑ کہتے ہیں لیکن درحقیقت وہ لوہانہ نہیں ہیں بلکہ مارواڑی ہیں کراڑ ویشنو ہیں۔

کرمتی:۔ کرمت مکران میں ایک جگہ ہے وہاں سے آئے ہوئے لوگ ہیں اس لئے ان کو بلوچوں میں شمار کیا جاسکتا ہے جس طرح بروہی اور مکرانی ہیں۔ قرمطی قوم کے لوگ مصر کی طرف بادشاہ تھے ان کا مذہبی فرقہ صوفیوں اور اسماعیلی شیعوں یعنی بوہڑوں اور خواجوں کی طرح ہند اور سندھ میں بھی آنکلا ہے۔ امکان ہے کہ کرمتی لوگ سما یا سومرہ ہوں کیونکہ اکثر سومرے کرمتی فرقہ کے تھے وہ کرمتی قدیم وقت سے ساکرہ کی طرف رہتے تھے اور ان کے سرداروں کو جاگیریں ملی ہوئی تھیں جو اب بھی ان کے پاس ہیں۔

کلال:۔ جٹیوں کی طرح کلال بھی راجپوتانہ اور تھر کی طرف سے سندھ میں آئے اور وہ ڈیڈھوں کی طرح کھتری ذات کے شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کا پیشہ چمڑا رنگنے کا ہے ان کی زبان بھی مارواڑی کی طرح ہے۔

کلہوڑا:۔ اصل عباسی اور داؤد پوتوں کی شاخ سے ہیں وہ قدیم وقت سے سندھ میں فقیر یا مرشد یا پیر بن کر رہے ہیں اور مرید کیے جن کو فقیر کہتے تھے اور خود میاں کہلاتے تھے۔ مذہب کے شیعہ تھے خصوصاً جو سندھ کی گدی پر تھے۔ اور ان کے مرید یعنی تالپور اور دوسرے شیعہ تھے ان کا احوال پہلے دیا گیا ہے۔

کورائی:۔ کورائی جلال خان ولد ہرین بلوچ کا بیٹا تھا ان کی اولاد کو کورائی کہتے ہیں یہ بہاولپور میں اکثریت میں ہیں اور روہڑی کی طرف اور سرحد سندھ میں بھی ہیں۔ ان کی خاص شاخیں یہ ہیں کورائی، بچانی، دوستی اور بدھانی۔

کولی:۔ گجرات کے نچلی ذات کے ہندو ہیں جو شاید اصل راجپوت تھے وہ کچھ گجرات سے تھر پار کر اور حیدرآباد میں آئے او عر زراعت اور مزدوری کرتے ہیں یہ ہندو دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں گوشت کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں۔

کھتری:۔ ہندو جو برہمن نہیں ہیں اور کھتری ہیں وہ اکثر پنجاب سے سندھ میں آئے اور ان سے اکثر عامل اور لالا کہلاتے ہیں بالا کی طرف پنجاب کے کھتری بڑی تعداد میں ہیں۔

کھٹی:۔ یہ کوئی قوم نہیں ہیں۔ کپڑوں کی دھلائی اور رنگائی کرنے والوں کو کھٹی کہتے ہیں یہ ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ ہندو کھٹی اکثر لوہانہ ہیں اور دوسری ذاتوں والے بھی ہیں۔ مسلمانوں میں کھٹی کپڑے دھونے والے کو بھی کہتے ہیں یعنی دھوبی کو لیکن در حقیقت کھٹی کپڑے رنگتے ہیں۔ نیل کا رنگ فقط مسلمان کام میں لاتے ہیں ہندو نہیں ان کو نیرولی کہتے ہیں۔ مسلمان کھٹی اکثر خود کو سومرا کہلاتے ہیں۔ پٹ رنگنے والوں کو پاٹولی کہتے ہیں۔

کھدڑا:۔ یہ فقیر کہلاتے ہیں اور ان کا فرقہ الگ ہے۔ مرد ہیں مگر مردانہ طاقت نہ رکھنے کے سبب کھدڑے کہلاتے ہیں اور زنانہ کپڑے پہن کر داڑھی مونچھیں منڈوا کر گاتے بجاتے ہیں۔ شادیوں پر یا بیٹوں کی پیدائش پر اکٹھے ہو کر گاتے ہیں اور اکثر تالیاں بجاتے ہیں اور خیرات مانگتے رہتے ہیں اور آپس میں مل کر رہتے ہیں۔ ان کا ایک سرپرست ہوتا ہے دوسرے سب اس کا حکم مانتے ہیں۔

جدھر کسی ہیجڑے یا بے طاقت لڑکے یا مرد کا سنتے ہیں وہاں جاکر کوشش کرکے اس کو اپنے ساتھ لے آتے ہیں جس جگہ رہتے ہیں اس جگہ کو مڑھی کہتے ہیں۔ ہندو ہیجڑے بجراسر دیوی یا دیول دیوی کی پوجا کرتے ہیں اس کی مورت رکھ کر اس پر حلوا قربانی کرنے کے بدلے نذرانہ دیتے ہیں۔ میروں کے زمانے میں حیدرآباد میں کئی مشہور مخنث گذرے ہیں جو بہت دولتمند تھے ان کے نام فضل اور گل جان تھے۔ ناظر بھی مخنثوں کی طرح ہوتے تھے جو اکثر شیدی یا حبشی ہوتے تھے اور ان کے خصیے نکال کر ان کو مخنث بنایا جاتا تھا پھر ان کو غلام بنا کر بیچا جاتا تھا اور وہ حرم سراؤں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ میر صاحبان کے بہت سے حبشی ناظر تھے۔

کھوسہ:۔ یہ بلوچوں کی ایک قوم ہے جو رندوں کی ایک شاخ ہے۔ کھوسہ اکثر پہاڑوں کے دامن اور کوہستان کے رہنے والے ہیں۔ بندویراہ میں کوٹڑی کے مغرب میں ان کی بہت سی قومیں ہیں مثلاً جمالی، چھتانی، دریانی، سمریانی، جاگیرانی اور شادانی وغیرہ۔

کھوکھر:۔ یہ اصل پنجاب کی قوم ہے جو بعد میں سندھ میں آئی۔ سنہ 1186ء کے قریب جب قطب الدین ایبک سندھ کا حاکم تھا اس وقت کچھ کھوکھر لاہور سے آئے اور قطب الدین کے بیٹے شہاب الدین کو مار ڈالا۔ سنہ 796 ہجری (سنہ 1393ء) میں محمود شاہ ولد ناصر الدین نے شیخا کھوکھر سے لڑنے کیلئے سارنگ خان کو روانہ کیا جس نے لاہور میں آکر اس کو شکست دی۔ سندھ کے کھوکھر بھی ان کھوکھروں کی اولاد سے ہیں۔

کھاوڑ:۔ یہ سرائی ہیں اور کلہوڑوں کے مرید تھے ان میں سے اکثر ان کے امیر اور لشکر کے سپہ سالار تھے جس طرح محمد حسن کھاوڑ میاں عبدالنبی کے وقت میں ان کی طرف سے میر فتح علی خان سے لڑا تھا۔ کھاوڑ لاڑکانہ ضلع میں اکثریت میں ہیں ان میں سے چند بڑے زمیندار ہیں۔

گرجی:۔ گرجستان یا جارجیا ملک کے لوگ تھے جو اصل رشیا کی رعیت تھے اور پھر رشیا اور ایران کی جنگ میں قید ہو کر ایران اور دوسری طرف گئے۔ وہاں سے چند گرجی میروں کی حکومت میں سندھ میں آئے اور میروں کے پاس رہے ان میں سے قابل ذکر مرزا خسرو بیگ تھے۔ جس کو میر کرم علی خان نے بیٹے کی طرح پالا تھا اس کا حال الگ دیا گیا ہے۔ یہ گرجی تین یا چار گھر تھے جو اب تھوڑا تھوڑا حیدرآباد شہر کے قریب رہتے ہیں۔ یہ تھے مرزا خسرو بیگ، مرزا فریدون بیگ اور مرزا قربان علی بیگ۔ ایک گھر مرزا یوسف کا جو میروں کے مقبروں پر رہتا تھا۔ ایک گھر مرزا باقر بیگ

جو ماجھو میں رہتا تھا ان کی اولاد اب تک وہاں رہتی ہے۔ وہ مرزا کہلاتے ہیں۔ اصل عیسائی یا کرسچن تھے بعد میں کم سنی میں ایران میں رہ کر مسلمان ہوئے۔

گوسائین:۔ یہ جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرح ہندو فقیروں کی قوم ہے۔ گوسائیں اکثر بھیک مانگتے ہیں اور شیو کے پجاری ہیں۔ آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔ گیروہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ مردوں کو بٹھا کر اوپر نیچے نمک ڈال کر دفن کرتے ہیں اور کچھ دریا میں بھی پھینکتے ہیں وہ گوشت کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں۔

لاشاری:۔ یہ بلوچ قوم لاشار کی اولاد ہے جو جلال خان ولد ہرین کا بیٹا تھا۔ اکثر قلات میں رہتے ہیں اور کئی سرحد سندھ میں بھی ہیں۔ ان کی سات شاخیں ہیں چوکی، گورانی، دولاور زائی، بھوتانی، ہارپانی، کلوائی اور گلن زائی۔

لغاری:۔ یہ بلوچ قوم رندوں کی شاخ ہے اور رند جلال خان ولد ہرین کا بڑا بیٹا تھا۔ یہ قلات اور سرحد سندھ میں بھی ہیں اور حیدرآباد اور لاڑکانہ ضلعوں میں بھی ہیں ان کے کچھ سردار کلہوڑا دور میں ان کی طرف سے جنگوں میں لڑے اور پھر میروں تالپوروں کے دنوں میں ان کے امیر تھے۔ خصوصاً ولی محمد خان۔ ان کو نواب کا لقب تھا اور اب تک بھی وہ نواب کہلاتے ہیں اور تاجپور میں رہتے ہیں اور جاگیر دار ہیں۔

لکھن:۔ یہ لوگ اصل ہندو تھے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ روہڑی کی طرف اکثریت میں ہیں۔ زراعت اور مویشی پالنے اور چرانے کا کام کرتے ہیں۔

لنجار:۔ لاکھے سے کی اولاد ہیں جو رتن ولد کاک کا بیٹا تھا اور کاک سہاکاک کا حاکم تھا۔ لنجار کوٹڑی کے حصے میں ہے۔ ان میں شیخ ساہڑ لنجار مشہور ولی ہو گزرا ہے جو ماجھو کے قریب پہاڑی پر دفن ہے۔

مری:۔ بلوچوں کی قوم ہے جو رندوں کی ایک شاخ ہے۔ سرحد میں مریوں کے پہاڑی پر رہتے ہیں وہ سندھ میں بہت ساری جگہوں پر رہتے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں۔ لوہارانی، اہانی، لنگرانی، بجارانی، جہندانی وغیرہ۔ تالپور بھی مریوں کی ایک شاخ ہے۔

مزاری:۔ یہ بھی رند بلوچوں سے ہیں۔ روجھاں میں رہتے ہیں وہاں پر ان کا سردار رہتا ہے وہ شہر ڈیرا غازی خان ضلع میں ہے ان کی بھی بہت سی شاخیں ہیں مثلاً بلوچانی، جرکانی، سنبلانی، گورکھانی اور ساوانی وغیرہ۔

مغل:۔ مغل اصل ترک اور تاتاری تھے جن کو پہلے منگول بھی کہتے تھے۔ دہلی کے شہنشاہ ان میں سے تھے جن کو چنگیز خانی یا تیموری یا بابری مغل کہتے ہیں۔ ارغون اور ترخان بھی مغل تھے جن کا بیان اوپر دیا گیا ہے۔ ان کی اولاد بھی سندھ میں ہے جو دہلی اور دوسری جگہوں سے سندھ میں آئی اور اکثر جگہوں پر رہتی ہے اور اکثر مرزا کہلاتے ہیں۔ حیدرآباد، شکارپور، ہالا اور لاڑ میں بھی ہیں اکثر شیعہ ہیں۔

نکمی:۔ لاشاری بلوچوں کی شاخ ہیں۔ بلوچستان کی طرف جبل میں رہتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کو بلوچ نہیں سمجھتے۔ جس طرح کورائی، عمرانی اور کئی دوسروں کو بھی نہیں سمجھتے ہیں۔

مہانا:۔ ان کو میئے اور میر بحر بھی کہتے ہیں اکثر مچھلی مارتے ہیں اور کشتیاں چلاتے ہیں ان میں بہت سی ذاتیں ہیں اکثر کم ذات والے سمجھے جاتے ہیں بہت سے امیر آدمی اس قوم کی عورتوں کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ سندھ کے حاکم جام تماچی کے پاس بھی ایک گندری ذات کی مچھیرن تھی۔

مہر:۔ یہ لوگ اصل ہندو تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔ یہ شکارپور، سکھر اور لاڑکانہ ضلعوں میں رہتے ہیں۔ مہروں اور ڈہروں نے کلہوڑوں کے دنوں میں فساد کیا اور سترہویں صدی عیسوی میں داؤدپوتوں سے بھی لڑائی کی لیکن انہوں نے ان کو مار کر خاموش کرایا ان میں سے بہت زمیندار ہیں۔

میمن:۔ یہ بھی اصل ہندو لوہانہ تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں سید یوسف الدین قادری بغداد سے ٹھٹھ میں آئے اس کے وہ مرید ہوئے اور پھر کچھ، گجرات اور بمبئی کی طرف ہجرت کر گئے۔ کچھ میمن بڑے بیوپاری ہیں وہ سنی اور زمیندار ہیں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ میمن اصل ''مومن'' لفظ ہے۔ سندھ میں اکثر خود کو قاضی اور آخوند کہلاتے ہیں جو اکثر بچوں کو پڑھاتے ہیں اور مسجدوں میں ملا بن کر رہتے ہیں اور کاروبار بھی کرتے ہیں۔

میگھواڑ:۔ یہ کمتر درجے والے ہندو ہیں۔ یہ اصل راجپوتانہ کے ہیں بعد میں سندھ میں آکر رہے خاص طور پر تھر میں جوتیاں بنانے کا کام اور دوسرا چمڑے کا کام کرتے ہیں۔ جس طرح ڈیڈھ کرتے ہیں۔ ان کی ذاتیں راجپوتوں والی ہیں مثلاً راٹھوڑ، چوہان، بھٹی، سولنگی اور پرمار وغیرہ۔ وہ مہا دیو اور دیوی کی پوجا کرتے ہیں اور رامدیو ان کا پیر ہے۔

لومڑیا:۔ان کو فارسی میں خمروی کہتے ہیں اور لومڑیا بھی کہتے ہیں۔ یہ سما قوم سے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ اصل راجپوت تھے جو پھر پہاڑ میں رہنے کے بعد سندھی بن گئے ہیں۔ کھیر تھر پہاڑ میں دوسری جگہوں پر بھی ہیں۔ان کی رشتے داری میروں، ٹالپوروں اور قلات کے خان اور لسبیلے کے جام سے تھی۔ان کے سردار کو ملک کہتے ہیں اس کو جاگیر ملی ہوئی تھی جواب تک ہے۔

وانیا:۔ان کو بنیا بھی کہتے ہیں اور تھر میں کراڑ کہتے ہیں۔ اکثر بیوپاری ہیں اور دکانداری اور کاروبار کا کام کرتے ہیں اس وجہ سے ان کو ہٹال بھی کہتے ہیں یعنی ہاٹ کری، یہ بیاج پر زمینداروں اور کسانوں کو پیسے دیتے ہیں۔اناج ناپتے ہیں اور خریدتے ہیں۔

ویشنو:۔وہ ہندو جو وشنو کی پوجا کرتے ہیں اور بعض شیو کی پوجا کرتے ہیں۔ ویشنوں کی تین قسمیں ہیں ایک ولبچاری دوسرے راماننڈی تیسرے سوامی نارائن کے پیروکار۔ پشکرنا برہمن، چند سرسوت برہمن اور سب بھاٹیا اور چند کھتری اور چند لوہانے ولبچاری ہیں۔راماننڈی اکثر چند بیراگی ہیں جو رام کی پوجا کرتے ہیں اور اس لیے ان کے ٹھاکردوارا ہیں۔ سوامی نارائن والے اکثر کچھی کاسبی لوگ ہیں۔وہ کرشن اور رادھا کی پوجا کرتے ہیں۔ان کے مندر ہوتے ہیں۔ شیو کی پوجا فقط برہمن، جوگی، سنیاسی اور گوسائیں کرتے ہیں۔ وہ لنگ کی پوجا بھی کرتے ہیں۔

یہودی:۔بنی اسرائیلوں کو یعنی حضرت موسیٰ کی قوم کو یہودی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سندھ میں قلیل تعداد میں ہیں اور اکثر کراچی کی طرف ہیں۔ انگریز سرکار کے آنے کے بعد سندھ میں آنے لگے ہیں اس سے پہلے کوئی مشکل سے ہوگا۔

maablib.org

قدیم سندھ کے ستارے

یعنی (عالم اور فاضل، مصنف اور شاعر)

دیباچہ

اس چھوٹی سی کتاب میں قدیم سندھ کے ستاروں کے متعلق تفصیل دی گئی ہے۔ قدیم سندھ کے معنی ایک صدی سے پہلے کا سندھ سمجھنا چاہئے۔ یا انگریز سرکار کی حکومت سے پہلے والا۔ ستاروں سے مطلب ہے وہ مخصوص مشہور عالم و فاضل جو مصنف یا شاعر بھی تھے۔ عالم و فاضل اور اولیاء اور درویش وغیرہ تو بیشمار ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی الگ کتاب "قدیم سندھ اور اس کے باشندے" میں کیا ہے۔ اس کتاب کی آخر میں ان لوگوں اور ان کی تصنیفوں یا کتابوں کی ترتیب وار فہرست بھی دی گئی ہے۔ جملہ ایک سو اکتالیس 141 لوگوں اور چھیانوے کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ہمارے خوبصورت سندھ میں پہلے کتنے نامور اور مشہور لوگ تھے جو سچ سچ سندھ کے چمکدار ستارے ہیں جن پر ہمیں فخر کرنا چاہئے۔ اس بات پر افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں کو ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب سندھ کے لوگ بڑے شوق سے پڑھیں گے۔

ستمبر سنہ 1923　　　　قلیچ بیگ

فصل (1)

بکھر، لوہڑی اور آس پاس والا ملک

(1) میر معصوم شاہ:۔ یہ سید صفائی بن سید مرتضیٰ ترمذی کا بیٹا تھا جو سید شیر قلندر بن بابا حسن ابدال مشہور اولیا کی پشت سے تھا اور بکھر میں آکر رہنے لگا تھا۔ وہ بڑے علم اور عمل والا بزرگ تھا۔ جب مرزا شاہ حسن ارغون سندھ کا حاکم تھا تب اس نے شاہ قطب الدین بن شاہ محمود خراسانی کو بکھر کا شیخ الاسلام اور واعظ مقرر کیا تھا جب اس نے 977 ہجری میں وفات پائی تب اس وقت کے سلطان محمود خان نے سید صفائی کو اس کی جگہ پر شیخ الاسلام مقرر کیا جس نے 991 ہجری میں وفات پائی۔ اوپر والے شاہ قطب الدین کے عزیزوں سے ایک شخص شاہ جہانگیر ہاشمی، مرزا شاہ حسن کے زمانہ میں خراسان سے سندھ میں آیا وہ اچھا شاعر اور عالم تھا اس کی "مثنوی مظہر الآثار" ہے جو اس نے مثنوی "تحفۃ الاحرار" کے جواب میں لکھی تھی اور اس کا "دیوان ہاشمی" مشہور ہے وہ سنہ 946 ہجری میں حج پر جاتے ہوئے کیچ مکران کے قریب فوت ہو گیا۔ سید صفائی کا بیٹا میر معصوم شاہ پہلے بکھر کے حاکم سلطان محمود خان کے پاس بڑے عہدے پر فائز تھا پھر اکبر بادشاہ کے پاس امیری کے درجہ پر پہنچا اور خان خانان کے ساتھ سندھ فتح کرنے میں اہم کام کیا بکھر کے آس پاس اس نے بہت سی عمارتیں تعمیر کرائیں اس کا مینار اب تک موجود ہے۔ اس نے نثر اور نظم کی بہت سی کتابیں لکھیں۔ "تاریخ معصومی" سندھ کے احوال سے متعلق مشہور ہوئی۔ شعر میں اس کا تخلص "نامی" تھا اس کا "دیوان نامی" اب تک موجود ہے۔ مثنوی "ناز و نیاز" جس میں سسی اور پنہوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس کی ہے۔ طب پر بھی ایک کتاب "طب نامی" لکھی ہے۔ اس نے سنہ 1014 ہجری (سنہ 1605ء) میں وفات پائی۔ اکبر بادشاہ نے بھی اس سال میں وفات کی یہ سال ابجد کے حساب سے اس فارسی مصرع سے نکلتا ہے۔

"بود نامی صاحب ملک سخن"

اکبر بادشاہ کی تاریخ اس جملہ سے نکلتی ہے۔ "فوت اکبر شد"

میر معصوم شاہ کے بیٹے کا نام بزرگ تھا۔ اس کی بہت سی اولاد ہوئی اور اب تک ہیں جو بکھر اور سکھر میں رہتے ہیں۔ اس کے ملکی کام سندھ کی تاریخ سے معلوم ہوں گے ادھر بیان نہیں کیے جا سکتے۔

(2) پہلے اچ اور ملتان سندھ میں شامل تھے۔ اچ میں سید جلال بخاری یعنی مخدوم جہانیاں کی اولاد اور مریدوں میں سے بہت بزرگ عالم فاضل اور شاعر گزرے ہیں۔ ان میں ایک شیخ محمد علی بن عبدالواسع تھا جو ایک بڑا صوفی بزرگ تھا اور شاعر بھی تھا۔ بخاری سادات کا سارا شجرا اس نے شاعری میں بیان کیا ہے۔ ملتان میں اسی طرح شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی وہاں کے شیخ الاسلام اور ولی کی اولاد اور مریدوں سے بھی بہت سارے مشہور عالم فاضل تھے ان میں مشہور یہ ہیں۔ شیخ فخرالدین عراقی اور امیر حسینی جس نے کتاب "کنزالرموز" اور "زادالمسافرین" اور "نزہت الارواح" تصنیف کی۔ فضلی بھی مشہور عالم اور شاعر تھا۔ ناصرالدین قباچہ سندھ کے حاکم کی صحبت میں رہتا تھا بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس کا تخلص "فضل" ہے۔ سعید قریشی بھی وہاں کا اچھا شاعر گزرا ہے شاہزادے مراد بخش بن عالمگیر کا ملازم تھا۔

(3) بکھر کے مشہور لوگوں سے میر جان شاہ رضوی بھی تھا جو میر حیدر شاہ کی اولاد سے تھا اور شاہ عنایت اللہ صوفی کا مرید اور خلیفہ بھی تھا اور روہڑی میں رہتا تھا۔ اب تک اس کی گدی آباد ہے شعر اچھا کہتا تھا۔ اس کا ایک خاص دیوان ہے اس کا تخلص "میر" تھا۔

(4) الور کے مشہور عالموں سے قاضی اسماعیل تھا جو محمد شیبانی بن عثمان ثقفی کی اولاد سے تھا جس کو محمد بن قاسم نے سندھ فتح کرنے کے بعد وہاں کا قاضی اور خطیب مقرر کیا تھا۔ اس کی اولاد سے ایک دوسرا قاضی اسماعیل بھی تھا جو عالم اور فاضل تھا اور سندھ کی فتح کا احوال عربی میں لکھا تھا۔ سنہ 600 ہجری میں علی بن حامد کوفی جو اچ میں رہتا تھا اس نے اس قاضی سے یہ احوال لے کر فارسی میں ترجمہ کیا جس سے چچ نامہ کی کتاب تیار ہوئی۔

maablib.org

فصل (2)

سیوستان (سیوہن، چانڈکو (لاڑکانہ) اور گرد و نواح والا ملک

(1) شروع میں سیوستان کے مشہور بزرگوں سے شیخ عثمان مروندی عرف لال شہباز قلندر کا نام دینا چاہئے جو مخدوم جلال جہانیاں اچ والے، شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی والے اور شیخ فرید الدین گنج شکر والے کے دوست تھے۔ یہ سنہ 662 ہجری میں مروند سے ملتان آئے اور پھر سیوستان میں آکر رہے اور سنہ 673 ہجری وفات پائی۔ بعض کا خیال ہے کہ 650 ہجری میں وفات پائی۔ وہ عالم فاضل بھی تھے اور ولی بھی تھے۔ مست قلندر بھی تھا اور شاعر بھی تھے۔ ان کی کتاب "عشقیہ" موجود ہے جس میں ان کے شعر ہیں۔ زیادہ احوال ان کی تاریخ میں دیکھا جائے۔

(2) میر عبداللہ سلطان: سیوستان کے مشہور عالموں اور شاعروں میں سے ایک تھے۔ وہ اپنے تخلص "خان عریضی" کے سبب سے مشہور ہیں۔ وہ بکھر کے مشہور سید میر ابوالمکارم کے بیٹے تھے جو میر غیاث الدین رضائی سبزواری کے بیٹے تھے۔ یہ آخری سید کتاب "حبیب السیر" کے مصنف خوند میر کا نواسہ اور سلطان جنید صفوی کے پوتے تھے۔ یہ مرزا شاہ بیگ ارغون کے مقربین سے ایک تھا اور ان کے ساتھ سندھ میں آئے۔ میر ابوالمکارم مرزا شاہ حسن ارغون اور سلطان محمود خان بکھر والے کے امیروں سے تھے اور اس کی طرف سے وکیل بن کر شاہ اسماعیل صفوی کے پاس گئے تھے۔ میر عبداللہ سلطان جو سیوستان میں پیدا ہوئے تھے وہ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں مرزا غازی کے ساتھ ہوتے تھے اور جب مرزا قندھار اور ٹھٹہ کا حاکم مقرر ہوا تب وکیل بن کر ایران کے شاہ کی طرف گیا اور خراسان میں امام رضا کی زیارت کر کے واپس آیا اور مرزا کے مرنے کے بعد ٹھٹہ میں نواب مقرر ہوا۔ لیکن شاہ جہاں بادشاہ کے دور حکومت میں کسی بات پر شریف الملوک کو ناراض کیا اور نواب امیر خان نے آکر میر عبداللہ اور اس کے طرفداروں کو ستایا اس لئے میر عبداللہ اور اس کے بھائی نے اپنا عہدہ چھوڑ دیا۔ اگرچہ مرزا عیسیٰ ترخان اور دوسروں نے رہنے کیلئے اصرار کیا۔ آخر ملا محب علی سندھی کی معرفت جام تماچی سے پچاس ہزار دام تنخواہ لے کر ٹھٹہ آکر رہنے لگا۔ ان سے بھی چند مشہور عالم، فاضل اور شاعر تھے ان کا ذکر ٹھٹہ والے فصل میں آئے گا۔

(3) قاضی قاضن: ولد قاضی محمد قاسم سیوستان کے مشہور بزرگوں اور عالموں فاضلوں سے تھے۔ وہ مشہور قاضی ابوالخیر بکھر والے کی اولاد سے تھے۔ قاضی قاضن حافظ، قاری اور بڑے عالم تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف اور انشاء کے علموں کے ماہر تھے۔ حاجی بھی تھے اور بہت سیر سفر کئے تھے اور آخر میں سید محمد مہدی جونپوری کے مرید ہوئے اس لئے ظاہری شرعی عالم ان پر طنز کیا کرتے تھے۔ میرزا شاہ حسن کی حکومت میں موروثی حق کے مطابق وہ قاضی بنے۔ پیر سنی کی وجہ سے قضا کا کام اپنے بھائی قاضی نصراللہ کے حوالے کر کے خود گوشہ نشین ہوا اور سنہ 958 ہجری میں وفات پائی۔

قاضی قاضن کی سندھی زبان میں اشعار بھی ہے۔ اس کے پوتے محمد اشرف بن محمد یعقوب نے بہت عرصہ دہلی میں گزارا اچھا شاعر اور خوشنویس تھا اس کا دیوان موجود ہے۔ قاضی قاضن کے بڑے بیٹے عبدالغفار کو "اسد العلمائی" کا لقب تھا اور اس کا بیٹا قاضی محمد ظہیر پہلے ٹھٹھ کا اور پھر لاہور کا قاضی مقرر ہوا اور وہاں وفات کی۔ بہت سی کتابوں کے حاشئے لکھے۔

(4) ملا نورالحق: سیوستانی ملا اور عالموں میں مشہور تھا وہ ملا داؤد سیوستانی کا بیٹا تھا لیکن پھر اس سے بھی زیادہ مشہور ہوا۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ بچپن میں مخبوط الحواس تھا اور حافظہ بھی کمزور تھا اور نسیان کا مریض تھا اس کے باپ نے ایک دفعہ ناراض ہو کر کمرے میں بند کر دیا تھا وہاں پہ رو رو کر سو گیا تھا۔ خواب میں ایک نورانی پیر مرد نے بشارت دی اور کہا کہ "کیوں سوئے ہو کھڑا ہو جا، آئندہ جو کچھ پڑھے گا وہ تم کو یاد رہے گا"۔ اس کے بعد اس کا حافظہ تیز ہو گیا اور قرآن شریف تو حفظ کیا لیکن جو کچھ سنتا تھا وہ بالکل یاد رہتا تھا۔ آخر ایک بڑا شاعر بن گیا اور تخلص "مشتاق" اختیار کیا۔ جب ہندوستان کا مشہور شاعر مرزا صاحب سندھ سے گزر کر ہند کی طرف جا رہا تھا تب ملا نورالحق کی صحبت کی اور اس کا شعر نہایت پسند آیا۔ اس کی اولاد سے بھی کئی شاعر ہوئے۔

(5) میاں عبدالحلیم اور اس کے چار بیٹے وجیہ الدین، ناصرالدین، محمد رفیع اور ابوبکر سیوستانی بھی بڑے عالم، فاضل اور شاعر گزرے ہیں۔

(6) حیدر ہروی جو اصل میں ہرات کا تھا۔ وہ پاٹ کا ایک مشہور عالم اور شاعر تھا۔ مرزا شاہ حسن کے دنوں میں سندھ میں آیا اور پاٹ میں آ کر رہا۔ جو سیوستان کے حدود میں تھا۔ اس کا لقب اور تخلص "کلیچہ" تھا۔ اس لئے کہ شروع میں وہ کلیچی پکا کر بیچا کرتا تھا۔ اس کا ایک پورا دیوان ہے اور شعر بھی نہایت عمدہ ہیں۔ اس نے پاٹ شہر میں وفات پائی۔

(7) مخدوم عبدالعزیز: کاہان کے گاؤں کا رہنے والا تھا جو سیوہن کے قریب تھا۔ وہ خود اور اس کے دو بیٹے مولانا شیر الدین اور مولانا یار محمد، شاہ اسماعیل کے خروج کے وقت جام فیروز کی حکومت کے دوران ہرات سے نکل کر سندھ میں آئے اور کاہان میں آ کر رہے اور وفات بھی اسی جگہ پر کی۔ "وارث الانبیاء" ان کی وفات کی تاریخ ہے۔ وہ شاہ حسن کا استاد تھا۔ وہ تینوں بزرگ بڑے محدث تھے اور بہت سی کتابیں لکھیں۔ شرح مشکوٰۃ اور حدیث کی دوسری کتابوں کی حاشئے لکھے ہیں۔ لوگ ان کی بہت قدر دانی کرتے تھے۔

(8) شیخ موسیٰ: ریل بادان کا رہنے والا تھا جو سیوستان سے متصل تھا۔ چانڈکا اور سیوستان کے علاقوں کے مغرب میں پہاڑ کی طرف جو بارانی زمین ہے اور اب جس کو کاچھا کہتے ہیں اس کو دشت باداں کہا جاتا تھا اس جگہ بہت سارے بزرگ اور اولیاء رہے تھے جن کے نشان اب تک ظاہر ہیں۔ ان سے ایک شیخ موسیٰ تھا۔ جو سنہ 900 ہجری میں ریل میں رہتا تھا۔ اس کا ایک نواسا خضر شاہ سیر اور سفر کیلئے نکلا اور ناگور میں جا کر شیخ یحیٰی بخاری کا مرید بنا، جو اچ والے مخدوم جہانیاں کا سجادہ نشین تھا۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالرزاق قادری اور شیخ یوسف سندھی سے بھی فیض حاصل کر کے لوٹ کر وطن آیا۔ شیخ موسیٰ سنہ 911 ہجری میں پیدا ہوا اور اکبر آباد جا کر علم کی تحصیل کی۔ بڑا عالم فاضل تھا۔ ایک سو بیس برس عمر تھی۔ اس کے دو بیٹے شیخ ابوالفضل اور شیخ فیضی باپ سے بھی زیادہ مشہور تھے۔ یہ دونوں عالم فاضل، مصنف اور شاعر تو تھے ہی لیکن بڑے مدبر بھی تھے۔ اکبر بادشاہ کے دربار میں بہت مشہور تھے۔ ابوالفضل نے اپنی کتاب "چکول" میں اپنے والد اور اصل نسل کا بیان دیا ہے اور اس نے اور بھی کئی کتابیں لکھیں ہیں "علامہ" کے لقب سے مشہور ہے۔ فیضی تو اپنے بڑے بھائی سے علم فضیلت یا حکومت اور تدبر میں بڑھ کر تھا۔ اس کی کلیات یعنی قصائد اور دیوان اور اس کی بہت ساری مثنویاں ہیں جن سے پانچ اس کے خمسہ میں داخل ہیں اور سنسکرت کتابوں کے نظم میں ترجمے کئے اس کی انشاء اور قرآن شریف کا بھی نقطہ تفسیر مشہور ہیں۔ جن سے خداداد قابلیت اور علمیت ظاہر ہے۔ ان دونوں بھائیوں کا احوال ہند کی تاریخ اور ان کی سوانح عمریوں سے معلوم کرنا چاہئے۔ اکبر نامہ اور آئین اکبری سے بھی ان سے متعلق بہت معلومات مل سکے گی جو ابوالفضل کی لکھی ہوئی ہیں۔

فصل (3)

نیرون کوٹ (حیدرآباد) دربیلہ، بدین اور گردونواح کا ملک

(1) قاضی ابراہیم اور اس کا بیٹا قاضی عبداللہ دربیلہ کے قدیم شہر کے رہنے والے تھے۔ قاضی عبداللہ، مخدوم عبدالعزیز ابہری، کاہاں کے گاؤں والے کے پاس علم کی تحصیل کی جس کا ذکر اس سے پہلے فصل کے نمبر 7 میں آیا ہے۔ مرزا شاہ بیگ کی فتح کے بعد وہ وہاں سے ہجرت کر کے باغبان میں آیا اور سنہ 934 ہجری میں گجرات سے ہوتا ہوا مدینہ کی طرف گیا اور وہاں جا کر رہنے لگا اور وہاں پر فوت ہو گیا۔ وہ نہایت قابل عالم اور فاضل شخص تھا اس کا بیٹا شیخ رحمت اللہ بھی بڑا عالم تھا۔ حج کی رسومات کے متعلق اس نے عربی میں تین کتابیں لکھیں اور اس کا چھوٹا بھائی بھی حدیث اور تفسیر کے علم میں نامور تھا۔ وہ بھی خان اعظم کے ساتھ مکہ گیا۔ مندرجہ بالا قاضی عبداللہ کے ساتھ شیخ عبداللہ بن مولانا سعد جو شہر بیلہ میں مدرس تھا وہ بھی سنہ 947 ہجری میں گجرات گیا اور وہاں سے قاضی قاضن کے ساتھ حرمین شریفین گیا اور باقی عمر وہاں پر گذاری۔ انہوں نے بہت ساری دینی کتابیں لکھیں۔ ان کا ایک طالب علم عبداللطیف نامی مشہور تھا جس نے اس کے حاشئے لکھے اور کئی دوسری کتابیں علم الکلام کے متعلق لکھیں۔

(2) شاہ عبداللطیف ولد سید حبیب شاہ تارک بھٹائی، سید عبدالکریم بلڑی والے (نمبر 8) کی اولاد سے مشہور ولی اور شاعر تھے۔ ان کا رسالہ مشہور ہے۔ ان کا مفصل احوال ہم نے الگ لکھ کر طبع کروایا ہے۔ ان کی وفات سنہ 1165 ہجری میں ہوئی جو سال ابجد کے حساب سے "رضوان حق" سے نکلتا ہے ان کی مسند پر سید جمال بیٹاان کی اولاد نہ تھی۔

(3) سید شفیع محمد نصرپور کے رضوی سیدوں سے بڑا عالم فاضل تھا۔ وہ سید عثمان بن سید عبدالولی رضوی کا بیٹا تھا۔ بڑا شاعر تھا اور اس کے سب سندھی اشعار حقیقی تھے۔ شیخ موسیٰ آہنداٹی والے قبرستان میں مدفون ہے۔

(4) مخدوم عبدالرحمٰن بھی نصرپور کے عالموں اور فاضلوں میں مشہور تھا۔ شاہجہاں اور عالمگیر بادشاہوں کے وقت میں حرمین شریفین کے نذرانوں کا متولی مقرر تھا اور بادشاہوں سے جاگیر بھی ملی تھی۔ بڑا عالم اور فاضل تھا۔ اس کا بیٹا محمد اکرم اور اس کا بیٹا میاں مدنی جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوا

تھا اور دوسرے دو بھی عالم اور فاضل تھے۔ ان قاضیوں کی اولاد سے اور بھی بہت سے عالم تھے جو اکثر مدینہ میں رہے۔ قاضی عبدالرحمن ثانی کو تو مدینہ میں مخدوم حیات سندھی کی قبر میں دفن کیا گیا اور اسی قبر میں حاجی محمد قائم سندھی بھی دفن کیا گیا تھا۔

(5) سید ہارون:۔ متعلوی سیدوں سے ایک دھوڑا ہنگورا گاؤں کا رہنے والا مشہور عالم اور شاعر تھا۔ اوپر والے سید شفیع محمد کی طرح اس کے بھی سب شعار حقیقی ہوتے تھے۔ علم اور فضیلت کے سبب یہ اپنے وقت میں نامور تھا۔

(6) درویش داؤد اور میاں ہموں:۔ دونوں اگھم کوٹ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے مشہور بزرگ مخدوم اسماعیل سومرہ کے مصاحب تھے وہ دونوں بڑے عالم فاضل اور مدرس تھے۔ ان کے مدرسہ میں قریباً پانچ سو آدمی قرآن اور حدیث کا علم سیکھتے تھے۔ اور وہ ان کو خوراک اور پوشاک مہیا کرتے تھے۔ اوپر والا مخدوم جو ریاضت کے سبب مشہور تھا وہ ہمیشہ جو کی روٹی کھاتا تھا لیکن مہمانوں، مسافروں اور طالبعلموں کو عمدہ کھانا کھلاتا تھا۔ اس طرح کے خیراتی اور علمی کاموں کے سبب مرزا محمد باقی نے ان کی زمینوں کی لگان معاف کردی تھی اس کے باوجود بھی وہ اوپر والے مخدوم کی طرح فقر اور فاقے میں زندگی گزارتا تھا۔

(7) ملا قیصر:۔ جس کا اصل نام عبداللطیف تھا جو بدین کا رہنے والا تھا اور نہایت بڑا عالم، فاضل اور زبردست شاعر تھا۔ دہلی کے بادشاہ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہر چھ ماہ بعد دو چٹائیاں عالمگیر بادشاہ کی طرف تحفتاً لایا کرتا تھا اور معقول انعام پاتا تھا۔ جب بوڑھا ہو گیا تب ان بادشاہوں نے ماہانہ اور سالانہ مشاہرہ مقرر کر کے دیا تھا جس پر وہ بافراغت گزارہ کرتا تھا۔

(8) سید عبدالکریم ولد للو شاہ جس کو شاہ کریم کہتے ہیں بلڑی کا رہنے والا تھا وہ متعلوی سیدوں سے تھا۔ بڑی عبادت اور ریاضت کرنے والا شخص تھا۔ اکثر رات کو جاگ کر عبادت کرتا تھا اور مسجدوں کی خدمت چاکری اور بزرگوں اور اولیاؤں کی زیارت کرتا تھا۔ اس نے سید محمد یوسف رضوی اور مخدوم نوح، مخدوم آدم اور دوسرے مشائخوں سے صحبتیں کیں اور ان سے فیض حاصل کیا۔ مخدوم نوح کے حکم سے بلڑی میں آکر رہا اور اسی جگہ سنہ 1030 ہجری میں وفات ہوئی۔ اس کا احوال کتاب "بیان العارفین تنبیہ الغافلین" میں دیا گیا ہے۔ یہ اچھا خاصا سندھی زبان کا شاعر تھا۔ اس کا رسالہ اگرچہ چھوٹا ہے مگر پھر بھی حقیقی مضمون سے پر ہے۔ میں نے یہ الگ چھپوایا ہے اس میں

فصل (4)

کوہستان، ٹھٹہ، ساکرہ اور آس پاس کا ملک

(1) شاہ عنایت اللہ صوفی ولد مخدوم فضل اللہ اس کے باپ دادا کامل درویش تھے۔ اصل نصرپور کا رہنے والا تھا جو گاؤں بھورا کے علاقے میں تھا۔ وہ خود مشہور اور کامل درویش تھا بہت سیر سفر کیا یہ گاؤں اصل متعلوی سیدوں کا تھا جس سے پہلا سید عبدالکریم شاہ بلڑی والا مخدوم فضل اللہ کے پردادا مخدوم صدن کا مرید ہوا۔ شاہ عنایت نے دکھن ہندوستان جا کر برہانپور کے شہر میں شاہ عبدالملک کی صحبت حاصل کی اور پانچ برس تک ان کے ارشاد کے مطابق بہت ریاضت کی اور ظاہری علم کی تحصیل شاہ جہان آباد کے شاہ غلام محمد کے پاس کی۔ اس کا مرید ہوا اور اس کے ساتھ شاہ عبدالملک سے اجازت لے کر ٹھٹہ میں آیا لیکن وہاں کے عالموں نے شاہ غلام محمد پر اعتراض کیا اور تعذیر دینی چاہی اس لئے لوٹ کر شاہ جہان آباد میں آیا۔ شاہ عنایت ٹھٹہ سے ہجرت کر کے میرانپور کے گاؤں میں آیا جس کو جھوک کہتے ہیں وہاں پر خانقاہ بنا کر رہنے لگا اور ہزاروں مرید ہونے لگے۔ بہت سے لوگوں کے رجوع ہونے پر شاہ کریم کے پوتے سید اس کے حاسد بن گئے اور دہلی کے بادشاہ کے پاس شکایت لے کر گئے کہ یہ فساد برپا کر رہا ہے۔ ٹھٹہ کے حاکم نواب اعظم خان نے بھی ان کی تائید کی۔ آخر بادشاہ کے حکم سے ایک بڑا لشکر آیا اور سنہ 1130ھ میں شاہ عنایت کو شہید کیا گیا۔ اس سید کا مفصل احوال ہم نے تاریخ سندھ میں دیا ہے اس کے بہت سارے مرید سندھ میں اور سندھ سے باہر تھے۔ سید جان شاہ وبڑی والا جس کا ذکر پہلے فصل میں دیا گیا ہے وہ بھی اس کا مرید اور خلیفہ تھا۔ شاہ عنایت عالم فاضل تھا اور شاعر بھی تھا۔ اس کے فارسی اور سندھی میں بھی شعر موجود ہیں۔

(2) ٹھٹہ میں دوسرے اور بھی کئی عالم فاضل بزرگ گزرے ہیں۔ ان میں سے دو تین کا ذکر ادھر دیا جاتا ہے۔ ابو علی سندھی بایزید بسطامی مشہور اولیاء کا استاد کہا جاتا ہے۔ شیخ عیسیٰ سندھی، جس کا لقب جند اللہ تھا وہ محمد غوث گوالیاری کا خلیفہ تھا اور مشہور عالم تھا۔ شیخ یوسف سندھی کے متعلق تو علامہ ابوالفضل اکبر بادشاہ والا لکھتا ہے کہ خود اس کے دادا شیخ خضر نے اس سندھی بزرگ سے بہت فیض حاصل کیا۔

فصل (5)

ٹھٹہ (ٹھٹہ) اور گردونواح والا ملک

(1) سید علی شیرازی انجوی:۔ جن کے بڑے 786 ہجری میں جام صلاح الدین بن تماچی کے وقت میں سندھ میں آئے اور جس کو اپنے دادا کا نام ملا وہ بڑا عالم فاضل شخص تھا اور فقیر بنا۔ بہت سے حج کئے۔ مخدوم نوح کا مرید تھا۔ سنہ 971 ہجری میں وفات پائی۔ کتاب "آداب المریدین" اس کی تصنیف ہے۔ اس کے بیٹے سید جلال کو مرزا باقی ترخان کی بھتیجی نکاح میں تھی اور اکبر بادشاہ کے حضور میں رہتا تھا۔ اس کا بیٹا میر زین العابدین جس کو میر لطف اللہ بھی کہتے تھے۔ وہ عالم اور مشہور شاعر تھا۔ کتاب "ضرر الشر" اس کی تصنیف ہے۔ شعر میں اس کا تخلص "قانع" تھا۔

سنہ 1130 ہجری میں وفات پائی جو سال "رضوان عنہ" سے نکلتا ہے۔ اس کی اولاد میں سید محمد حسین ولد سید احمد زیادہ مشہور ہوا اور اس کا مفصل احوال کتاب "تذکرۃ المراد" میں دیا گیا ہے جو حاجی محمد حسین صفائی نے لکھا ہے۔ اس سید کا لقب اور تخلص "مراد" تھا اس لئے کتاب کو بھی وہ نام ملا۔ اس نے سنہ 893 ہجری میں وفات کی۔ اس نے عباسی قاضیوں میں شادی کی تھی۔ اس کے بیٹوں سے میر محمد حسن مشہور ہوا۔ میر زا جان کا داماد بنا۔

(2) سید شاہ ولی ولد سید ابوالقاسم شکر اللٰہی، شیرازی سیدوں سے تھا۔ اس کا دادا سید شکر اللہ سنہ 906 ہجری میں ہرات سے قندھار میں اور پھر وہاں سے سنہ 927 ہجری میں مرزا شاہ بیگ کے کہنے پر ٹھٹہ میں آیا اور مرزا شاہ حسن کی حکومت میں وہاں کا قاضی مقرر ہوا۔ اس کا مزید احوال "تاریخ طاہری" میں لکھا ہوا ہے۔ سید شاہ ولی مشہور عالم اور فاضل اور قابل شاعر بھی تھا۔ مخدوم رحمت اللہ کا شاگرد تھا۔ کتاب "تحفۃ المجالس" اس کی تصنیف ہے۔ سنہ 1150 ہجری میں نگر الہ تعلقہ میں اپنی جاگیر کے گاؤں جگت پور میں فوت ہو گیا۔ اس کی لاش لے کر ٹھٹہ میں آئے اور وہاں پر دفن کیا۔ سید شکر اللہ ثانی کی اولاد سے بھی کچھ بڑے عالم فاضل شخص تھے اس میں سے مشہور سید عزت اللہ تھا جو سنہ 1161 ہجری میں فوت ہو گیا۔ اس نے چھ بیٹے چھوڑے جن سے دو مشہور عالم اور فاضل اور مشہور شاعر تھے۔ ایک میر عظیم الدین جس نے "فتح نامہ" لکھا اور دوسرا امیر علیشیر جس نے کتاب تحفۃ الکرام لکھی اور اس کی بہت سارے اشعار تھے اس کا تخلص "قانع" تھا۔

(3) شیخ میر محمد ولد میرک شیخ محمود سبزواری یا عرب شاہی یا میرکی سیدوں سے تھا۔ جس کا دادا میرک شیخ محمد مرزا شاہ بیگ کے ساتھ قندھار سے آیا تھا اور سکھر میں رہنے لگا اور اس کا بیٹا شیخ محمود بکھر سے ٹھٹہ آیا اور وہاں کا شیخ الاسلام مقرر ہوا۔ سنہ 962 ہجری میں فوت ہوا۔ شیخ میر محمد بڑا عالم اور فاضل تھا۔ کتاب "جامع الفتاوی پورانی" اس کی تصنیف ہے۔ سنہ 970 ہجری میں فوت ہوا اس کی اولاد سے میرک عبدالواسع مشہور شاعر تھا وہ میرک محمد حسین کا بیٹا تھا اور مشہور مجذوب سالک اور کشف کا صاحب تھا۔

(4) میر ابوالبقا عریض، سبزواری سیدوں سے تھا۔ ان کا بڑا دادا میر عبداللہ سلطان بن میر ابوالقاسم تھا جس کا ذکر فصل (2) کے نمبر (2) میں ہے۔ میر ابوالبقا کو بہرہ ور علی بھی کہتے ہیں۔ وہ سید حیدر الدین ابوتراب استاد کامل کا شاگرد تھا اور عالم فاضل ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھا۔ محمد شاہ دہلی کے بادشاہ کے زمانہ میں فوت ہو گیا۔ کتاب "ہیرج چراغ ہدایت" اور "اشعار گزیدہ" اس کی تصنیفات میں سے ہیں۔

(5) میر غروری کاشانی سیدوں کا بانی تھا اور مرزا باقی کے وقت میں کاشان سے ٹھٹہ میں آیا۔ جب نواب خان خانان نے مرزا جانی بیگ سے سندھ فتح کیا اس وقت یہ الگ الگ جگہوں پر نواب اور حاکم بن کر رہا۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں ضرب خانہ کا داروغا تھا۔ بڑی علمیت اور فضیلت والا تھا اور بڑا شاعر تھا۔ "حسینی" تخلص کرتا تھا اس نے ایک دیوان چھوڑا ہے۔

(6) میر کمال الدین احمد ولد سید عنایت اللہ رضوی بکھری والا اگرچہ بڑا عالم و فاضل تھا پھر بھی بے دولتمند ہونے کی وجہ سے بڑے تجمل سے رہتا تھا اور اس وقت میں اس کا والد ترک ہو کر کھیتی کر کے گزارہ کرتا تھا۔ اس سید نے بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً "شرح دیوان حافظ" اور "اصلاحات رضویہ"۔ سنہ 1132 ہجری میں فوت ہو گیا اور اس کے سات بیٹے تھے جن میں سے پہلا میر مرتضیٰ تیس برس کی عمر میں عالم اور فاضل ہوا اور بہت سے ہنر بھی سیکھے۔ سپہ گیری کے فن میں بھی ہوشیار تھا۔ سات قسم کے خط یا حروف لکھتا تھا۔ مرزا صاحب کا شاگرد آقا تقلیما جب ٹھٹہ میں آیا تب اس کے اشعار نہایت پسند آئے اور اس کو تخلص "الہام" دیا۔ اس نے شاہ عالم دہلی کے بادشاہ کے دربار میں بڑا رتبہ حاصل کیا۔ آخر سنہ 1120 ہجری میں عین جوانی میں فوت ہو گیا۔ اس کا بھائی میر نجم الدین بھی نامور تھا۔ وہ مخدوم محمد معین کا بھانجا اور شاگرد تھا مدرسہ بھی چلاتا تھا۔ بہت سی کتابیں تصنیف

کیں۔ منطق اور بعض دوسرے علموں پر بہت سے رسالے لکھے۔ لکھنے کا اتنا ماہر تھا کہ ہر ایک رسالہ لکھنے میں ایک دن سے زیادہ وقت نہ لگتا تھا۔ "طوطینامہ" فارسی لکھا جو بخشی والے "طوطینامہ" سے بہتر تھا۔ اور شعر بھی اچھا کہتا تھا۔ تخلص "عزلت" ہوتا تھا۔ اس نے بھی کم عمری میں سنہ 1160 ہجری میں وفات پائی۔

(7) میر ابوالمکارم ولد امیر خان میر خانی سیدوں سے تھا۔ امیر خان 1114 ہجری میں سندھ کا نواب تھا اور اس کا ذکر سندھ کی تاریخ میں ہے۔ میر ابوالمکارم امیر ہوتے ہوئے بھی فقیری میں گزارہ کرتا تھا اور کامل درویش شمار کیا گیا تھا۔ علمیت اور فضیلت بہت حد تک تھی اور بہت قابل شاعر تھا۔ تخلص "شہود" کرتا تھا۔ سلیمان اور بلقیس کی مثنوی لکھیں۔ سیوستان میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کا بیٹا نواب میر امیر الدین خان بھی اکثر وقت کتابوں کے مطالعہ اور عالموں کی صحبت میں گزارتا تھا۔ "رشحات الفنون" جس میں چودہ علموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ "معلومات الآفاق" دونوں اس کی تصنیفات ہیں۔ اس کا دوسرا بیٹا میر ارضی الدین بھی باپ کی طرح عالم اور فاضل اور شاعر تھا۔ تخلص "فدائی" کرتا تھا۔ اس کا ایک دیوان ہے۔ سنہ 1120 ہجری میں فوت ہو گیا اس کا بیٹا میر حیدر الدین ابو تراب بھی اس کی طرح تھا۔ تخلص "کامل" کرتا تھا۔ اور خود بھی در حقیقت کامل انسان تھا۔ اس کے مرید تھے۔ بڑی عمر میں وفات پائی اس کی تصنیف شدہ کئی کتابیں فارسی، ہندی اور سندھی میں لکھی ہوئی مشہور ہیں۔ "تحفۃ الکرام" کا مصنف میر علیشیر "قانع" اس کا شاگرد تھا۔

(8) خواجہ امام اللہ ولد خواجہ احمد، علوی خواجوں کے خاندان سے تھا۔ اس کا دادا خواجہ محمد ولد احمد مشہور شیخ جام کی اولاد سے تھا اور اپنے وطن جام سے ٹھٹہ میں آیا۔ اور جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں بہت سے تیموری مغل اس کے مرید ہوئے۔ خواجہ امام اللہ بھی کامل شخص تھا اور علمیت اور فضیلت کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھا۔ اس کی تصنیفوں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک "بہمن نامہ" جس میں سات قصے شعر میں لکھے ہوئے ہیں اور دوسرا "ہفت اختر" اس میں بھی سات قصے ہیں۔ اس کی اولاد سے انشاپرداز اور خوشنویس بڑی تعداد میں تھے۔ جو میر سید علی خوشنویس کے شاگرد تھے۔ ان میں سے نامور خواجہ مرتضیٰ تھا۔ جو پہلے صاحبزادہ داؤد خان کے پاس رہتا تھا پھر میاں نور محمد کلہوڑا کا ملازم ہوا اور پھر اس کے بعد میاں غلام شاہ کا۔ ساتوں قلموں میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ وہ حاذق طبیب تھا اور اس علم میں میر عبدالرزاق مشہور حکیم کا شاگرد تھا۔ شعر بھی نہایت اچھا کہتا تھا۔ اس کا تخلص "مشرب" تھا۔

(9) سید محمد ہاشم ولد سید محمد ٹھٹوی:۔ جو مرزا جانی بیگ کا ہمعصر تھا اس کا بیٹا سید عبدالقادر مشہور عالم اور فاضل تھا۔ کتاب "حدیقۃ الاولیاء" جس میں سندھ کے اولیاء اور بزرگوں کا احوال دیا گیا ہے۔ اس کا مصنف تھا۔

(10) سید میر ولد میر محمد فاضل ٹھٹہ میں عالمگیر بادشاہ کے منصب داروں سے تھا۔ قرآن کا حافظ بھی تھا۔ خوشنویس بھی، طالبعلم بھی تھا۔ بادشاہ اس پر بڑا مہربان تھا۔ وہ اکیس برس تک بادشاہ کے پاس رہا اور شاہزادہ محمد کام بخش کا استاد تھا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد ٹھٹھہ میں آیا اور وہاں اسی برس کی عمر سنہ 1150 ہجری میں وفات پائی۔

(11) قاضی محمود، عباسی خلفا کے خاندان سے تھا۔ ان کا بزرگ نعمت اللہ پہلے سندھ میں آیا تھا۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے زمانہ میں ٹھٹہ میں رہا اور اپنے وقت کا علامہ تھا۔ بہت سی کتابیں لکھیں جن سے "تذکرۃ اولیاء" اور "حواشی متین" مشہور ہیں۔

(12) مخدوم رکن الدین، مخدوم بلال تلٹی والے کا مرید اور خلیفہ تھا۔ بڑا عالم اور فاضل شخص تھا۔ اس کے بہت سارے مرید اور خادم تھے۔ یہ علم الحدیث کا ماہر تھا۔ "شرح اربعین" اور "شرح گیلانی" اور کئی دوسری کتابیں لکھیں۔ سنہ 949 ہجری میں وفات پائی اور مکلی میں دفن کیا گیا۔

(13) مخدوم ابوالخیر ولد مخدوم فضل اللہ، مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے زمانہ میں بڑا عالم اور مدرس تھا۔ "فتاویٰ عالمگیری" کے لکھنے میں اس نے بہت زیادہ مدد کی۔

(14) ملا احمد، قاضی قاضن کا چچا تھا جس کا ذکر فصل (2) (نمبر 2) میں آیا ہے۔ وہ شاہ فتح اللہ شیرازی کا شاگرد تھا اور شیخ ابو فتح اور فیضی کا ہم سبق تھا۔ جس کا ذکر فصل 2 (نمبر 8) میں ہے۔ ٹھٹہ کا قاضی مقرر ہوا۔ بڑا عالم فاضل تھا۔ وفات بھی وہیں پر ہوئی۔ مکلی پر اس کی رانک مشہور ہے۔ اس کے دو بیٹے ایک ٹھٹہ کا صدر دوسرا امیر عدل ہوا۔ ملا محمد جہانگیری بھی قاضی قاضن کے چچا زاد بھائیوں سے تھا۔ پہلے نور جہاں بیگم کا استاد تھا۔ پھر مہابت علی خان کی مخالفت کے سبب اور کسی قصور کی تہمت کے تحت قتل کیا گیا۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش ٹھٹہ لائی گئی۔ بڑا عالم اور فاضل تھا۔ اس کا دوسرا عزیز ملا ابوالقاسم بھی بڑا عالم اور مدرس تھا۔ عالمگیر بادشاہ نے اس کو شرعی وکیل مقرر کیا تھا۔ اس نے سنہ 1113 ہجری میں وفات کی۔

(19) مخدوم محمد معین ولد محمد امین ذات کا لاکھا، اصل روپاہ کا رہنے والا تھا۔ وہاں سے اس کا والد آکر ٹھٹھ میں رہا اور فاضل خان کی بیٹی سے شادی کی اور دولتمند ہو گیا۔ محمد معین اپنے وقت کا علامہ تھا۔ اس کی صحبت سے بہت سے بزرگوں نے فیض حاصل کیا۔ مخدوم عنایت اللہ کا شاگرد تھا اور میاں ابوالقاسم درس نقشبندی کا مرید تھا۔ آخری دنوں میں شاہ عبداللطیف بھٹائی تارک کا مرید ہوا۔ اس کے اور مخدوم محمد ہاشم (نمبر 20) کے درمیان بحث مباحثے چلتے رہتے تھے۔ بہت سی کتابیں لکھیں۔ بہت سے حاکم اس کی ملاقات کیلئے آتے تھے اور خود بھی ان سے ملاقات کیلئے جاتا تھا۔ راگ سے بھی واقف تھا اور سماع بہت پسند تھا۔ اس کی وفات بھی شاہ بھٹائی کی طرح راگ سنتے ہوئی۔ وہ شاعر بھی اچھا تھا۔ پارسی اور ہندی شعر کہتا تھا۔ فارسی میں اس کا تخلص "تسلیم" تھا اور ہندی میں "بیراگی"۔ اس کی وفات سنہ 1611 ہجری میں ہوئی اور اس کے لئے حال والے لوگوں نے ماتم کیا۔ اس کی وفات کی تاریخیں بہت سے لوگوں نے کہیں۔ محمد محسن شاعر کا یہ مصرع ہے "قطرہ در بحر واصل شد" اور یہ بھی کہی "معین دین احمد رفعت صد حیف"۔ مخدوم نعمت اللہ نے کہا کہ "شفیع تو رسول"۔ محمد پناہ رجانے کہا کہ "جانی شد او کہ ال محمد معین اوست"۔ کہتے ہیں کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی ایک دن بیٹھے بٹھائے اپنے مریدوں سے کہا کہ اب چلیں ٹھٹھ میں چل کر اپنے یار کا آخری دیدار کریں پھر مخدوم کے پاس آکر راگ کی محفل کی راگ نے بہت محفل جمائی تھی ذوق اور شوق میں مخدوم اٹھ کر اندر گیا اور ایک لحظہ میں دم پرواز ہو گیا۔ شاہ صاحب اس کے جنازہ کے ساتھ گیا اور دفن کرنے کے بعد اپنے گاؤں لوٹ کر آگئے۔

(20) مخدوم حاجی محمد ہاشم ولد عبدالغفور سندھی اصل میں ایک دیہاتی شخص تھا اور مخدوم ضیاءالدین کا شاگرد تھا لیکن پھر ایک بڑا عالم بن گیا۔ اگرچہ وقت کے دوسرے عالموں مخدوم محمد معین سے علم کے بحث میں مخالف تھا پھر بھی شریعت پر بالکل مستقل تھا اور اسلام کے دینی کاموں میں بہت مدد کی اور دین کے خلاف گفتگو کرنے والوں سے بہت مقابلہ کیا۔ اس کے دنوں میں سینکڑوں لوگ مسلمان ہوئے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ اور دوسرے بادشاہوں سے اس کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا اور جو کچھ بھی لکھتا تھا اس پر وہ عمل کرتے تھے۔ بہت سی کتابیں الگ الگ علوم پر لکھیں۔ سنہ 1174 ہجری میں وفات ہوئی۔ اس کا بیٹا مخدوم عبداللطیف بھی عالم و فاضل تھا۔ والد کے بعد اس کا مدرسہ قائم رکھتا آیا۔ روزانہ ظہر کی نماز کے بعد وعظ کرتا تھا اور حدیث کی تعلیم دیتا تھا۔ جمعہ کے دن جامع مسجد میں وعظ کرتا تھا۔

(21) شیخ عبدالغنی ولد مخدوم نور محمد ٹھٹہ کا ایک بڑا عالم اور منصب دار بھی تھا۔ عالمگیری حکومت سے لے کر فرخ سیر کی حکومت تک بادشاہی میر منشی تھا اور قابل شاعر بھی تھا۔ ٹھٹہ کے اکثر شریف لوگ مثلاً میرک محمد افضل اور میر کامران اور دوسرے اس کے پاس صحبت کیلئے آتے تھے اور اس کے آگے ادب سے بیٹھتے تھے اور فیض حاصل کرتے تھے۔

(22) دارو غا کبیر، ترخانی زمانہ میں بڑا سرکاری ملازم تھا۔ محمد علی دیوان ترخانی اس کا داماد تھا اس لئے اچھے حالات میں رہا۔ اس کا بیٹا عبدالواسع بھی مشہور ہوا اور اس کا بیٹا میاں محمد رضا تو عالم اور شاعر تھا۔ وہ شاہ عبدالکریم بلڑی والے کا مرید تھا۔ کتاب "بیان العارفین" اور " تنبیہ الغافلین" جس میں اوپر والے کا احوال اور ملفوظات دیئے گئے ہیں وہ اس کی تصنیف ہے جو سنہ 1038 ہجری میں لکھا گیا۔

(23) مولانا محمد حسین ولد مولانا محمد سروری بڑا عالم، مدرس اور شاعر تھا اور عاشق بھی تھا۔ وہ "جانباز" کے لقب سے مشہور ہوا۔ ایک خوبصورت لڑکی پر عاشق ہوا اس نے مار دیا۔ مرنے سے دو تین دن پہلے اپنی زندگی کے احوال اس نے شاعری میں خوبصورتی سے بیان کیئے۔

(24) ملا عبدالرسول ولد ملا یوسف بہترین عالم اور مدرس تھا۔ فصاحت اور بلاغت میں بڑا نام پیدا کیا۔ کتاب "نفائس الافکار فی عرائس الابکار" اس کی تصنیف ہے۔ جس سے اس کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ملا محمد صالح بھی عالم فاضل شخص تھا۔ جس نے کتاب "دستور السیاق" لکھی۔ وہ اصل سیوستان والے قاضی دتہ کی اولاد سے تھا لیکن ٹھٹہ میں آکر رہا۔

(25) شیخ محمد مرید اصل ہندو تھا۔ سیوستانی قانون گو تھا۔ بعد میں مسلمان ہوا۔ عالمگیر بادشاہ کے وقت میں ٹھٹہ میں بھی قانون گوئی کے عہدے پر مقرر تھا۔ عالم اور عارف آدمی تھا۔ اس کا بیٹا شیخ محمد محفوظ نواب غلام شاہ کے ساتھ بادشاہ تک وکیل بن کر گیا اور بہترین شاعر تھا۔ اس کا تخلص "سرخوش" تھا اس کا بیٹا شیخ قمرالدین بھی بادشاہی لشکر کا وکیل بنا اور وہاں رہا وہ بھی اچھا شاعر تھا تخلص "عشرت" تھا۔

(26) ملا اسلامی اور ملا عبدالحکیم دونوں بھائی مشہور ظریف شاعر ٹھٹہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن عبدالحکیم زیادہ مشہور ہوا تخلص "عطا" تھا۔ نہایت پرہیزگار شخص گزرا ہے۔ تیس برس تک رات دن متواتر عبادت میں مشغول رہا اور رات دن ایک وضو میں رہتا تھا۔ اکثر نعت نبوی اور

منقبت مرتضوی کہتا تھا۔ بہت سے دیوان اور مثنویاں کہی ہیں۔ شمار کیا گیا ہے کہ اس کا شعر ایک لاکھ نقلوں سے کم نہیں ہے۔ وہ اکثر سبز پوش رہتا تھا۔ اس کا بھتیجا محمد ضیاء بھی نہایت اچھا شاعر تھا اور جہان آباد گیا اور مرزا عبدالقادر "بیدل" سے ملاقات کی جس نے اس کو "قیامت" تخلص دیا۔ پھر نواب مہابت خان کا ظم کے ساتھ ٹھٹہ میں آیا اور نواب کا خاص مصاحب بنا اور اس نے اس کے بیٹھنے کیلئے خاص تکیہ بنوایا۔ اس کا دیوان بہت اچھا ہے۔ اس کی وفات کے بعد ملا عبدالحکیم کے بیٹے مسکین کو اس کے تکیہ پر قائم مقام کر کے رکھا۔

(27) محمد محسن ولد نور محمد پاتولی، ٹھٹہ میں نہایت رنگین طبع آدمی تھا اور عمدہ شاعر تھا۔ میر لطف علی خان کا شاگرد تھا بہت سے کاملوں کی صحبت میں رہا۔ دوسرے اشعار کے ساتھ منقبت بھی بہت سارے لکھے ہیں۔ اسی مضمون پر ان کی کتاب "عقد دوازدہ گوھر" مشہور ہے۔ حضرت صاحب الزمان کی ولادت کے متعلق کتاب "طراز دانش" لکھی۔ "حملہ حسینی" یا "اعلام ماتم" بھی اس کی تصنیف ہے۔ اس کا دیوان اور قصائد اور بہت ساری شاعری مشہور ہے۔ اس کا بیٹا میاں غلام علی بھی اچھا شاعر تھا اور تخلص "مداح" تھا لیکن عربی میں زیادہ قابل تھا۔

(28) سعید کاشانی جس کا تخلص "سرمد" تھا وہ بھی ٹھٹہ کا مشہور مست شاعر تھا۔ اصل میں عیسائی فرنگی تھا کاشان کا رہنے والا تھا جو پھر ادھر آکر رہا۔ مسلمان ہوا اور ہندوستان کی طرف گیا۔ شاہزادہ دارا شکوہ اس کا بہت معتقد تھا۔ اس قدر بے خود ہو جاتا تھا شطحیات جیسا کلام بھی کہہ جاتا تھا۔ جیسا احمد جام زندہ پیل کہتا تھا۔ ٹھٹہ کی گلیوں میں ننگا گھومتا رہتا تھا۔ مولویوں اور قاضیوں نے اس کے کلام پر اعتراض کیا اور عام آدمی اس کی عریانی سے ناراض تھے۔ آخر اس پر شرعی فتویٰ جاری کر کے منصور کی طرح پھانسی دی گئی کچھ عرصہ کے بعد ایسا اتفاق ہوا جو لوگ اس کے فائدے میں ہو گئے اور جس قاضی کے فتوے پر اس کو مارا گیا تھا اس کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ اس کی شاعری پڑھنے کے قابل ہے۔

(29) ملا محمد حسین ولد ملا عبدالروف عالم شخص تھا۔ اکثر جہان آباد میں رہتا تھا۔ ٹھٹہ میں محتسب اور صدر تھا۔ میاں محمد ہاشم نصرپور والے کا مرید تھا اور میر شاہ شکر الہی کا دوست تھا بہت اچھا شاعر تھا "شوقی" تخلص تھا۔ اس کی مثنوی "نغمات شوق" تصوف اور سلوک کے مضمون پر مشہور ہے۔ شیخ بہائی کی مثنوی "نان و حلوا" کی تتبع پر ہے۔ دوسری مثنوی "ناز و نیاز" بھی کہی ہے اور دوسری کئی مثنویاں ہیں اور غزلیات کا دیوان بھی ہے۔ مطلب کہ ہر قسم کا شعر کہا ہے اور نثر کے لکھنے میں بھی ماہر تھا۔

(30) دانشور خان ٹھٹھ کے بڑے شاعروں میں سے تھا اور میر عبدالرزاق خان معموری کا ہمعصر تھا۔ تخلص "شہرتی" تھا۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد سے قباد خان حاکم کے وقت تک زندہ تھا۔ اس کا دیوان مشہور ہے۔ اس دور میں ملا محب علی اور عبدالقیوم بھی عالم فاضل اور کامل شاعر اور معتبر نام والے ہو گزرے ہیں۔

(31) میر ابوالقاسم سلطان ولد ابوالقاسم خان زمان سندھ کی تاریخ میں مشہور ہے۔ خاص طور پر شجاعت اور سخاوت کیلئے۔ شعر گوئی اور شعر فہمی میں قابل تھا۔ اس کا تخلص "بیگلر" تھا۔ سنہ 969 ہجری میں پیدا ہوا تھا۔ "چچنامہ، منتخب التاریخ، اور تاریخ طاہری" والے نے اس کی تصنیف بتائی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ یہ ادر کی شاعری کی لکھی ہوئی ہے جو اس نے اس کے نام منسوب کی ہے۔

فصل (6)

متفرق عالم اور فاضل مصنف اور شاعر

(1) محمد مقیم، ترخانوں کے زمانہ میں مرزا جانی کے ساتھ اکبر بادشاہ کی خدمت تک پہنچا۔ اچھا شاعر تھا۔ کتاب "ترنم عشق" شعر میں لکھی جس میں موہل اور مینندھرے کا قصہ مثنوی میں لکھا۔

(2) ملا عبدالرشید، اصل میں لاہری بندر کا رہنے والا تھا۔ فقہ میں قابل تھا۔ اور شاعر بہت اچھا تھا۔ مرزا غازی کو اس کے شعر سے اس کی صحبت زیادہ پسند تھی اس لیے اس کو وطن سے بلا کر اپنے پاس رکھا اور اس کو "خان" کا لقب دیا۔

(3) ملا محمد صوفی، مرزا غازی بیگ کے وقت کا شاعر تھا اکثر اس کے ساتھ رہتا تھا اور مشاعروں میں بھی شامل ہوتا تھا۔

(4) غیوری عرف شکر، اچھا شاعر تھا اور ٹھٹہ میں رہتا تھا اس کا دیوان ہے۔

(5) میاں فتح اللہ ولد عبداللہ مغل، ٹھٹہ کا بہترین شاعر تھا "حسینی" تخلص تھا۔ پیر دستگیر کا خلیفہ تھا۔ سکے بنانے اور مہروں پر کندہ کاری کا کام کرتا تھا اچھا خاصا دیوان ہے۔

(6) محمد میر عرف میاں ہاشو ولد میاں داؤد، عربی کا بڑا عالم تھا اور فارسی کا شاعر تھا۔ محمد ضیائی (نمبر 26) کے ساتھ طبع آزمائی کرتا تھا۔ نواب اعظم خان کے ساتھ جہان آباد جا رہا تھا۔ اس لئے کہ محتسب مقرر ہو جائے لیکن جب بکھر میں پہنچا تو زندگی ختم ہو گئی۔

(7) شیخ محمد فاضل ولد شیخ علی محمد، برجستہ شاعر اور خوشنویس تھا۔

(8) حرتی، ٹھٹہ کے مشہور شاعروں میں سے تھا اور شہرتی شاعر (نمبر 40 فصل 5) کا ہمعصر تھا۔

(9) ملا یار محمد خادم اور محمد رضا ہاشمی، یہ دونوں عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں ٹھٹہ کے مشہور شاعر تھے۔ ان کے شعر میں ظرافت بھی تھی اور بلاغت بھی۔

(10) عبدالشکور بھی ٹھٹہ کا مشہور شاعر تھا اور عاقبت محمود خان، جس کا تخلص "عیشی" تھا، وہ منصبدار بھی تھا۔ اس کا دیوان اور انشا مشہور ہے۔

(11) آخوند محمد شفیع، پارسی خوان مشہور استاد اور عجیب طبع کا شاعر تھا۔ تاریخ نکالنے میں بہت قابل تھا۔ میر عبدالقدوس شیرازی کے مصاحبوں سے تھا۔ سب معزز اور دولتمند آدمی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

(12) میر محمود، استرآباد کے رضوی سیدوں سے تھا۔ نواب سیف اللہ خان کے عہد میں سنہ 1140 ہجری میں عتبات عالیات کی زیارت کرکے ٹھٹہ واپس آیا اور وہاں پر رہنے لگا۔ شادی کی اور اولاد ہوئی۔ منقبت اور مرثیہ بڑی تعداد میں کہے ہیں۔

(13) محمد پناہ، میر حیدرالدین ابوتراب کامل کا شاگرد تھا۔ "راجا" تخلص کرتا تھا۔ اس کی شاعری بہت اچھی اور عجیب تاریخیں نکالتا تھا۔ درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔

(14) آقا محمد صالح تبریزی، سورت بندر میں پیدا ہوا تھا اور ٹھٹہ میں پل کر جوان ہوا اور مشہور شاعر تھا۔ "واثق" تخلص کرتا تھا۔ خوشنویس اور انشاپرداز بھی تھا۔ سنہ 1179 ہجری میں فوت ہو گیا۔

(15) شیخ عبدالسبحان ولد شیخ مرتضیٰ، یہ حاضر جواب شاعر تھا اور ظرافت آمیز شعر کہتا تھا۔ منقبت بھی بہت سارے کہے۔ میاں نور محمد کلہوڑا کی حکومت میں اہلبیت کی محبت کے مخالف اس کو تکلیف دینے لگے جو اس نے سعادت سمجھ کر صبر کے ساتھ برداشت کی۔ اس کے مولود بھی مشہور ہیں۔ اس کے بعد اس کا بھائی محمد رفیع بھی اچھا شاعر تھا۔

(16) آخوند فیض اللہ ملا آدمی تھا اور ٹھٹہ کا رہنے والا تھا۔ بہت سے شاعروں کے نازک اور خیالی شعر جانتا تھا اور سمجھاتا تھا اور خود بھی اچھا شعر کہتا تھا۔ تخلص "تپش" کرتا تھا۔ قابل تعریف نثر اور نظم لکھتا تھا۔

(17) مخدوم اسداللہ، ٹھٹہ کے مخدوموں سے محمد منعم ترائی کی اولاد سے تھا۔ محمد محسن (نمبر 27 فصل 5) کا شاگرد تھا۔ طبع بالکل موزوں تھی شعر عمدہ کہتا تھا۔ بڑا عرصہ سورت بندر میں گزارا۔

(18) آخوند غلام محمد ولد محمد، ٹھٹہ میں فارسی کا بڑا مدرس تھا۔ اچھا شاعر تھا۔ خصوصاً تاریخیں اور قطعہ میں اس کے بہت سے شاگرد تھے۔

(19) مرزا غلام علی، الہ وردی بیگ گاؤزونی کا پوتا تھا۔ شیخ قمر الدین کی خدمت میں رہتا تھا اور بادشاہ کے لشکر میں گذر اوقات کرتا تھا۔ اچھا شاعر تھا۔ "مومن" تخلص کرتا تھا۔ صاحب دیوان تھا۔

(20) شاہ حسین ٹھکدری، شاہ حسین کے ٹھکدری امیروں سے تھا۔ عالم اور فاضل شاعر تھا۔ تاریخ نکالنے کے فن میں ماہر تھا۔ کتاب "روضۃ السلاطین" اس کی تصنیف ہے۔

(21) مولوی مصلح الدین لاری ٹھٹہ کا ایک عالم اور فاضل شخص تھا۔ مرزا شاہ حسن کو پڑھایا تھا۔ سنہ 961 ہجری میں حج کرنے گیا۔ کتاب شرح شمائل نبوی اور حاشیہ تفسیر بیضاوی اور شرح فارسی منطق اور بہت سی کتابیں لکھیں۔

(22) قاضی دتہ سیوہانی جو اپنے باپ قاضی شرف الدین کا شاگرد تھا۔ جس کو مخدوم "راھو" کہتے تھے۔ حدیث کا علم مخدوم بلال تلتی والے سے پڑھا۔ اور دوسرے علوم مخدوم محمود فخر پوتہ اور عبدالعزیز ہراتی سے پڑھے۔ اٹھارہ تفسیر پڑھے۔ علم جفر اور دوسرے کئی مخفی علوم جانتا تھا۔ ترکی زبان جانتا تھا۔ بڑا ذہین تھا بہت سی کتابیں یاد تھیں اور کتابیں لکھی بھی تھیں۔

(23) میر شاہ مسعود اور مولانا فخری اور حیدر کلو نجھا بھی میرزا شاہ حسن کے دور کے بہترین شاعر تھے۔ آخری دیوان "حیدری" تو بہت مشہور ہے۔

(24) میر یونس ارغون، پہلے ہمایوں بادشاہ کے پاس بعد میں محمد زمان مرزا کے پاس تھا بعد میں مرزا شاہ حسن اور سلطان محمود خان کے پاس جا کر رہا۔ ترکی اور فارسی زبان میں عمدہ شعر کہتا تھا۔ سنہ 985 ہجری میں فوت ہو گیا۔

(25) مولوی یار محمد، ہرات سے ٹھٹہ آیا۔ انشاپردازی میں نہایت قابل تھا اور شاعر بھی لاجواب تھا۔ سلطان محمود نے اس کو وکیل بنا کے بادشاہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ سیتپور میں فوت ہو گیا۔

(26) مخدوم عباس بڑا عالم فاضل اور پرہیزگار شخص تھا۔ ذات کا ہنگورا تھا اصل پاٹ کا رہنے والا تھا۔ بعد میں، ہنگورجہ میں آکر رہنے لگا۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کے علموں کا ماہر تھا۔ ہمیشہ حدیث پڑھتے وقت رو دیتا تھا۔ سنہ 998 ہجری میں وفات پائی۔

(27) میر لطف علی خان جس کا نام میر محمد شفیع تھا وہ میر محمد یونس مہدی رضوی بکھری کے پوتوں میں سے تھا۔ ظفر خان بعد میں ٹھٹہ کا نواب مقرر ہوا۔ "شجاعت علی خان" کا خطاب ملا۔ بہتر طور پر حکومت کی اچھا شاعر تھا۔ تخلص "ہمت" تھا۔

سندھ کے بعض قبیلوں کے شجرہ نسب

(۱) سومرہ خاندان: ان کا بزداوا سومرہ یا سومار تھا، جو ان کا سردار بنا اور گدی پر بیٹھا۔ اس کے بعد پشت بہ پشت باپ کی جگہ بیٹا گدی پر بیٹھتا آیا۔ وہ نام ترتیب سے مندرجہ ذیل دیئے جاتے ہیں:

سومرہ۔ بھونگر۔ دودا۔ سنگھار۔ خفیف۔ عمر۔ دودا۔ پنہوں۔ کھینڑا۔ محمد طور۔ کھینڑا۔ طائی۔ چنیسر۔ بھونگر۔ طائی۔ چنیسر۔ بھونگر۔ خفیف۔ دودا۔ بھونگر۔ ہمیر۔

ان کے بعد سما آئے۔

(۲) سما خاندان:

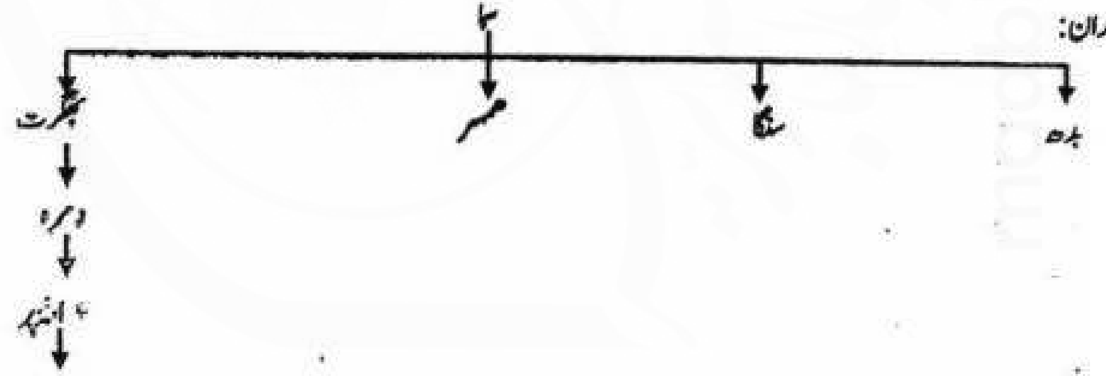

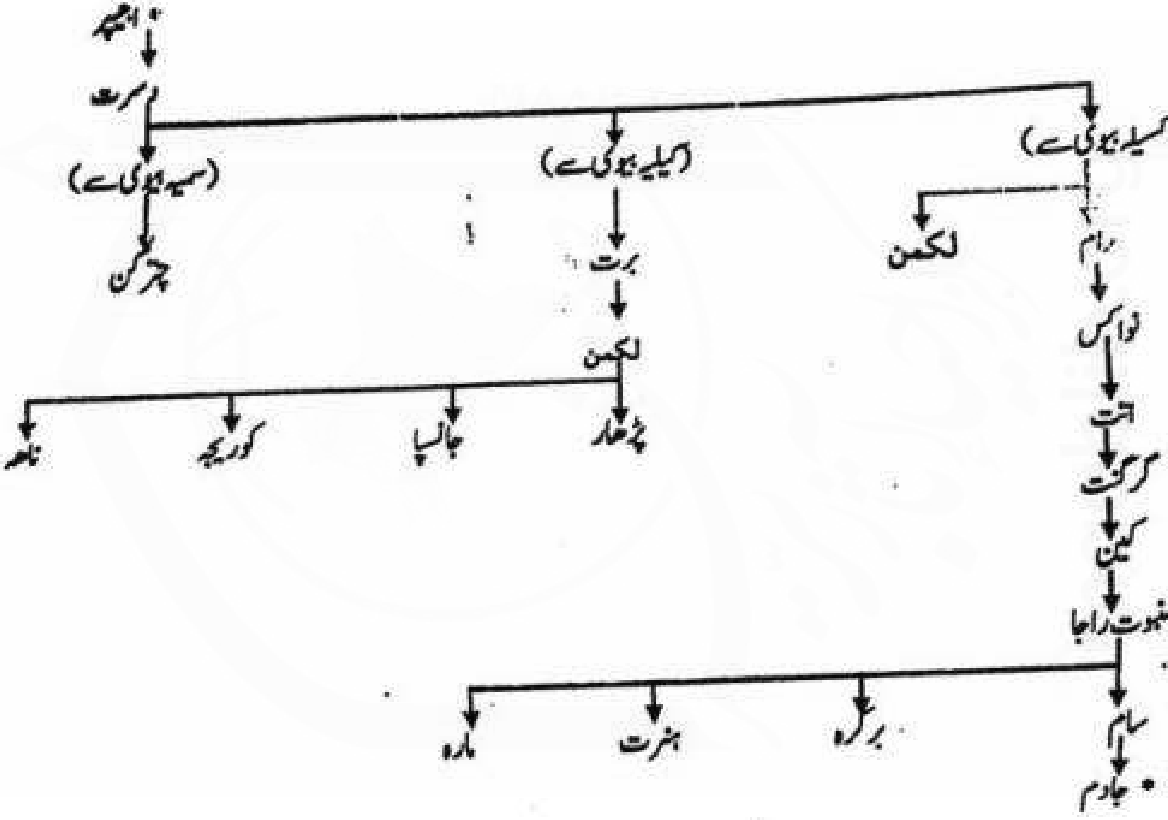

رام
لکمن
برت
لکمن
سنبوت راجا

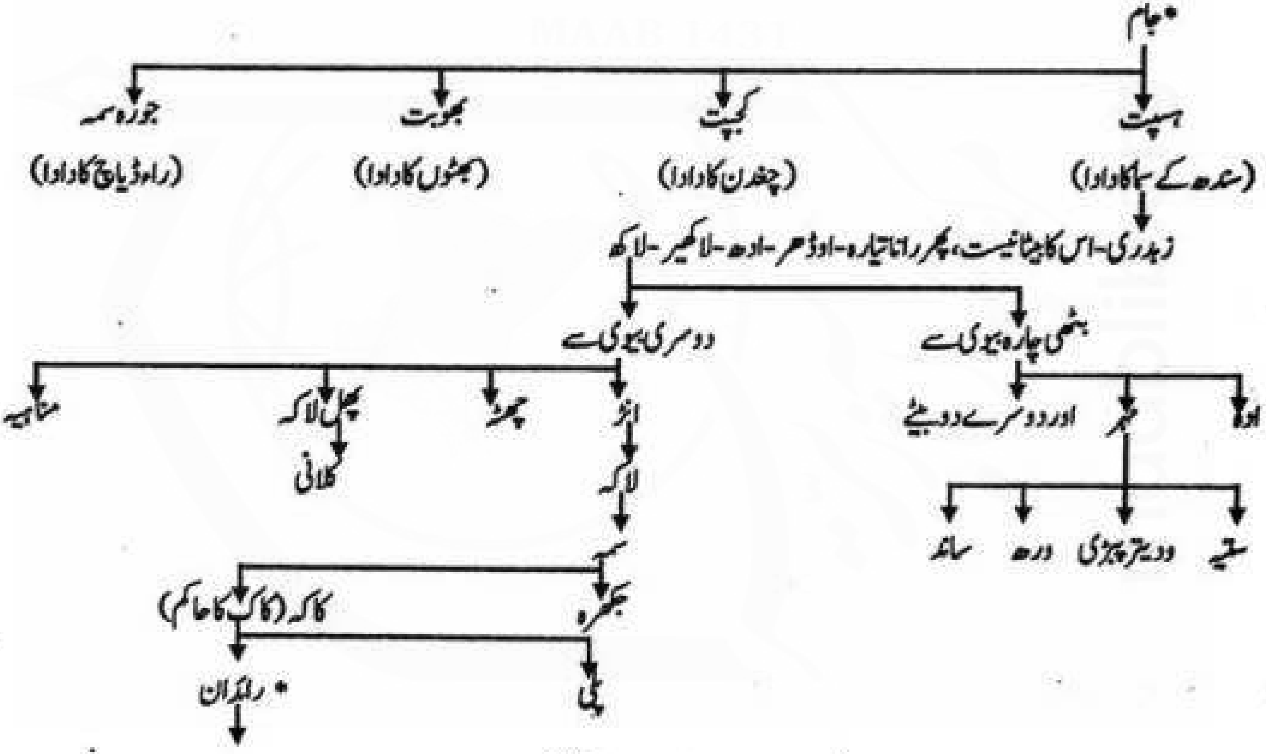

• جام
اسپت
(سندھ کے سما کا دادا)
کچپت
(چغدن کا دادا)
بھوپت
(بھٹوں کا دادا)
جوڑہ سمہ
(راوڑیاج کا دادا)
زیدری - اس کا بیٹا نیست، پھر راناتیارہ - اوڈھر - ادھ - لاکھیر - لاکھ
بنھی چارہ بیوی سے
دوسری بیوی سے
اوٹھ
اور دوسرے دو بیٹے
سمیجہ
درھ
انڑ
چھڑ
کلانی
لاکہ
کاکہ (کاک کا حاکم)

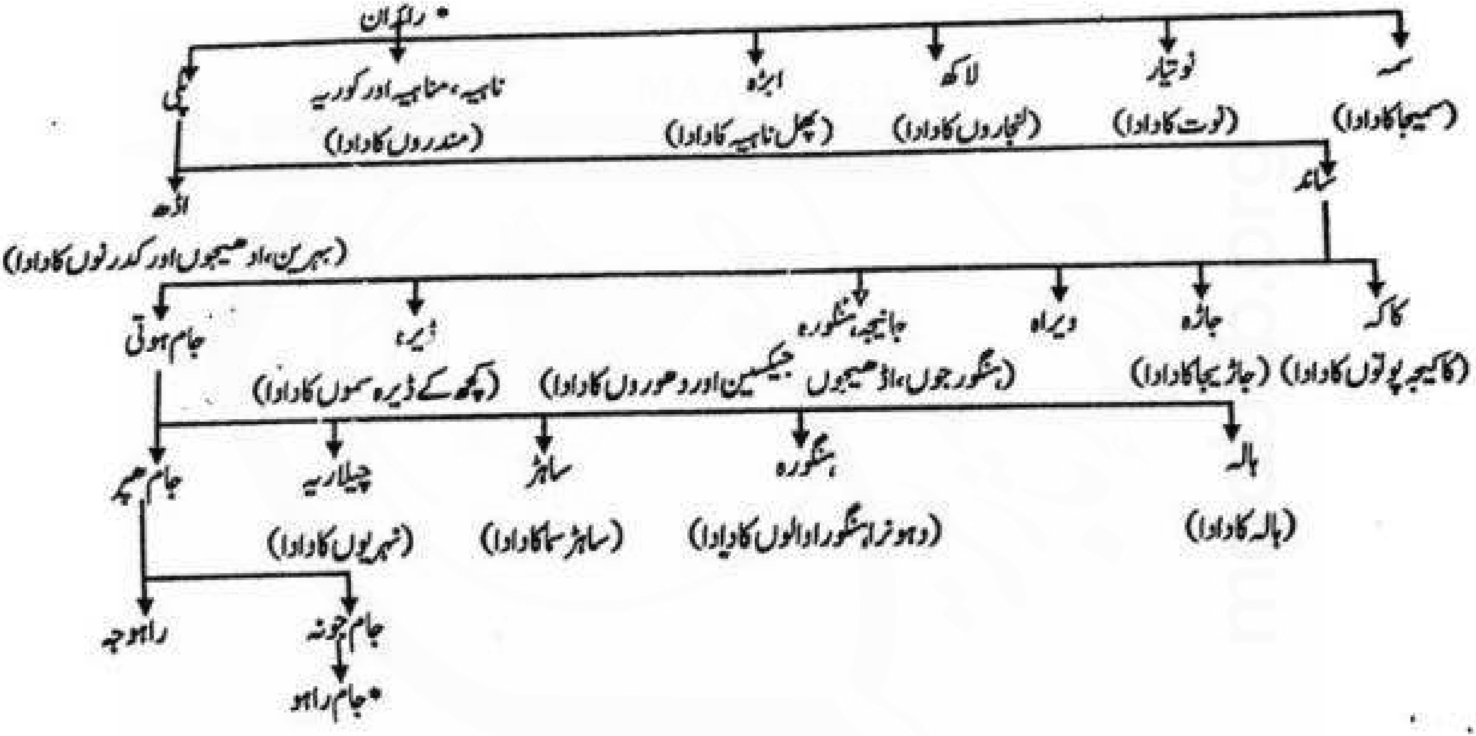
رنگران
سمہ
(سمیجا کا دادا)
نوتیار
(نوت کا دادا)
لاکھ
(لاکھاروں کا دادا)
ابڑہ
(پہل ناہیہ کا دادا)
ناہیہ، مناہیہ اور کوریہ
(منڈروں کا دادا)
ساند
اڈھ
(بہرین، اوھیجوں اور کدرتوں کا دادا)
کاکہ
(کاکیجہ پوتوں کا دادا)
جاڑہ
(جاڑیجا کا دادا)
ویراہ
جانیجہ، ہنگورہ
(ہنگورجوں، اڈھیجوں جیکسین اور دھوروں کا دادا)
ڈیرہ
(کچھ کے ڈیرہ سموں کا دادا)
جام ہوتی
بالہ
(بالہ کا دادا)
ہنگورہ
(دھوترا ہنگورا والوں کا دادا)
ساہڑ
(ساہڑ سما کا دادا)
چیلاریہ
(نہریوں کا دادا)
جام جیہہ
راہوجہ
جام جونہ
جام راہو

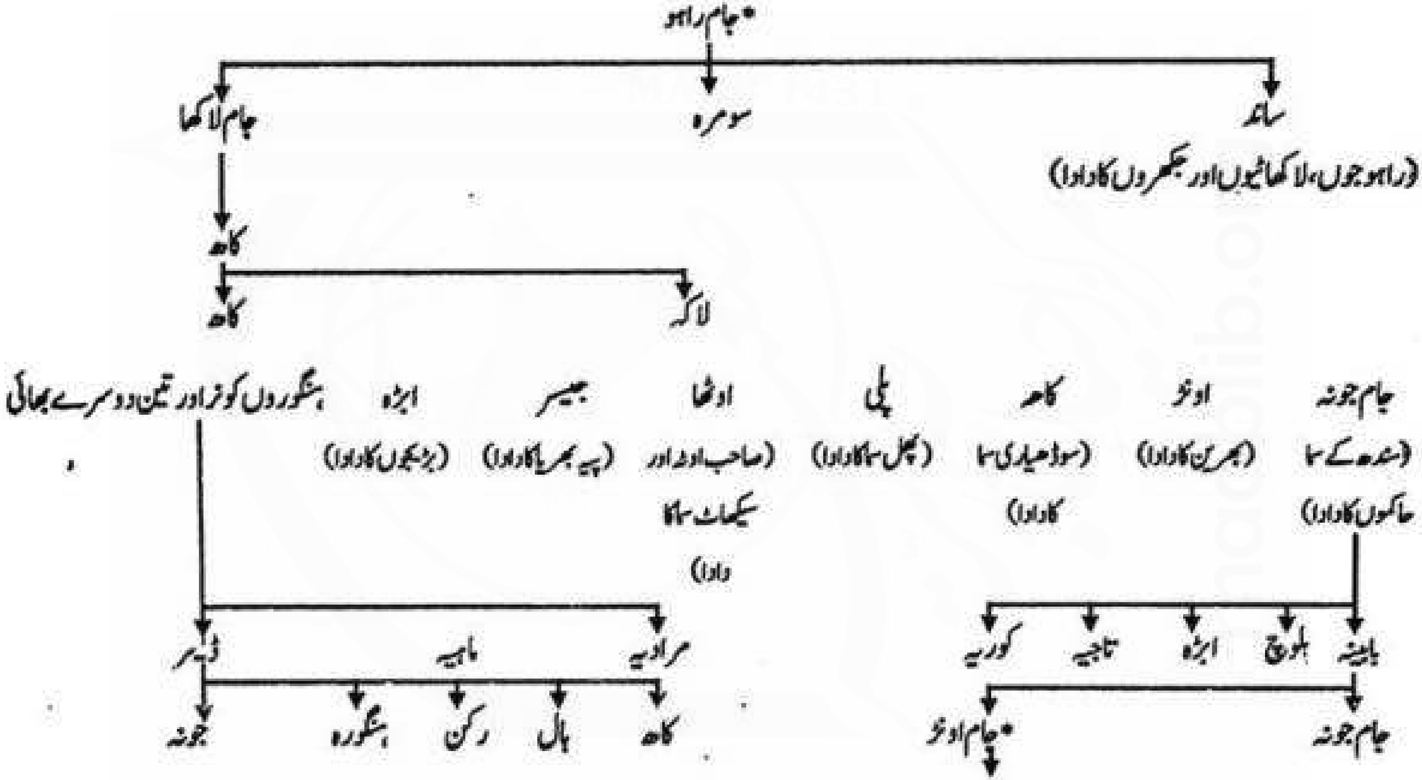

جام راہو*
سانڈ
(راہو جوں، لاکھائیوں اور ججھروں کا دادا)
سومرہ
جام لاکھا
کاٹھ
لاکھہ
کاٹھ
جام جونہ
(سندھ کے سما حاکموں کا دادا)
اوٹر
(ببرین کا دادا)
کاٹھ
(سوڈھیاری سما کا دادا)
پلی
(پچل سما کا دادا)
اوٹھا
(صاحب اوٹ اور سیکھاٹ سما کا دادا)
جیسر
(پیپ بھریا کا دادا)
ابڑہ
(بڑیجوں کا دادا)
ہنگوروں کو ترا اور تین دوسرے بھائی
باہنہ
بلوچ
ابڑہ
تاجیہ
کوریہ
جام جونہ
جام اوٹر*
مرادیہ
ماہیہ
ڈیمر
کاٹھ
ہال
رکن
ہنگورہ
جونہ

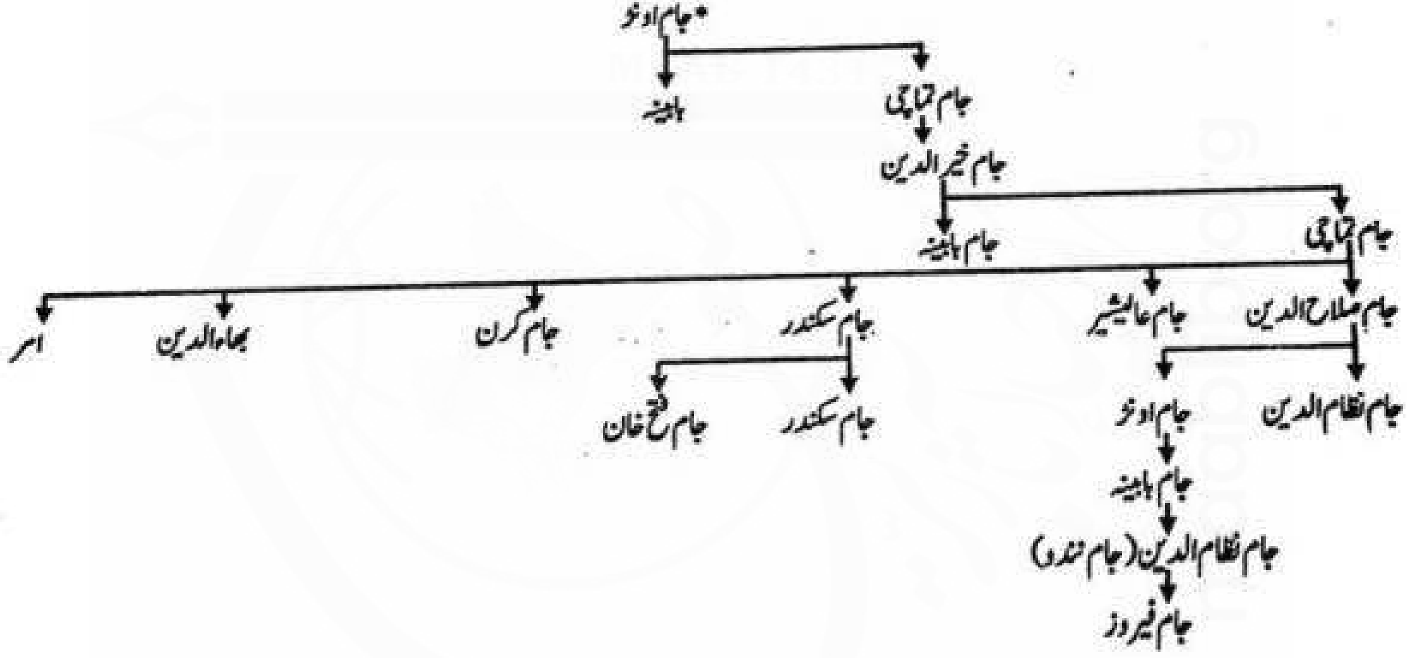

جام اونڑ
بابینہ
جام تماچی
جام خیر الدین
جام بابینہ
جام تماچی
جام صلاح الدین
جام عالیشیر
جام سکندر
جام کرن
بہاءالدین
امر
جام نظام الدین
جام اونڑ
جام بابینہ
جام نظام الدین (جام نندو)
جام فیروز
جام سکندر
جام فتح خان

(۳) کلہوڑا (عباسی) خاندان کا شجرہ نسب

میاں اوڈھا اس خاندان کا جد اعلیٰ تھا اس کی پچیسویں پشت میں تھل اور اس کے بعد پشت بہ پشت یہ ان کے بڑے تھے: بھیل - جام چینہ - محمد - ابراہیم - شاہ محمد (ہاشم) رانہ - طاہر - خان - سہب - کاجن - آدم شاہ - داؤد - الیاس - شاہ علی (شائل محمد) میاں نصیر محمد

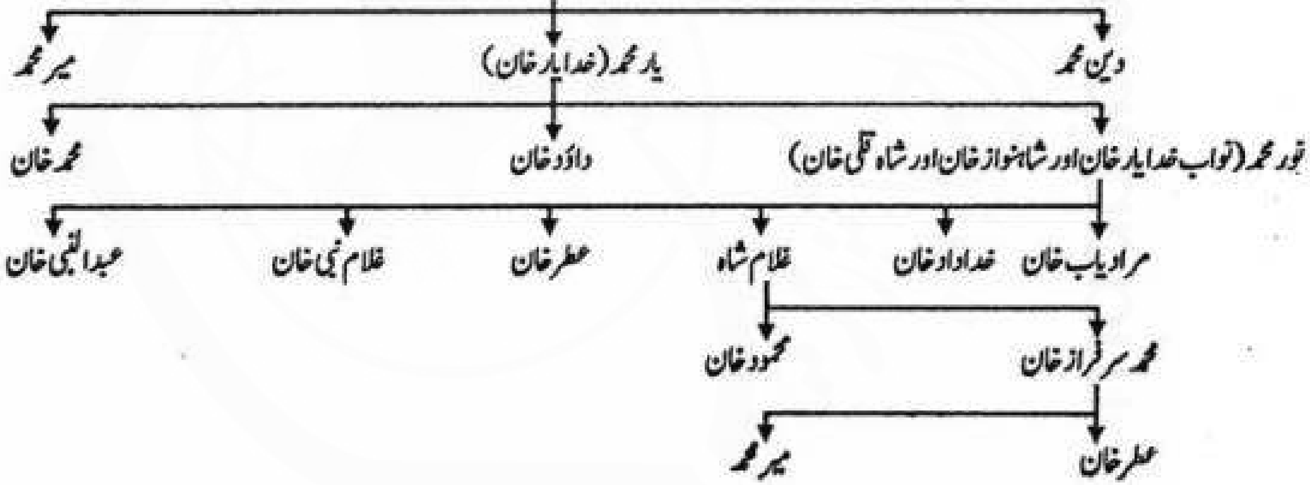

(۴) تالپور بلوچ میر خاندان کا شجرہ نسب

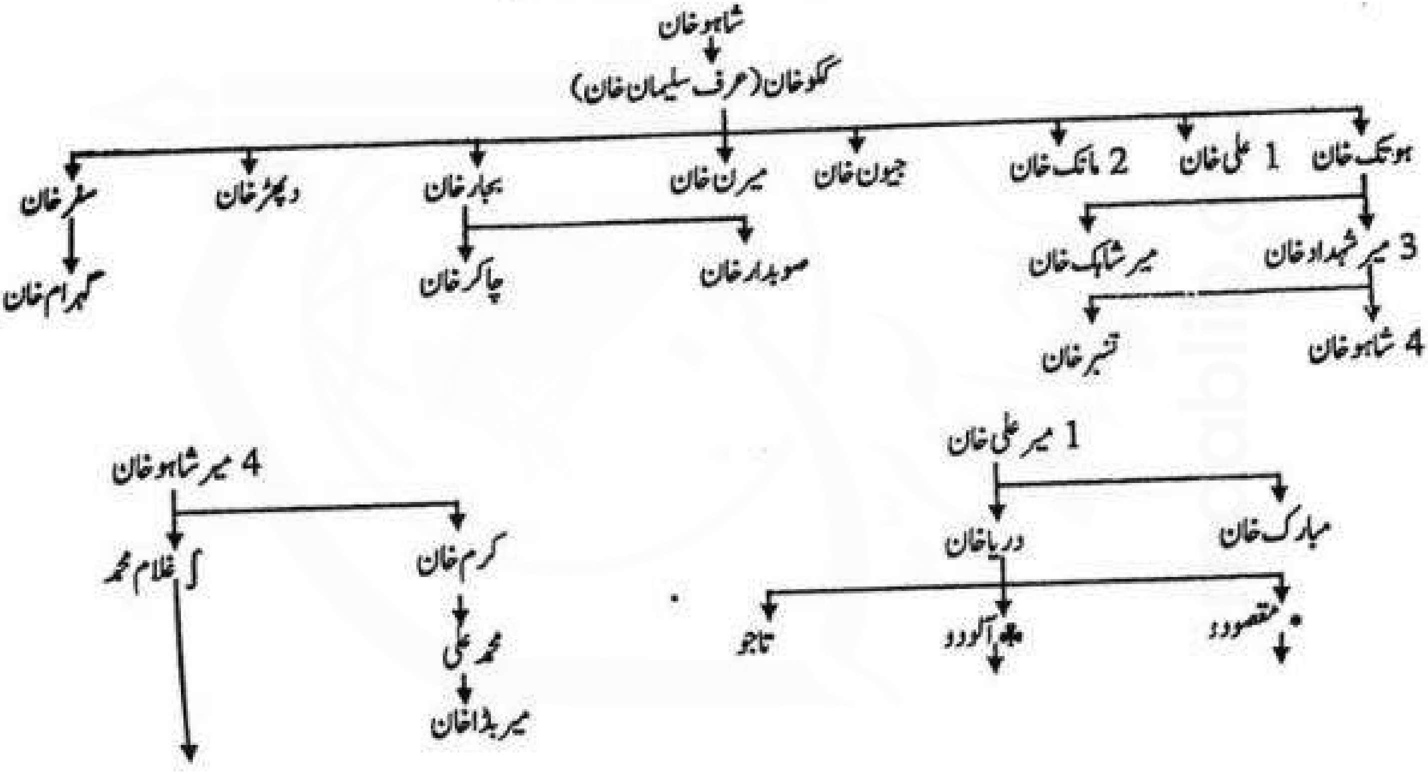

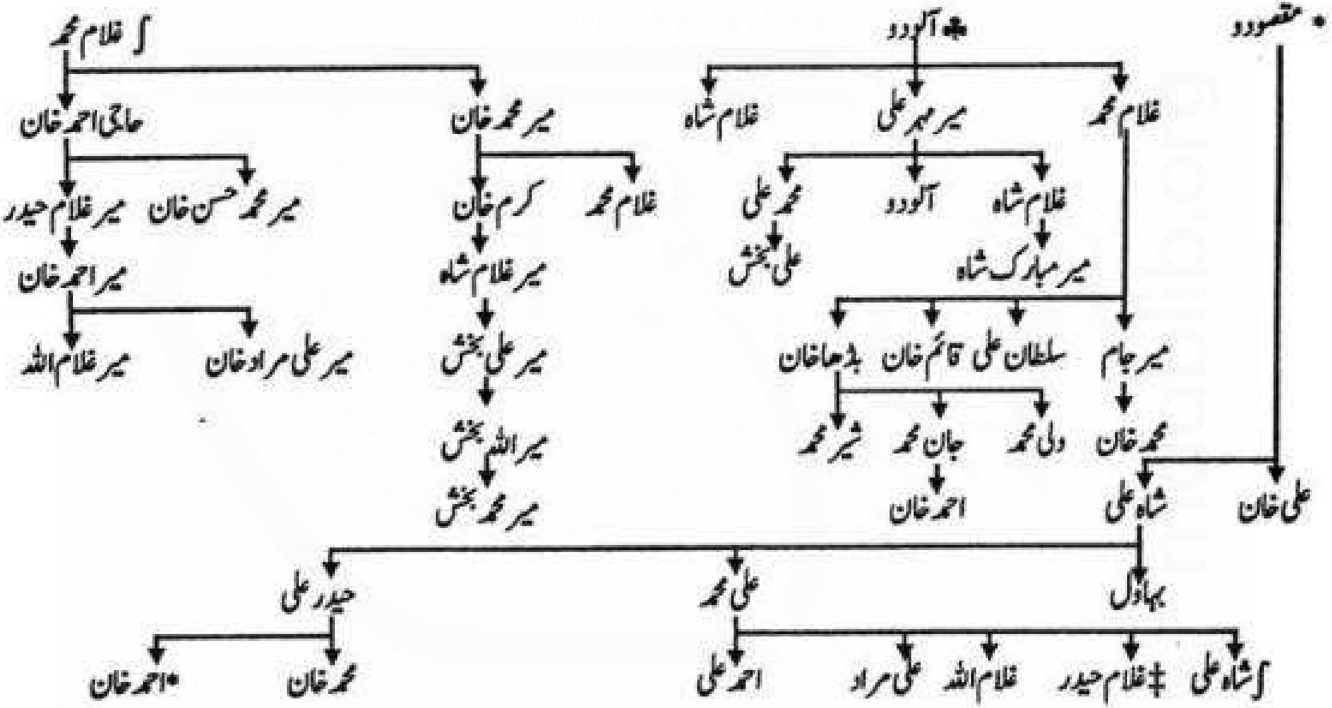

• مقصودو
♣ آلودو
غلام محمد
میر مہر علی
غلام شاہ
غلام شاہ
آلودو
محمد علی
علی بخش
میر مبارک شاہ
میر جام
سلطان علی
قائم خان
بڈھا خان
محمد خان
ولی محمد
جان محمد
شیر محمد
احمد خان
علی خان
شاہ علی
بہاول
علی محمد
حیدر علی
شاہ علی
غلام حیدر
غلام اللہ
علی مراد
احمد علی
محمد خان
احمد خان
غلام محمد
میر محمد خان
غلام محمد
کرم خان
میر غلام شاہ
میر علی بخش
میر اللہ بخش
میر محمد بخش
حاجی احمد خان
میر محمد حسن خان
میر غلام حیدر
میر احمد خان
میر علی مراد خان
میر غلام اللہ

غلام حیدر
عبداللہ
جان محمد
ولی محمد

(۳)

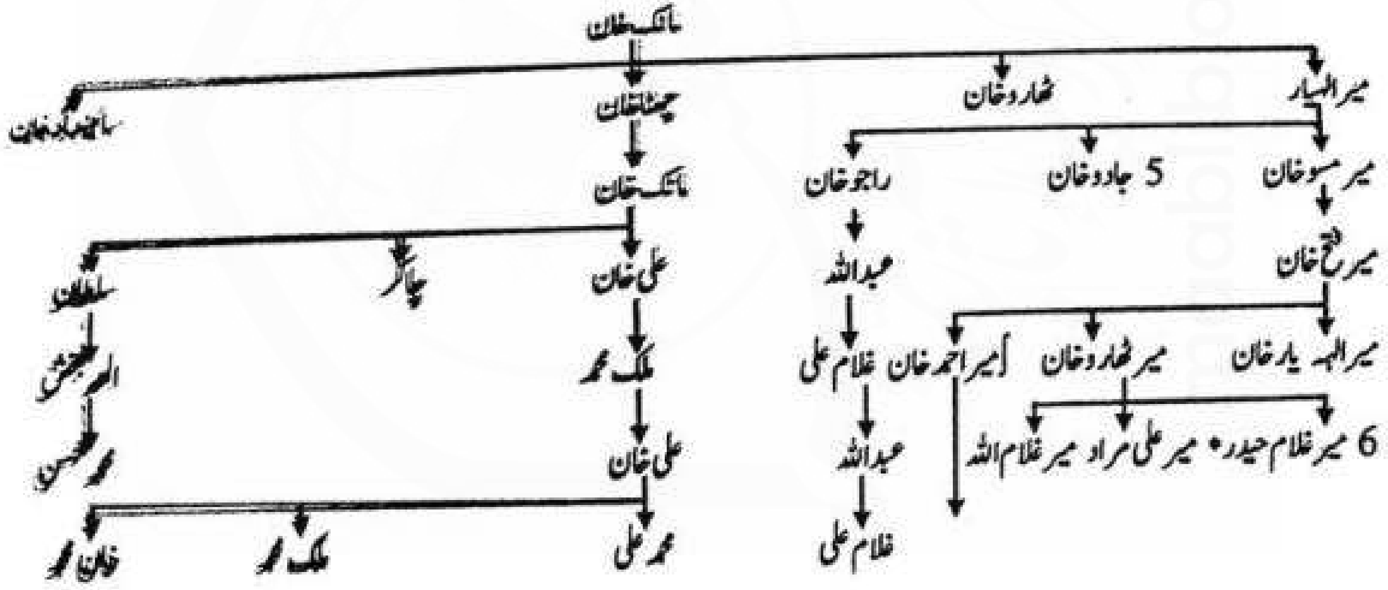
مانک خان
شادو خان
مانک خان
علی خان
ملک محمد
علی خان
محمد علی
ملک محمد
چاکر
راجو خان
عبداللہ
غلام علی
عبداللہ
غلام علی
5 جادو خان
میر مسو خان
میر فتح خان
میر الہ یار خان
میر شادو خان
میر احمد خان
6 میر غلام حیدر • میر علی مراد میر غلام اللہ

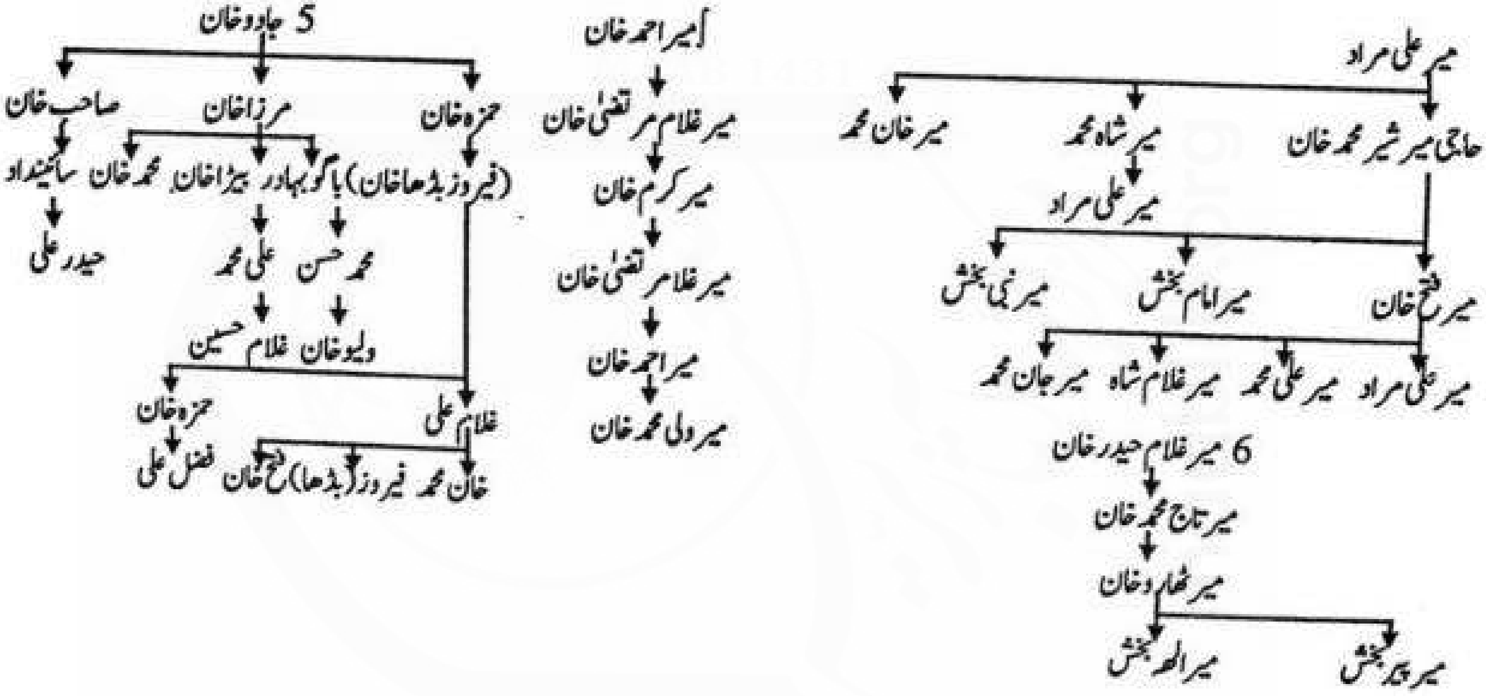
میر علی مراد
حاجی میر شیر محمد خان
میر شاہ محمد
میر خان محمد
میر علی مراد
میر فتح خان
میر امام بخش
میر نبی بخش
میر علی مراد
میر علی محمد
میر غلام شاہ
میر جان محمد
6 میر غلام حیدر خان
میر تاج محمد خان
میر نھارو خان
میر پیر بخش
میر الہ بخش
میر احمد خان
میر غلام مرتضیٰ خان
میر کرم خان
میر غلام مرتضیٰ خان
میر احمد خان
میر ولی محمد خان
5 جادو خان
حمزہ خان
مرزا خان
صاحب خان
(فیروز بڈھا خان)
باگو بہادر
بیڑا خان
محمد خان
سائیں داد
حیدر علی
محمد حسن
علی محمد
ولیو خان
غلام حسین
غلام علی
حمزہ خان
خان محمد
فیروز (بڈھا)
فتح خان
فضل علی

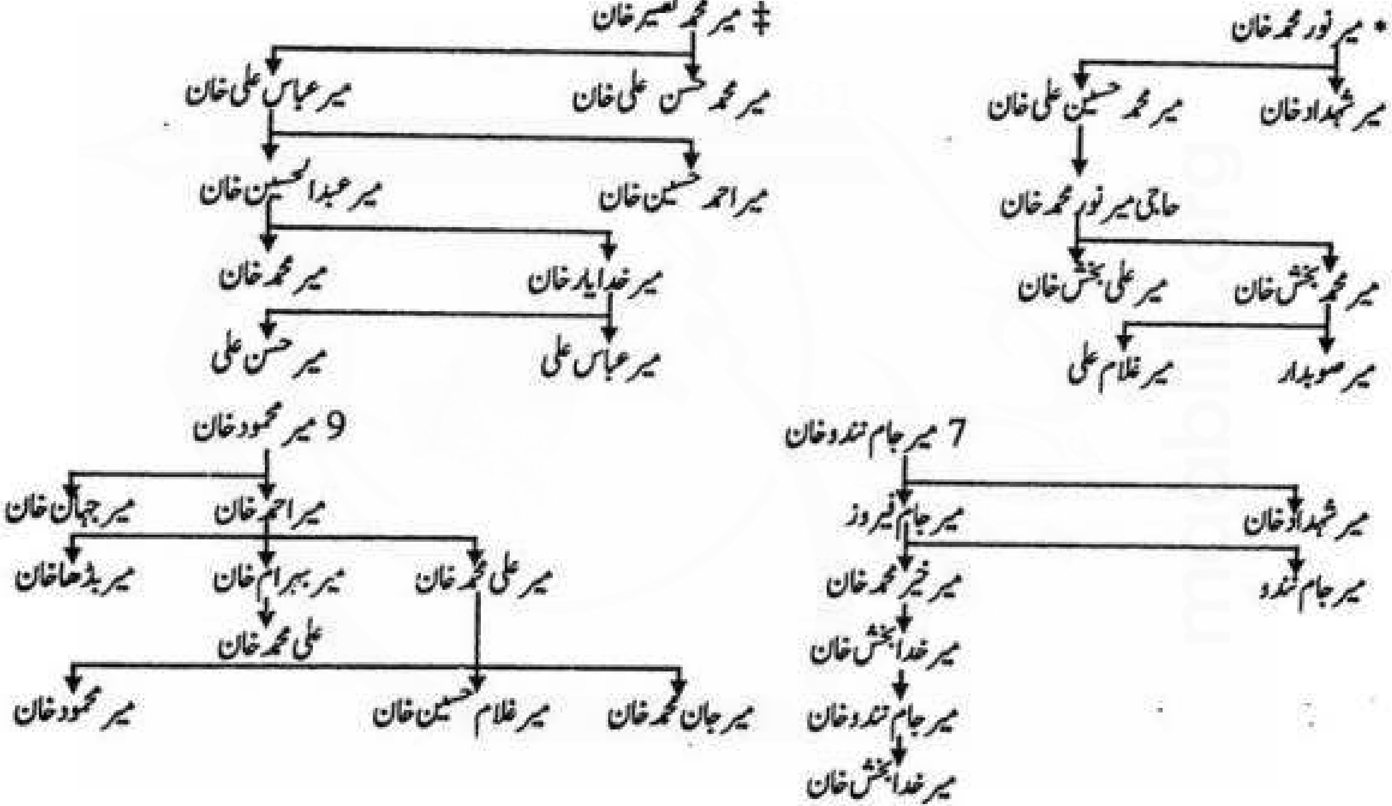

• میر نور محمد خان
میر شہداد خان
میر محمد حسین علی خان
حاجی میر نور محمد خان
میر محمد بخش خان
میر علی بخش خان
میر صوبدار
میر غلام علی
‡ میر محمد نصیر خان
میر محمد حسن علی خان
میر عباس علی خان
میر احمد حسین خان
میر عبدالحسین خان
میر خدایار خان
میر محمد خان
میر عباس علی
میر حسن علی
7 میر جام تندو خان
میر شہداد خان
میر جام فیروز
میر جام تندو
میر خیر محمد خان
میر خدا بخش خان
میر جام تندو خان
میر خدا بخش خان
9 میر محمود خان
میر احمد خان
میر جہان خان
میر علی محمد خان
میر بہرام خان
میر بڈھا خان
علی محمد خان
میر جان محمد خان
میر غلام حسین خان
میر محمود خان

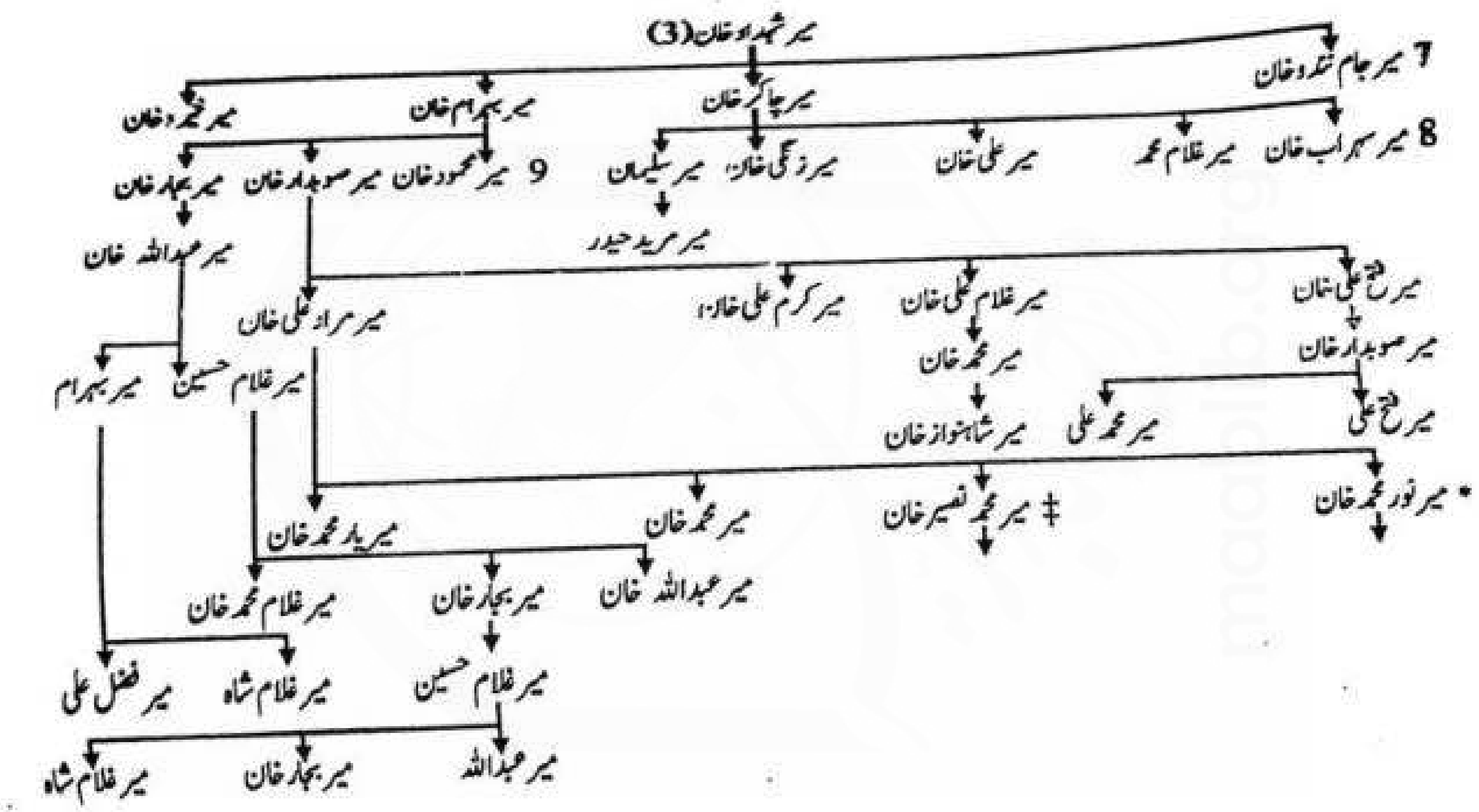
میر شہداد خان (3)
7 میر جام نندو خان
میر چاکر خان
میر بہرام خان
8 میر سہراب خان
میر غلام محمد
میر علی خان
میر زنگی خان
میر سلیمان
9 میر محمود خان
میر صوبدار خان
میر بجار خان
میر مرید حیدر
میر عبداللہ خان
میر فتح علی خان
میر غلام علی خان
میر کرم علی خان
میر مراد علی خان
میر صوبدار خان
میر محمد خان
میر بہرام
میر غلام حسین
میر فتح علی
میر محمد علی
میر شاہنواز خان
* میر نور محمد خان
‡ میر محمد نصیر خان
میر محمد خان
میر یار محمد خان
میر عبداللہ خان
میر بجار خان
میر غلام محمد خان
میر غلام حسین
میر غلام شاہ
میر فضل علی
میر عبداللہ
میر بجار خان
میر غلام شاہ

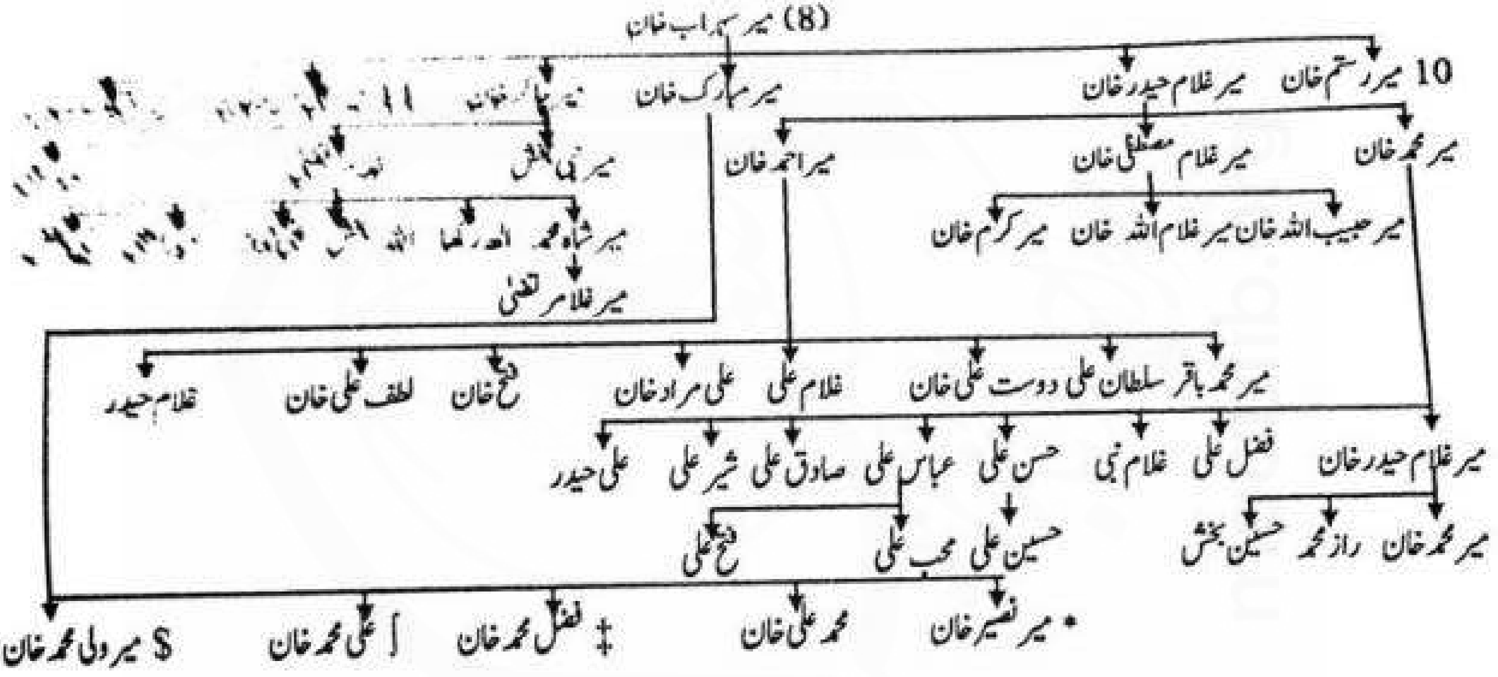

(8) میر سہراب خان
10 میر رستم خان
میر غلام حیدر خان
میر مبارک خان
میر محمد خان
میر غلام مصطفیٰ خان
میر احمد خان
میر حبیب اللہ خان
میر غلام اللہ خان
میر کرم خان
میر غلام مرتضیٰ
میر محمد باقر
سلطان علی
دوست علی خان
غلام علی
علی مراد خان
فتح خان
لطف علی خان
غلام حیدر
میر غلام حیدر خان
فضل علی
غلام نبی
حسن علی
عباس علی
صادق علی
شیر علی
علی حیدر
میر محمد خان
راز محمد
حسین بخش
حسین علی
محب علی
فتح علی
میر نصیر خان
محمد علی خان
فضل محمد خان
علی محمد خان
میر ولی محمد خان

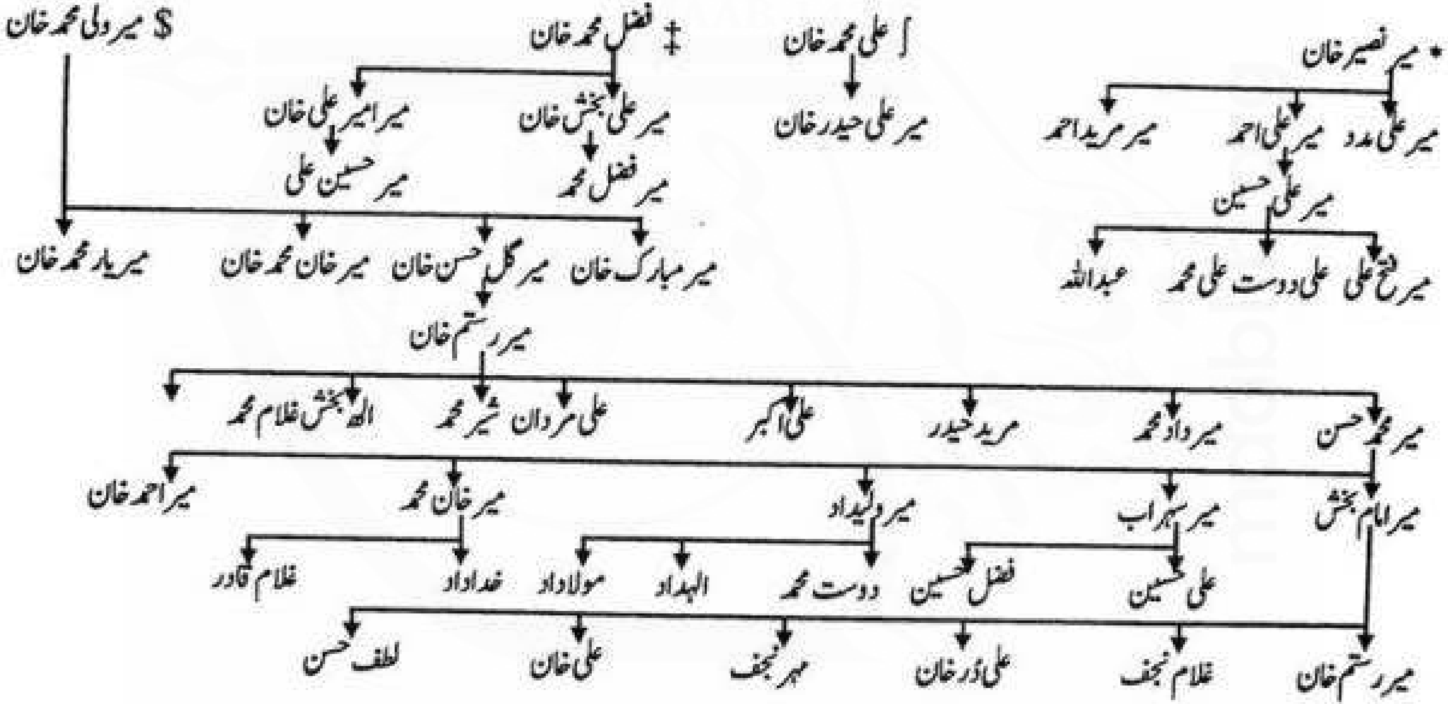

• میر نصیر خان
میر علی مدد
میر علی احمد
میر مرید احمد
میر علی حسین
میر فتح علی
علی دوست علی محمد
عبداللہ
∫ علی محمد خان
میر علی حیدر خان
‡ فضل محمد خان
میر علی بخش خان
میر امیر علی خان
میر فضل محمد
میر حسین علی
$ میر ولی محمد خان
میر مبارک خان
میر گل حسن خان
میر خان محمد خان
میر یار محمد خان
میر رستم خان
میر محمد حسن
میر داد محمد
مرید حیدر
علی اکبر
علی مردان
شیر محمد
الٰہ بخش
غلام محمد
میر امام بخش
میر سہراب
میر ولی داد
میر خان محمد
میر احمد خان
علی حسین
فضل حسین
دوست محمد
الہداد
مولاداد
خداداد
غلام قادر
میر رستم خان
غلام نجف
علی اذر خان
مہر نجف
علی خان
لطف حسن

(۱۱)

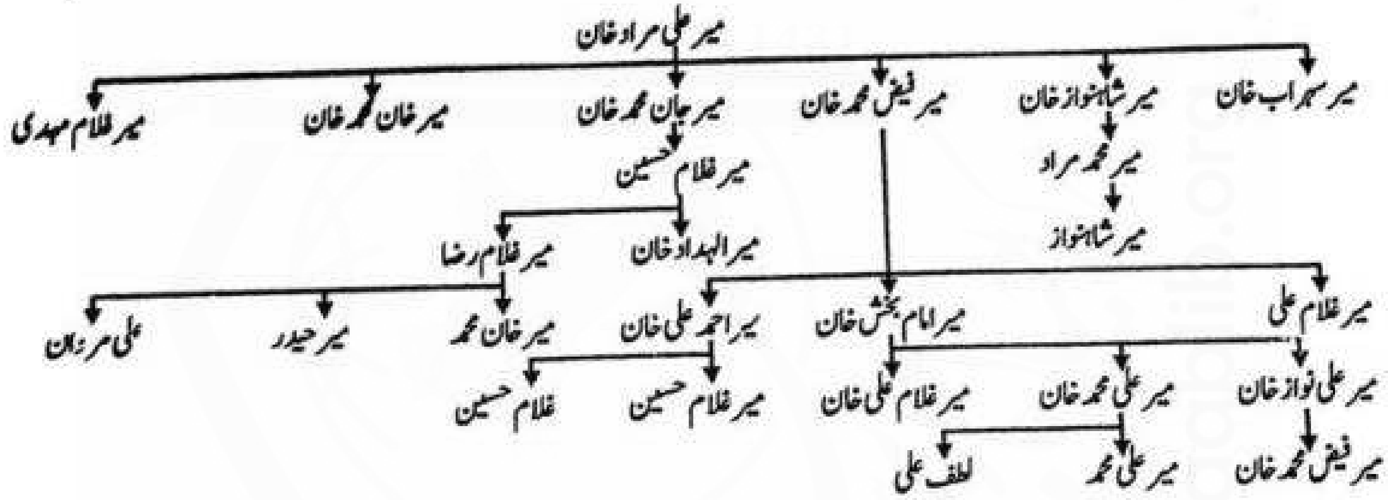

میر علی مراد خان
میر سہراب خان
میر شاہنواز خان
میر فیض محمد خان
میر جان محمد خان
میر خان محمد خان
میر غلام مہدی
میر محمد مراد
میر شاہنواز
میر غلام حسین
میر الہداد خان
میر غلام رضا
میر غلام علی
میر امام بخش خان
میر احمد علی خان
میر خان محمد
میر حیدر
علی مرزان
میر علی نواز خان
میر علی محمد خان
میر غلام علی خان
میر غلام حسین
غلام حسین
میر فیض محمد خان
میر علی محمد
لطف علی

(۵) سید عبدالکریم بلڑی والا اور شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کا شجرہ نسب

امام حسینؑ کی تیسری پشت امام موسیٰ کاظمؑ اور اس سے دسویں پشت سید میر علی ہراتی۔ اس کے بعد پشت بہ پشت سید حیدر۔ سید میر علی۔ شرف الدین۔ شاہ جمار۔ حاجی شاہ۔ ہاشم شاہ۔ عبدالمومن شاہ۔ لعل محمد شاہ۔ سید عبدالکریم شاہ۔ جمال شاہ۔ عبدالقدوس شاہ۔ ‡ حبیب شاہ

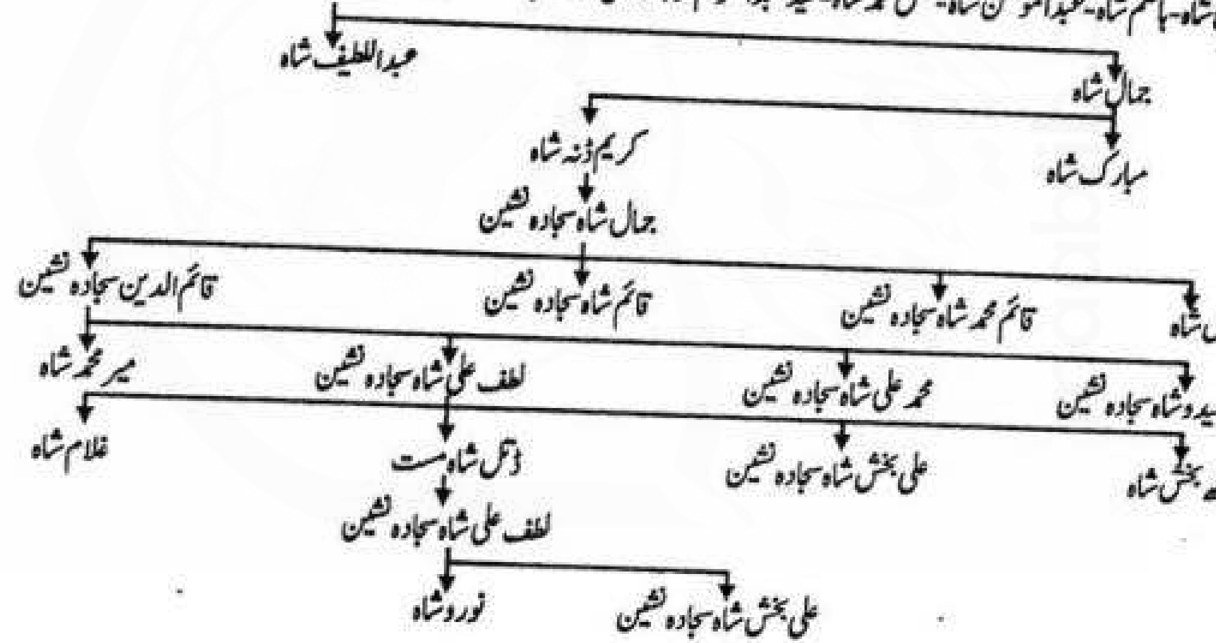

(۲) دیوان گدرومل کا شجرہ

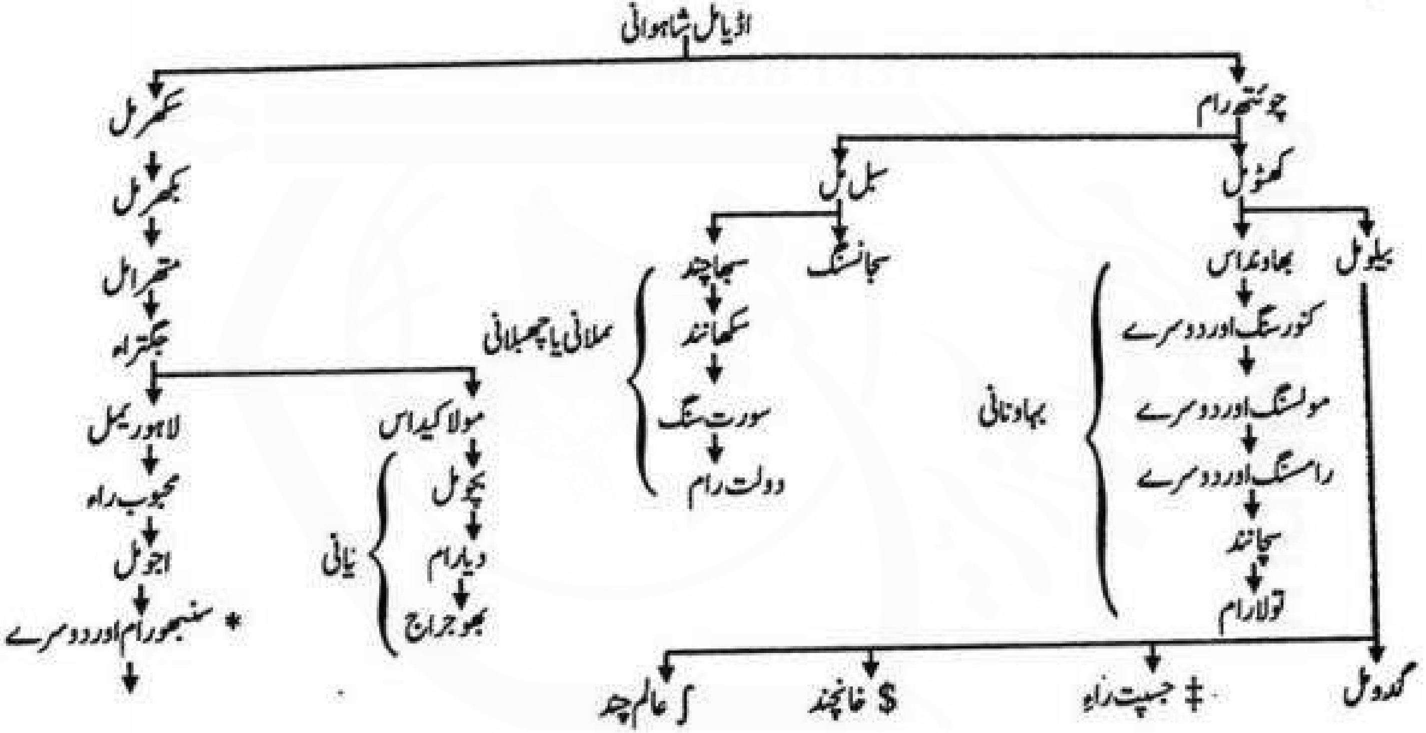

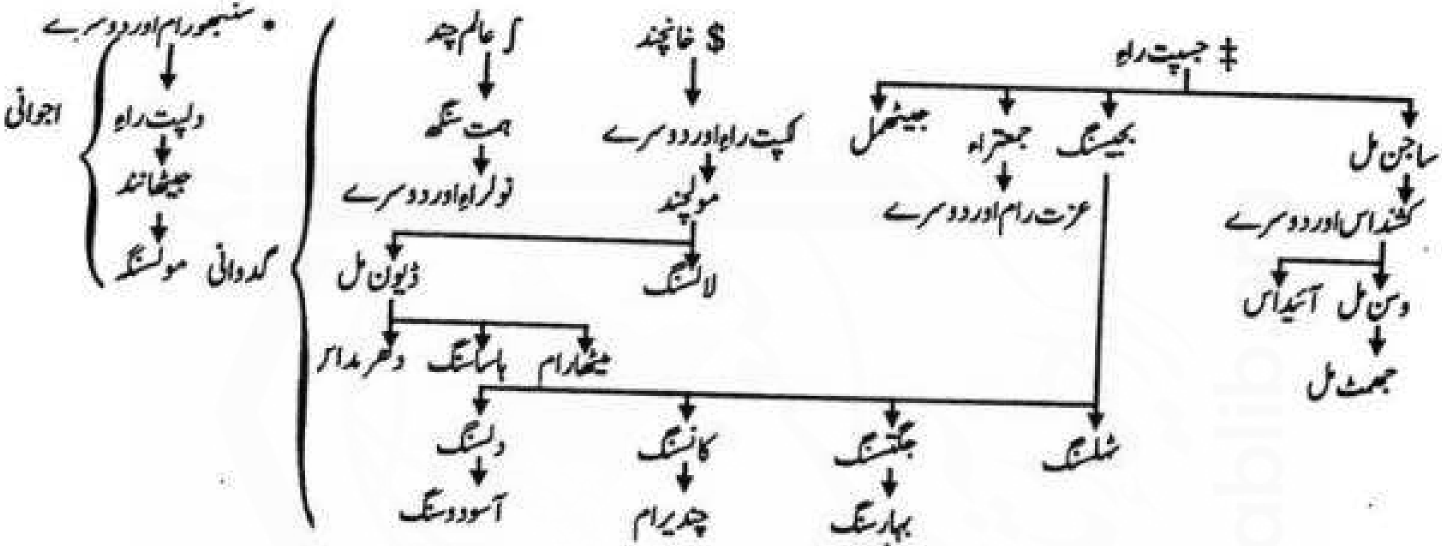

(۷) نواب ولی محمد خان لغاری کا شجرہ

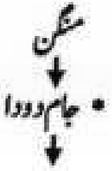

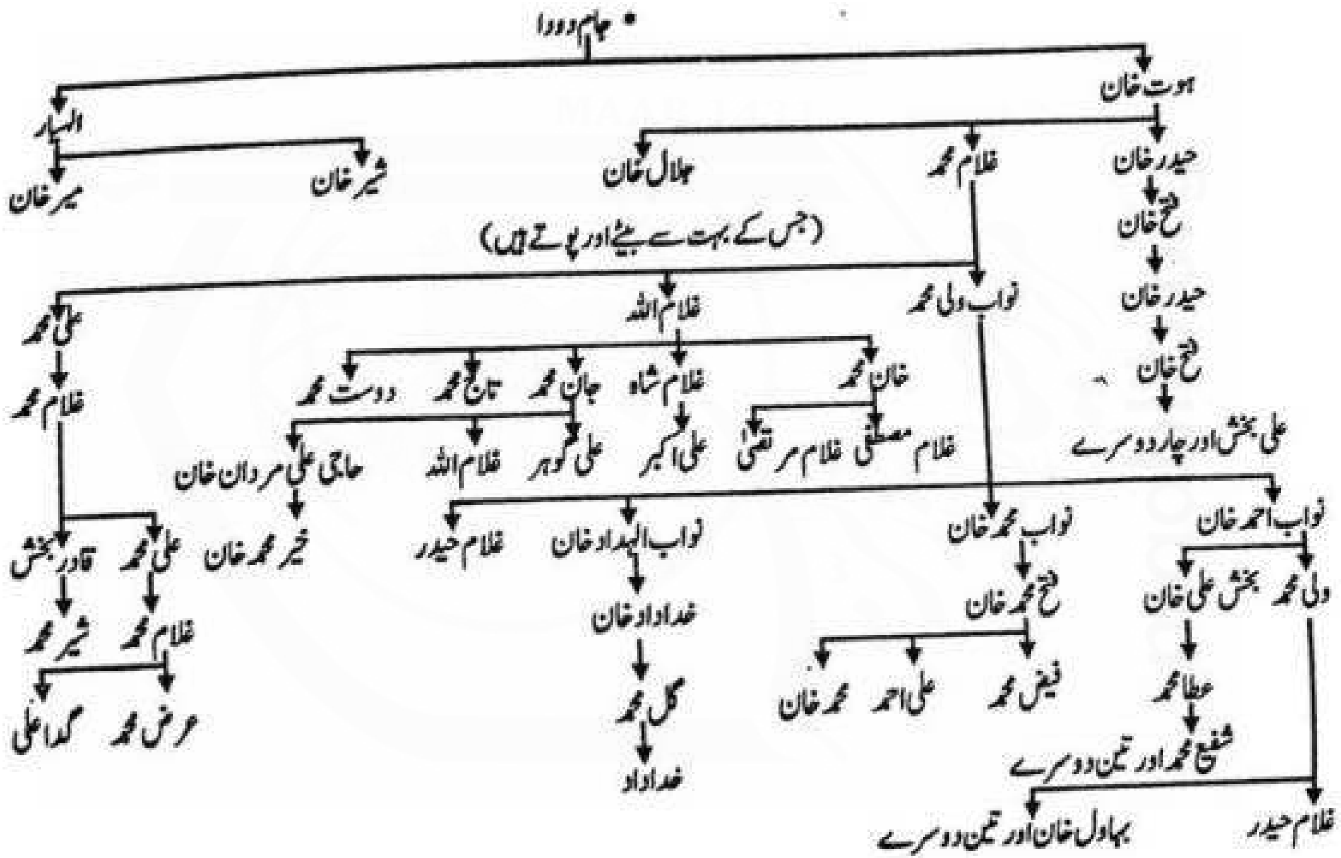
جام دودا
ہوت خان
السیار
حیدر خان
غلام محمد
جلال خان
شیر خان
میر خان
(جس کے بہت سے بیٹے اور پوتے ہیں)
فتح خان
حیدر خان
فتح خان
علی بخش اور چار دوسرے
نواب ولی محمد
غلام اللہ
علی محمد
خان محمد
غلام شاہ
جان محمد
تاج محمد
دوست محمد
غلام مصطفیٰ
غلام مرتضیٰ
علی اکبر
علی گوہر
غلام اللہ
حاجی علی مردان خان
غلام محمد
نواب احمد خان
نواب محمد خان
نواب الہداد خان
غلام حیدر
خیر محمد خان
علی محمد
قادر بخش
ولی محمد
بخش علی خان
فتح محمد خان
خداداد خان
غلام محمد
شیر محمد
عطا محمد
شفیع محمد اور تین دوسرے
فیض محمد
علی احمد
محمد خان
گل محمد
خداداد
عرض محمد
گدا علی
غلام حیدر
بہاول خان اور تین دوسرے

(۸) نواب محمد خان ٹھوڑھا کا شجرہ

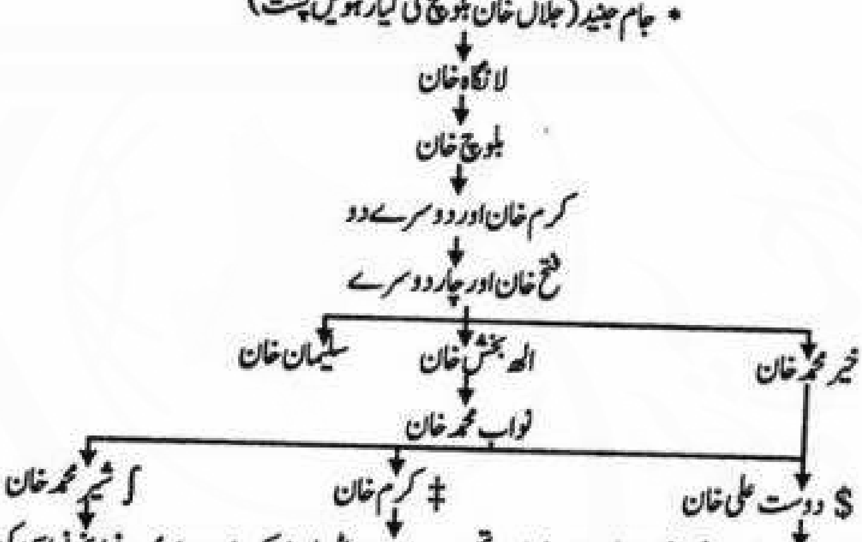

• نوٹ:۔ ولی محمد خان لغاری اور خیر محمد خان ٹھوڑھا کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں۔ جام جنید ٹھوڑھا کے بڑے دادی نے اپنی نواسی کی شادی منگن سے کرائی تھی جو لغاریوں کا بڑا دادا تھا۔ نواب ولی محمد خان لغاری کی بیٹی دوست علی خان کے بیٹے خیر محمد خان کے گھر میں تھی۔

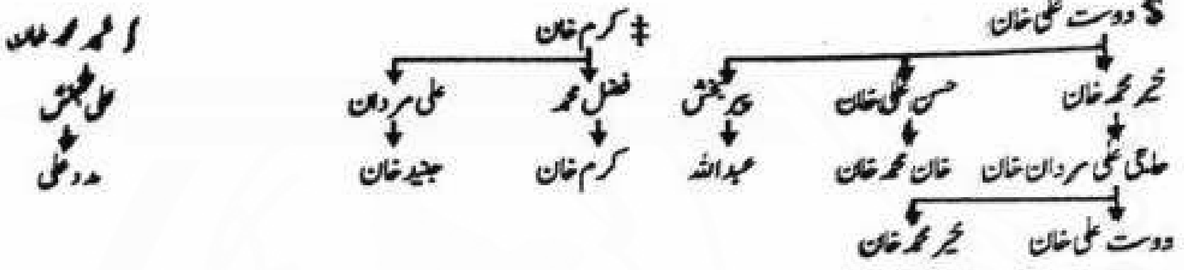

(۹) آغا ابراہیم شاہ اور آغا اسماعیل شاہ کا شجرہ نسب

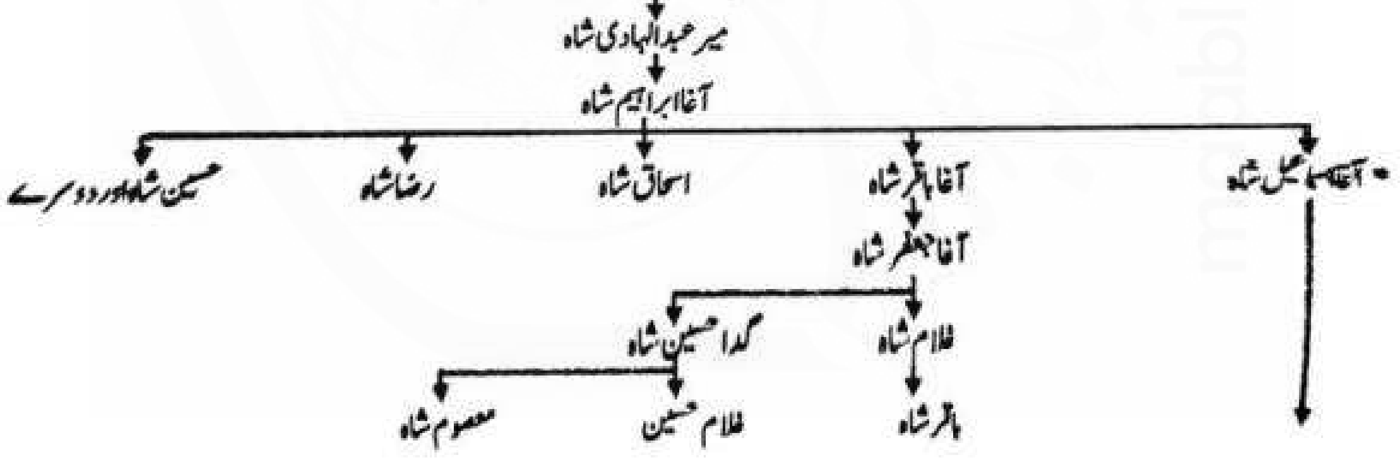

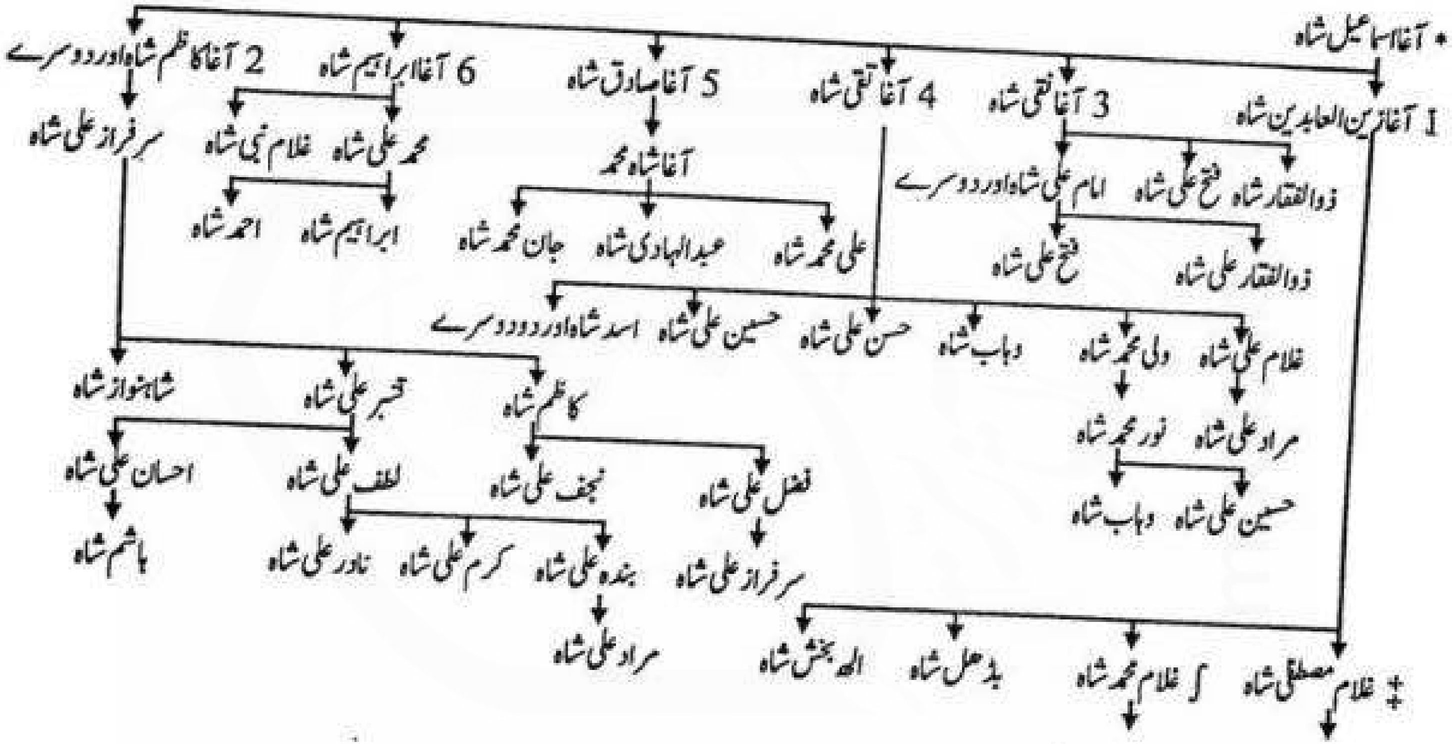

• آغا اسماعیل شاہ
I آغا زین العابدین شاہ
3 آغا نقی شاہ
4 آغا تقی شاہ
5 آغا صادق شاہ
6 آغا ابراہیم شاہ
2 آغا کاظم شاہ اور دوسرے
ذوالفقار شاہ
فتح علی شاہ
امام علی شاہ اور دوسرے
ذوالفقار علی شاہ
فتح علی شاہ
آغا شاہ محمد
علی محمد شاہ
عبدالہادی شاہ
جان محمد شاہ
محمد علی شاہ
غلام نبی شاہ
ابراہیم شاہ
احمد شاہ
سرفراز علی شاہ
غلام علی شاہ
ولی محمد شاہ
وہاب شاہ
حسن علی شاہ
حسین علی شاہ
اسد شاہ اور دوسرے
مراد علی شاہ
نور محمد شاہ
حسین علی شاہ
وہاب شاہ
کاظم شاہ
قنبر علی شاہ
شاہنواز شاہ
فضل علی شاہ
نجف علی شاہ
لطف علی شاہ
احسان علی شاہ
سرفراز علی شاہ
بندہ علی شاہ
کرم علی شاہ
نادر علی شاہ
ہاشم شاہ
مراد علی شاہ
غلام مصطفیٰ شاہ
غلام محمد شاہ
بدھل شاہ
الٰہ بخش شاہ

- ‡ غلام مصطفیٰ شاہ
  - بچل شاہ
    - زین العابدین شاہ
      - بخش علی شاہ
    - غلام مرتضیٰ شاہ
  - علی جان
    - ہمت علی شاہ

- ∫ غلام محمد شاہ
  - تراب علی شاہ
    - امین اللہ شاہ
    - حبیب اللہ شاہ
      - عبدالحسین شاہ
  - مظہر علی شاہ
  - ظہور علی شاہ

(۱۰) مرزا خسرو بیگ اور دوسرے گرجی مرزاؤں کے شجرۂ نسب

(الف)

- مرزا خسرو بیگ
  - مرزا علی محمد بیگ
    - مرزا ابیوردی بیگ
    - مرزا امام قلی بیگ
    - مرزا کلب علی بیگ
      - مرزا علی اکبر بیگ
      - مرزا محمد حسین بیگ
      - مرزا علی حسین بیگ
    - مرزا علی یار بیگ
      - مرزا احمد علی
  - • مرزا ولی محمد بیگ →
  - $ مرزا محمد رحیم بیگ →
  - مرزا غلام مرتضیٰ بیگ
    - مرزا غلام حسین
    - مرزا علی رضا

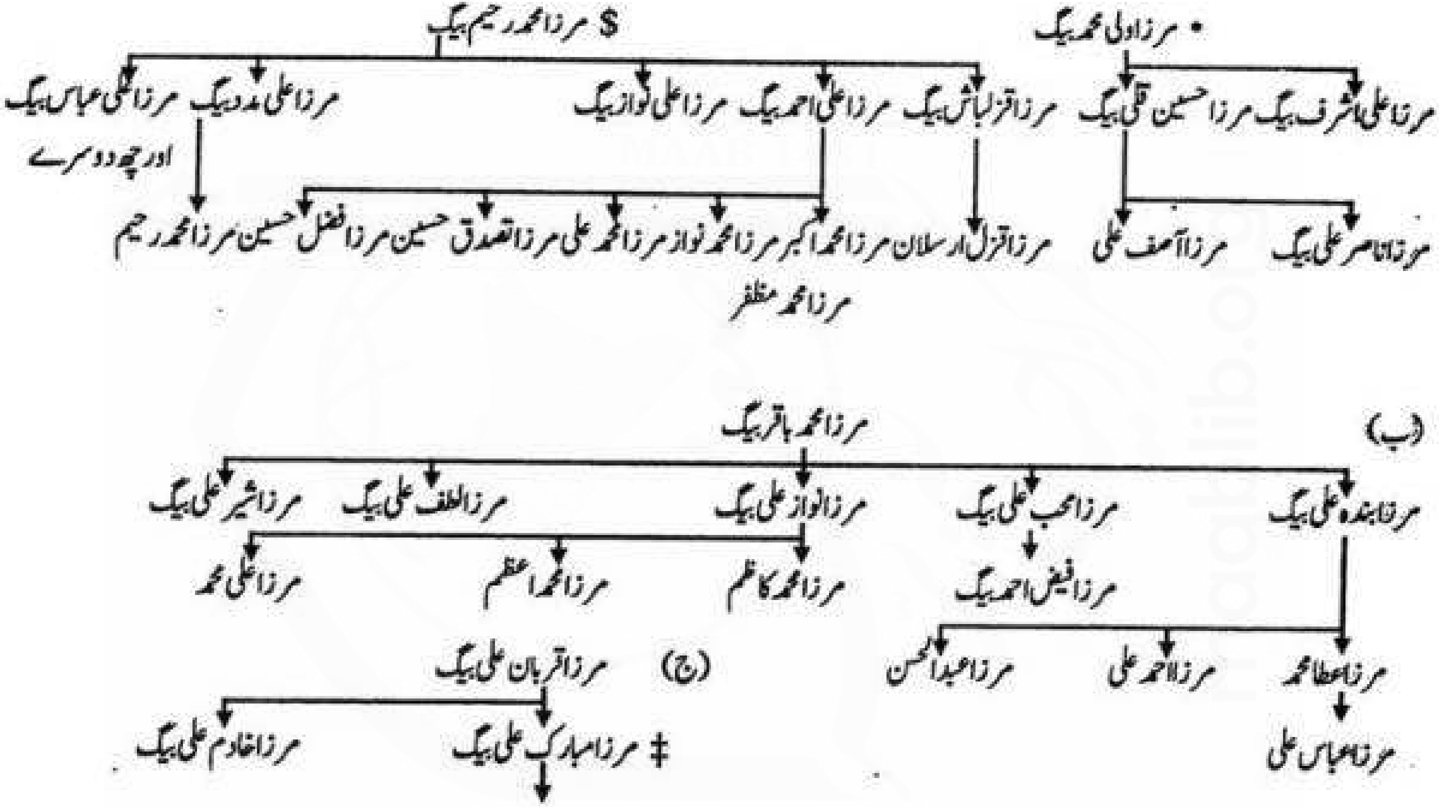
• مرزا ولی محمد بیگ
مرزا علی اشرف بیگ
مرزا حسین قلی بیگ
مرزا ناصر علی بیگ
مرزا آصف علی
$ مرزا محمد رحیم بیگ
مرزا قزلباش بیگ
مرزا علی احمد بیگ
مرزا علی نواز بیگ
مرزا علی مدد بیگ
مرزا علی عباس بیگ
اور چھ دوسرے
مرزا قزل ارسلان
مرزا محمد اکبر
مرزا محمد نواز
مرزا محمد علی
مرزا تصدق حسین
مرزا فضل حسین
مرزا محمد رحیم
مرزا محمد مظفر
(ب)
مرزا محمد باقر بیگ
مرزا بندہ علی بیگ
مرزا محب علی بیگ
مرزا نواز علی بیگ
مرزا لطف علی بیگ
مرزا شیر علی بیگ
مرزا فیض احمد بیگ
مرزا محمد کاظم
مرزا محمد اعظم
مرزا علی محمد
مرزا عطا محمد
مرزا احمد علی
مرزا عبدالحسن
مرزا عباس علی
(ج)
مرزا قربان علی بیگ
‡ مرزا مبارک علی بیگ
مرزا خادم علی بیگ

‡ مرزا مبارک علی بیگ
مرزا احمد حسین

(ھ)

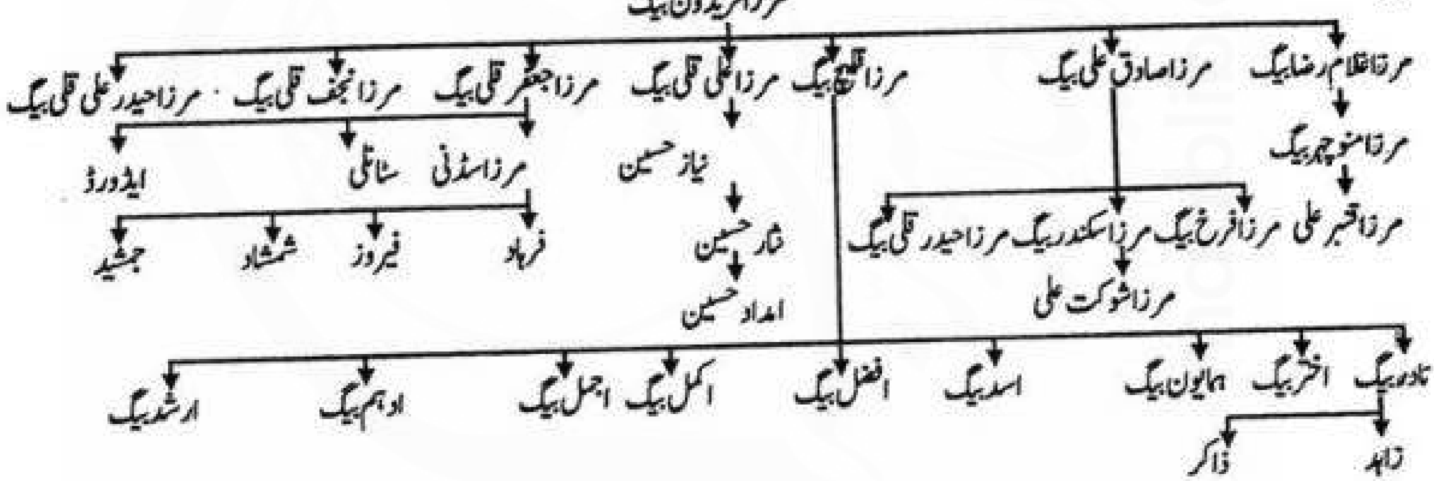

مرزا فریدون بیگ
مرزا غلام رضا بیگ
مرزا صادق علی بیگ
مرزا قلیچ بیگ
مرزا علی قلی بیگ
مرزا جعفر قلی بیگ
مرزا نجف قلی بیگ
مرزا حیدر علی قلی بیگ
مرزا منوچہر بیگ
مرزا قنبر علی
مرزا فرخ بیگ
مرزا سکندر بیگ
مرزا حیدر قلی بیگ
مرزا شوکت علی
نیاز حسین
نثار حسین
امداد حسین
مرزا سڈنی
ساتی
ایڈورڈ
فرہاد
فیروز
شمشاد
جمشید
نادر بیگ
اختر بیگ
ہمایوں بیگ
اسد بیگ
افضل بیگ
اکمل بیگ
اجمل بیگ
اوہم بیگ
ارشد بیگ
زاہد
ذاکر

(۱۱) سید ثابت علی شاہ شاعر کا شجرہ

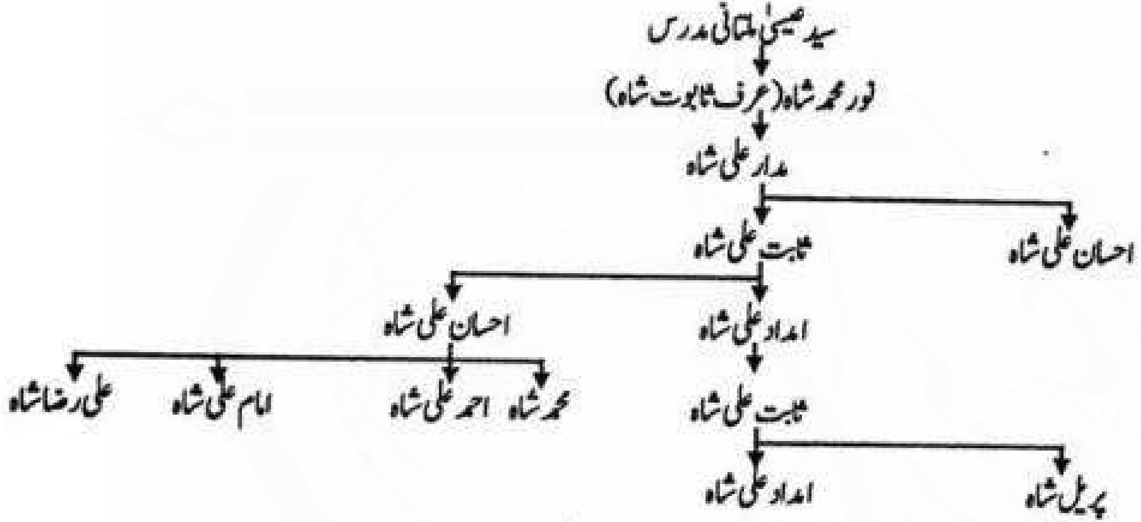

(۱۲) سید نایا پگل فقیر دراز اوالے شاعر کا شجرہ نسب

مخدوم ابوالفتح خلیفی حضرت عمر فاروق کی بائیسویں پشت میں تھا اور اس کے بعد مخدوم عبدالوہاب چودھویں پشت میں تھا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

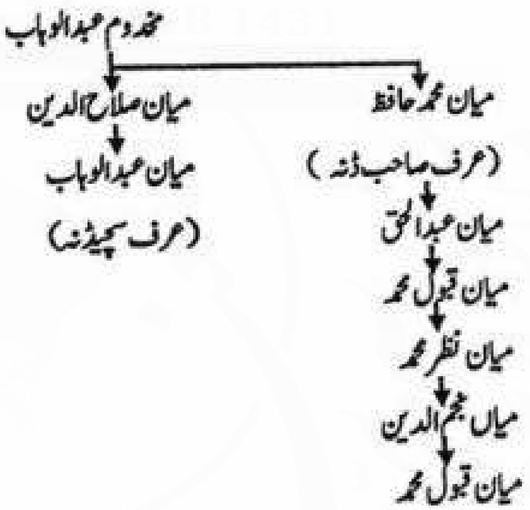

مخدوم عبدالوہاب
میاں محمد حافظ
(عرف صاحب ڈنہ)
میاں عبدالحق
میاں قبول محمد
میاں نظر محمد
میاں نجم الدین
میاں قبول محمد
میاں صلاح الدین
میاں عبدالوہاب
(عرف سچیڈنہ)

"قدیم سندھ کے ستارے" کتاب میں ذکر کیے ہوئے شخصیتوں کے نام

الف۔ب کے تحت یادداشت

[اشارہ: پہلا حرف فصل اور دوسرا اسم کے طور پر دکھائے گئے ہیں]

(الف)

آدم (مخدوم) 16-5
ابراہیم (قاضی) 1-3
ابوالبقا (میر) 4-5
ابوالخیر (مخدوم) 13-5
ابوالحسن (مخدوم) 18-5
ابوالفتح (مخدوم) 15-5
ابوالفضل (شیخ) 8-2
ابوالقاسم (ملا) 14-5
ابوالقاسم (سلطان) 31-5
الکارم (میر) 2-2
ابوبکر (میاں) 5-2
ابوعلی سندھی 2-4
احمد (ملا) 14-5
اسداللہ روشن (مخدوم) 17-6
اسداللہ (میاں) 15-5
اسماعیل (قاضی) 4-1
امان اللہ (خواجہ) 8-5
امیر حسینی 2-1
امین الدین (میر) 7-5

(ث)

ثابت علی شاہ (زوار کربلائی) 9-3

(ج)

جانشاہ رضوی (میر) 3-1
جہانگیر شاہ ہاشمی 1-1

(ح)

حسن علی خان حسن (میر) 30-6
حیدرالدین ابوتراب کامل 7-5
حیدر کلو خجر (میر) 23-6
حیدر ہروی کلیجہ 6-2
حیرتی 8-6

(د)

دانشور خان شہرتی 30-5
داؤد (درویش) 6-3

(ڈ)

ڈنہ (قاضی) 22-6

(ر)

[illegible]

[illegible] 7-5

[illegible] 12-5

(ز)

[illegible] 1-5

(س)

[illegible] 2-1

[illegible] 28-5

[illegible] 1-5

[illegible]

(ش)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(ط)

[illegible]

(ع)

[illegible]

عباس (مخدوم) 26-6

عبدالباسط (شیخ) 16-5

عبدالحلیم (میاں) 5-2

عبدالحکیم عطا (ملا) 26-5

عبدالرحمن (مخدوم) 4-3

عبدالرسول (ملا) 24-5

عبدالرشید (ملا) 2-6

عبدالرؤف جویا (میاں) 15-5

عبدالسبحان (شیخ) 15-6

عبدالشکور 10-6

عبدالعزیز (مخدوم) 7-2

عبدالغفار (قاضی) 3-2

عبدالغنی (شیخ) 21-5

عبدالقادر (سید) 9-5

عبدالقیوم 30-5

عبدالکریم (سید) 8-3

عبداللہ سلطان خان عربیحی 2-2

عبداللہ شیخ 1-3

عبداللطیف 1-3

عبداللطیف تارک بھٹائی 2-3

عبدالواسع صوفی شیخ 17-5

عبدالواسع (امیرک) 3-5

عثمان مروندی شیخ 1-2

علیم الدین 2-5

علی شیر قانع 2-5
علی احمد (مخدوم) 16-5
عنایت اللہ صوفی (شاہ) 1-4
عیسیٰ سندھی (شیخ) 2-4

(غ)

غروری (میر) 5-5
غلام شاہ عباسی 29-6
غلام علی مداح 27-5
غلام علی موسن (مرزا) 19-6
غلام محمد (آخوند) 18-6
غیوری عرف شکر 6-6

(ف)

فتح اللہ حسینی (میاں) 5-6
فتح علی خان (میر) 30-6
فخرالدین عراقی (شیخ) 2-1
فخری (مولانا) 23-6
فضلی فضل 2-1
فیض اللہ طپش (آخوند) 16-6
فیضی (شیخ) 8-2

(ق)

قاضن (قاضی) 3-2
قمرالدین عشرت (شیخ) 25-5
قیصر (ملا) 7-3

(ک)

کرم علی خان (میر) 3-6
کمال الدین احمد 6-5

(ل)

لطف علی خان ہمت (میر) 27-6

(ن)

ناصرالدین مدنی 5-2
نجم الدین غزلت (میر) 6-5
نورالحق شستاقی (ملا) 4-2

(م)

محب علی (ملا) 30-5
محمد (ملا) 14-5
محمد صوفی (ملا) 3-6
محمد اشرف (قاضی) 3-2
محمد پناہ واثق 13-6
محمد حسن (سید) 1-5
محمد حسین مراد (سید) 1-5
محمد حسین جانباز (مولانا) 23-5
محمد حسین شوقی (ملا) 29-5
محمود خطا ہاشمی 9-6
محمود خطا (میاں) 22-5

محمد رفیع (میاں) 5-2
محمد رفیع بیوش 15-6
محمد سرفراز عباسی 39-6
محمد شریف (مخدوم) 15-5
محمد شفیع (آخوند) 11-6
محمد صالح (ملا) 24-5
محمد صالح تبریزی (آقا) 14-6
محمد ضیا قیامت 26-5
محمد ظہیر (قاضی) 3-2
محمد علی (میر) 2-1
محمد علی صوفی 17-5
محمد فاضل (شیخ) 7-5
محمد محسن پانولی 27-5
محمد محفوظ سرنیوش (شیخ) 25-5
محمد مرید (شیخ) 25-5
محمد معین تسلیم (مخدوم) 19-5
محمد مقیم 1-6
محمد منعم (میر) 5-5
محمد ہاشم (مخدوم) 20-5
محمد میر 6-6
محمود (قاضی) 11-5
مرتضیٰ (میر) 6-5
مرتضیٰ مشرب (خواجہ) 8-5
مصلح الدین (مولوی) 21-6
معصوم شاہ نامی (میر) 1-1
موسیٰ (شیخ) 8-2
مہابت خان کاظم 28-6
میر محمد (شیخ) 3-5
میر محمد (سید) 9-5

(و)

وجیہ الدین میاں 5-2

(ھ)

ہارون (سید) 3-3
ہمون (میاں) 6-3

(ی)

یار محمد (ملا) 9-6
یار محمد (مولوی) 26-6
یوسف سندھی (شیخ) 2-4
یونس ارغون (میر) 25-6

maablib.org

"قدیم سندھ کے ستارے" کتاب میں ذکر کیے ہوئے کتابوں کے ناموں کو

الف۔ب کے تحت یادداشت

[اشارہ: پہلا حرف فصل اور دوسرا اسم کے طور پر دکھائے گئے ہیں]

(الف)

آئین اکبری 8-2

آداب المریدین 1-5

اشعار گزیدہ 4-5

اصطلاحات رضویہ 6-5

اقتباس مشکواۃ 17-5

اکبر نامہ 8-2

انشای ابو الفضل 8-2

انشای عیشی 10-6

انشای فیضی 8-2

انشای قابل خان 15-5

انشای محمد شریف 15-5

(ب)

ببھن نامہ 8-5

بیان العارفین 8-3

تنبیہ الغافلین 22-5

(ت)

تاریخ چراغ ہدایت 7-5

تاریخ طاہری 1-5 31-5

تاریخ معصومی 1-1

تحفۃ الکرام 2-5

تحفۃ المجالس 2-5

تذکرۃ الاولیا 11-5

تذکرۃ المراد 1-5

ترنم عشق (مثنوی سومل رانا) 1-6

(ج)

جامع فتاوی پورانی 3-5

(چ)

چچنامہ 4-1

چیسر نامہ 31-5

(ح)

حاشیہ تفسیر بیضاوی 21-6

حاشیہ شرح ملا 1-3

حدیقۃ الاولیا 9-5

حملہ حسینی 27-5

حواشی حدیث 3-2 7-2

حواشی مشکواۃ 7-2

حواشی متین 11-5

(خ)

خمسہ نفیس 2-8

(د)

دستور سیاقی 24-5
دیوان شرف 3-2
دیوان تجلیا 15-5
دیوان حقی 15-6
دیوان حیدری 23-6
دیوان شوقی 30-5
دیوان عطا 26-5
دیوان عشقی 10-6
دیوان غوری 5-5
دیوان قیصری 4-6
دیوان فیضی 8-2
دیوان عظیم 6-2
دیوان محسن 27-5
دیوان مومن 19-6
دیوان میر 3-1
دیوان نامی 1-1

(ذ)

[illegible] 2-1

(س)

سندھی ابو الحسن 18-5
سندھی قاضی قاضن 3-2
سندھی مخدوم محمد ہاشم 30-5
سواطع الالہام 8-2

(ض)

ضرر البشر 1-5

(ط)

طب نامی 1-1
طراز دانش 27-5
طوطی نامہ 2-5

(ر)

رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی 2-3
رسالہ شاہ کریم 8-3
رشحات الفنون 7-5
روضۃ السلاطین 2-6

(ش)

شجرہ سادات بخاری منظوم 2-1
شرح اربعین 12-5
شرح دیوان حافظ 6-5
شرح شمائل نبوی 21-6
شرح گلانی 12-5
شرح مخزن الاسرار 17-5
شرح منطق 21-6

"قدیم سندھ" کتاب میں ذکر کیے ہوئے شہروں کی

الف۔ب کے تحت یاداشت

اہاوڑا 204،24
اُچ 14
اسلام کوٹ۔ اسلام گڑھ 171
اگھم کوٹ 57
الور (اروڑ) 172،21
امرکوٹ (عمرکوٹ) 195،66
انڑپور 34
اورنگا بندر 76
بادشاہ پور (ٹکڑی) 23
باغ بان 172
بھورا 173
بدین 173
برہمن آباد (بھانبھرا) 174
بکار 23
بکیرا 48
بکھر 175
بلڑی 62
بوبک 32
بیرلوہو 177
بھانبھرا (برہمن آباد) 174،64
بھانوٹ 44
بھٹ 45
بھرالوہ 23
بھنبھور 77
بھیلانی 41
تغلق آباد 177
ٹلٹی 32
ٹنڈو آدم 69
ٹنڈو الہیار 68
ٹنڈو باگو 68
ٹنڈو فضل 68
ٹنڈو محمد خان 68
ٹھٹہ (تتہ) 86
پاٹ 178،32
پب جبل 39
پتھورا 66
پٹ باران 35
پٹان 61
پیر پٹھا 79،38
جون یا جھونپور 179،58

جیمپا (نوریا اصل) 45
جھرک 39
جھمپی 39
چاچک (چاچکان) 60
چانڈکو (لاڑکانہ) 180، 33
حیدرآباد (نیرون کوٹ) 180
خانوٹ 44
خدا آباد 66
دربیلا 41
دیبل (دیول) 80
دیپالپور 184
دیول بندر (لاہری) 80
دھاراجا بندر 185، 80
دھوزرانگورا 55
ڈبھرا
لاڑی 78
رانڈن 55
رکن پور 54
قلعہ رنی کوٹ 38
روہڑی 22
ریلی 34
ساموئی 186، 177
سانگرہ 186، 51
سبزل کوٹ 187
ستیاد 56
سدھارن کا ستون 68
سکھر 187، 19
سونڈا 75
سہار 52
سیر گنڈ (اشنابندر) 78
سیوستان (سہوان یا سیوہن) 27
سیوی (سبی) 191، 25
شال 65
شاہ بندر 192، 76
شاہ پور 193
شکار پور 193
شہداد پور 195، 67
طوق (سنگھا جبل) 39
فتح باغ 197
فتح پور 197
کاتیار 48
کاچھا 198
کراچی 79
گھرانڈ 199

کلان کوٹ 79
کوڑی 77
کوچھا 61
کوہستان 38
کیٹی بندر 77
کینجھر 76
کھوہڑا 25
کھیبر 50
کھیر تھر جبل 39
کھوکی 24
لاڈکانہ (لاڑکانہ) 200
لاڑیوں 77
لاہری بندر 76
لکھلری (روہڑی) 32، 38، 202
ماتھیلو 24
مانجھند 38
متعلوں (ٹھیاری) 52
محمد آباد 204
محمد طور 205
مقابھین 78
ملتان 12
منصورہ 206
منگھا پہاڑ 39
مورو 69
مہر جبل 38
میرپور بٹھورو 80، 173
میرپور خاص 65
میرپور ساکرہ 77
نصرپور 46
نصریہ 71
نگرپارکر 66
نورائی 56
نوشہرو 69
نیرون کوٹ (حیدرآباد) 41، 180،
208
ونگہ 60
ولہار 60
ہالانی 41، 209
ہالہ کنڈی (ہالا) 42، 210

MAAB 1431
maablib.org

سنڌي ادبي بورڊ
ڄامشورو

سنڌي ادب

جامشو

سندھی ادبی بورڈ کے شائع کردہ کتاب

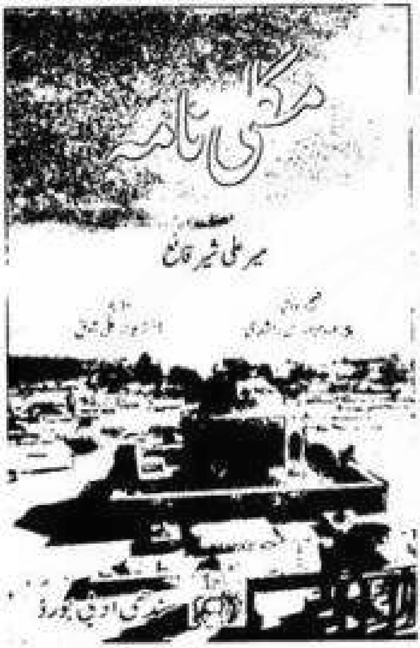

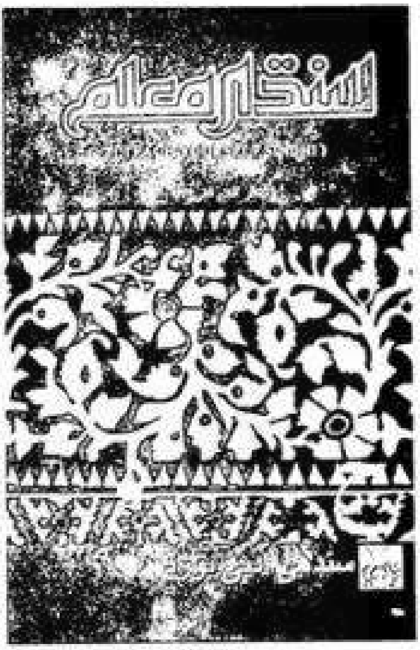

سنڌي ادبي بورڊ
ڄامشورو

سنڌي ادب

جامشو
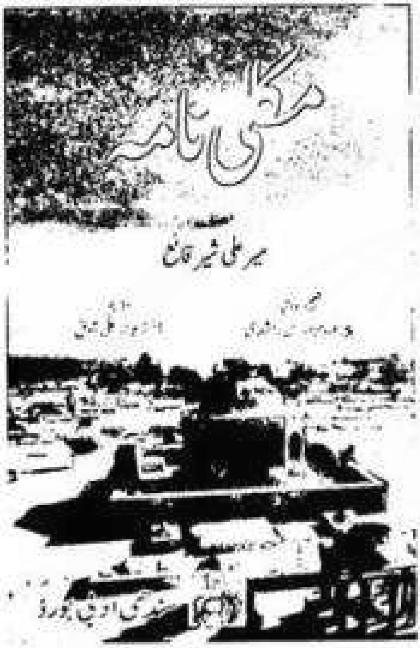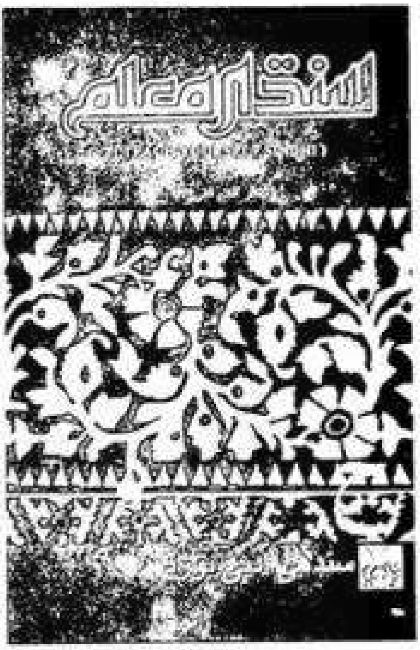
سندھی ادبی بورڈ کے شایع کردہ کتاب